پندِ تاریخ ۲

تالیف
موسیٰ خسروی

ترجمہ
محمد حسن جعفری

حسن علی بک ڈپو بالمقابل بڑا امام باڑہ۔ کھارادر۔ کراچی فون ۲۴۳۳۰۵۵

વકફ

આ કિતાબ હાજી મહમદઅલી ભાઈ
અલીભાઈ સુંદરજી "સોમાસોક"
તનનરીવ માડાગાસ્કારવાળા તરફથી
તેમના મરહુમ સગાવહાલાઓની
રૂહોના સબ્રવાબ અર્થે
વકફ કરવામાં આવેલ છે.
લાભ લેનાર ભાઈ બહેનો મરહુમોની
અરવાહોના સવાબ અર્થે એક
સુરએ ફાતેહા પઢી બક્ષી આપે
એવી નમ્ર અરજ છે.

اخلاقی ⊙ تاریخی ⊙ اجتماعی

تالیف : موسیٰ خسروی

ترجمہ : محمد حسن جعفری

حسن علی بک ڈپو

بالمقابل بڑا امام باڑہ۔ کھارادر۔ کراچی فون ۲۴۳۳۰۵۵

کتاب ---------------- پند تاریخ جلد دوم

تالیف ---------------- موسیٰ خسروی

ترجمہ ---------------- محمد حسن جعفری

کمپوزنگ ---------------- محمد جواد کاشف

تصحیح ---------------- سید فیضیاب رضوی

طبع سوم ---------------- ۲۰۰۲ء

مطبع ---------------- عمار پرنٹرز کراچی

عناوین کتاب

مقدمہ : علم اخلاق کی ضرورت

باب اوّل ۔ وعدہ وفائی

صفوان بن یحییٰ کی وعدہ وفائی ۱۷
عورت کی وعدہ خلافی ۱۸
جہاں جنسی خواہشات غالب ہوں ۱۹
ایک صحرا نشین کی وفا ۲۱
ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نذورات کا ایفا چاہتے ہیں ۲۵
وعدہ وفائی ، دلیل جواں مردی ۲۶
معاہدہ لکھ لینا چاہئے ۳۱
اسماء بنت عمیس کا خدیجۃ الکبریٰ سے وعدہ ۳۲
وعدہ خلافی جائز نہیں ہے ۳۴
حکام اس واقعہ سے سبق حاصل کریں ۳۵

خدا سے کیا ہوا وعدہ ۳۶

پابندیِ عہد یا بقائے نعمت ۳۸

ثعلبہ بن حاطب کی پیمان شکنی ۳۸

خاندان نبوت کی وعدہ وفائی ۴۰

اسماعیل صادق الوعد ۴۱

چند روایات ۴۲

باب دوم ۔ ہمسایوں اور دینی بھائیوں کے حقوق

سمرہ بن جندب کا ہمسائے سے سلوک ۴۵

سمرہ بن جندب کو پہچانیں ۴۶

حقِ ہمسائگی ۴۷

حدودِ ہمسائیگی ۴۸

اس داستان سے عبرت حاصل کریں ۴۸

چنگیز خان کا قانون ۵۰

ہمسائے کے مالی حقوق کا لحاظ رکھیں ۵۲

ہمسائے کے ستم سے کیسے بچایا ۵۴

برادران ایمانی کے حقوق ۵۴

مومن کو خوش کرنے کی جزا ۵۶

دل بدست آورد کہ حج اکبر است ۵۷

حق مومن کی اہمیت ۵۹

اہل ایمان کے لئے دعا ۶۱

خدا کے لئے کسی کو دوست بنانا بہترین عمل ہے ۶۲

مومن کو خوش کرنا بہترین عمل ہے ۶۳

جب حسن رفاقت اسلام کا سبب بنی ۶۴

امام کی نظر میں حسنِ معاشرت کی اہمیت ۶۵

ایک بوڑھے سے امام کاظمؑ کا حسن سلوک ۶۵

پیغمبرؐ اکرم کی حسن رفاقت ۶۶

آدابِ سفر سیکھیں ۶۶

چند روایات ۶۷

باب سوم ۔ مہمان نوازی

صحرا نشین کی مہمان نوازی ۷۱

لباس کو مہمان نوازی کا معیار مت بنائیں ۷۲

مہمان کتنا حساس ہوتا ہے؟ ۷۵

امام حسنؑ مجتبیٰؑ کی مہمان نوازی ۷۵

انسان کتنے دن مہمان رہ سکتا ہے؟ ۷۶

مہمان کا احترام ہر شخص پر واجب ہے ۷۹

اس عالم میں بھی مہمان کو کھانا کھلایا ۸۰

انداز مہمانی ۸۱

مہمان نوازی کا خرچ ولی العصر (عج) نے دیا ۸۲

بادیہ نشین کیسے مہمانی کرتے ہیں ۸۲

سلمان فارسیؓ کی مہمان نوازی ۸۵

افضل کون؟ مہمان یا میزبان ۸۸

مہمان نوازی سے نہ کترائیں ۸۸

چند روایات ۹۱

باب چہارم ۔ عفو و درگزر

بنی ہاشم اور بنی امیہ کا فرق ۹۴

پیغمبرؐ اسلام کا ایک دشمن سے درگزر ۹۵

فتح مکہ پر آپؐ کا درگزر ۹۷

علیؑ کا عفو و درگزر ۹۹

علیؑ کے کردار کی ایک اور جھلک ۱۰۰

امام حسینؑ لشکرِ حر کو پانی پلاتے ہیں ۱۰۰

عفوِ سلطانی کی وجہ ۱۰۳

امیر اسماعیل سامانی کا درگزر ۱۰۳

حضرت یوسفؑ کا بھائیوں سے حسنِ سلوک ۱۰۵

خدا کی بخشش کو بہانہ چاہئے ۱۰۷

سب لوگ معصوم کیوں نہیں ہیں؟ ۱۰۸

دنیاوی عذاب دور کرنے کی وجہ ۱۰۹

دوزخ میں کون جلے گا؟ ۱۱۰

میزان اعمال اور رحمتِ خداوندی ۱۱۱

کیا تمہیں اپنے لئے بخشش کی ضرورت نہیں؟ ۱۱۲

لوگوں سے درگزر کرو ۱۱۳

چند روایات ۱۱۵

باب پنجم ۔ مذمت حرص

بہلول اور حریص چور ۱۱۸

اللہ ہزار وسیلوں سے رزق پہنچاتا ہے ۱۲۰

حرص سے رزق میں اضافہ نہیں ہوتا ۱۲۱

حرص بے وقوف بنادیتی ہے ۱۲۲

ابراہیم بن ادہم کی توبہ ۱۲۳

ان دو میں سے بہتر کون ہے؟ ۱۲۵

غرباء کے قاصد کو جواب ۱۲۶

حضرت عیسیٰؑ اور مرد حریص ۱۲۷

قناعت کیا ہے؟ ۱۳۰

افزائشِ مال کی حرص ۱۳۱

رسول خداؐ ہمارے لئے کیسی زندگی پسند کرتے تھے؟ ۱۳۲

رزقِ حلال کی تلاش اور تلوار سے جنگ ۱۳۴

حقیقی بادشاہ ۱۳۵

جابر بن عبداللہ انصاری اور معاویہ ۱۳۸

ابوذرؓ کا فقر غیور ۱۳۹

آتا ہے دھن جاتا ہے دھن ۱۴۰

چند روایات ۱۴۱

باب ششم ۔ حسد کی تباہ کاریاں

حاسد کا انجام ۱۴۴

امام علی نقیؑ پر حسد ۱۴۶

حسد نے آدمؑ کو جنت سے بے دخل کیا ۱۴۸

حضرت عیسیٰؑ اور حاسد ۱۵۰

حسد میں کتنی قوت موجود ہے؟ ۱۵۱

دنیا میں پہلا قتل حسد کی وجہ سے ہوا ۱۵۳

امام محمد تقیؑ کو حسد کی وجہ سے شہید کیا گیا ۱۵۵

عورتوں میں حسد ۱۵۹

حضرت علی علیہ السلام کا فیصلہ ۱۶۱

غیر محتاط خوشامدی ۱۶۵

ابلیس فرعون کے دروازہ پر ۱۶۸

چند روایات ۱۶۹

باب ہفتم ۔ صبر و تحمل

صبر و تحمل کامیابی کی کلید ہے ۱۷۲

حصول آرزو کے لئے صبر و تحمل کی ضرورت ہے ۱۷۴

نوشیروان اور لکڑہارا ۱۷۶

تکالیف پر صبر و تحمل ۱۷۸

غربت پر صبر کرنا شہادت سے بھی بہتر ہے ۱۷۹

جلد بازی اور رزق حرام ۱۸۰

مصیبت پر صبر کرنے کا اجر ۱۸۰

جوان بیٹے کی موت پر صبر ۱۸۲

شہادت حمزہؓ و صبر پیغمبرؐ ۱۸۳

ہر تکلیف مؤمن کے لئے باعثِ اجر ہے ۱۸۵

بیماری خدائی تحفہ ہے ۱۸۶

امام صادق علیہ السلام کا خط ۱۸۶

صحرائی خاتون کا صبر ۱۸۹

دو صابر خواتین کا موازنہ ۱۹۰

چند روایات ۱۹۳

باب ہشتم۔ خوش اخلاقی کے فوائد اور بد اخلاقی کے مفاسد

اخلاق پیغمبرؐ کا ایک نمونہ ۱۹۶
کیا اخلاق پیغمبرؐ کی گنتی ممکن ہے؟ ۱۹۷
آپ کا اخلاق موجبِ جسارت بھی بنا ۱۹۸
آپ کو اعلیٰ اخلاق کتنا پسند تھا؟ ۱۹۹
بد خلقی فشارِ قبر کا سبب ہے ۲۰۳
جب آقا بد خلق ہو تو غلام بھی بد خلق ہوتے ہیں ۲۰۴
علیؑ نے مذاق اڑانے والے سے کیا سلوک کیا؟ ۲۰۵
میرِ کارواں کا رختِ سفر ۲۰۶
پیغمبر اسلامؐ نے اپنے عمل سے تبلیغ کی ۲۰۷
فرزندانِ اسلام سے دردمندانہ گزارش ۲۰۸
چند روایات ۲۱۰

باب نہم۔ پیروی نفس کا نتیجہ

جب اطاعت نفس شرمندگی میں تبدیل ہوئی ۲۱۳
خواہشیں مجسم ہو گئیں ۲۱۴
خواہشات کی پیروی نے زلیخا کو کتنا ذلیل کیا؟ ۲۱۵
جذبہ شہوت کتنا قوی ہے؟ ۲۱۷
خواہش قوی ہے یا تربیت؟ ۲۱۹

شہوت رانی کا انجام ۲۲۰
بنی امیہ کی اسلام دشمنی کی ایک جھلک ۲۲۱
وہ جسے مرتے دم کلمہ نصیب نہ ہوا ۲۲۴
بڑے میاں سبحان اللہ ۲۲۵
حسن مجتبیٰؑ کا کردار ۲۲۸
ہوس پرستی یا بت پرستی ۲۳۰
ہوس پرستی کا بدترین انجام ۲۳۱
چند روایات ۲۳۴

باب دہم۔ مخالفتِ نفس

مخالفت نفس کا ثمر ۲۳۸
مخالفت نفس کی وجہ سے کافر کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی ۲۳۹
ایک عابد کی مخالفت نفس ۲۴۱
علمائے حقیقی کی روش ۲۴۲
ایک عالم ربانی کا کردار ۲۴۳
خواہش نفس پر غلبہ پانے والا غلام ۲۴۴
عشق و عقل کی جنگ میں سرخرو کون ہوا؟ ۲۴۶
نفس امارہ کی شکست ۲۴۸
جسے گرم لوہا نہیں جلاتا تھا ۲۴۹
حجلۂ عروسی سے میدان جنگ تک ۲۵۱
چند روایات ۲۵۳

مقدمہ

علم اخلاق کی ضرورت

قارئین کرام!

حجتہ الاسلام والمسلمین جناب موسیٰ خسروی کی یہ کتاب علم اخلاق پر مبنی ہے اور اس کے لئے انہوں نے **سنگین** اخلاقی مباحث کے بجائے تاریخی واقعات کا سہارا لیا ہے۔ تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ مذکورہ مباحث حکمت نظری سے نہیں بلکہ حکمت عملی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس مقام پر ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا لوگوں کے اخلاق اور روحیں تربیت کی وجہ سے قابل تغیر ہیں یا نہیں؟

اور اس سوال کی بنیاد پر علم اخلاق کی سرنوشت کا دارومدار ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ لوگوں کے اخلاق اور روحیں ان کے جسم اور روح کی اٹھان کے تابع ہوتے ہیں تو اس صورت میں علم اخلاق بے ہودہ اور لغو قرار پائیگا۔ کیونکہ اگر لوگوں کے اخلاق میں تبدیلی ناممکن ہے تو پھر اس علم کی چنداں ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس کے برعکس اگر ہم دوسرا نظریہ قبول کریں یعنی تعلیم وتربیت کا اخلاق و کردار پر اثر مرتب ہوتا ہے تو پھر اس علم کی قدروقیمت بخوبی واضح ہوسکتی ہے۔ بعض دانشوروں نے پہلے نظریہ کو قبول کیا ہے اور ان کا موقف یہ ہے کہ جس طرح سے کچھ درختوں کا پھل کڑوا ہوتا ہے اگرچہ باغبان لاکھ کوشش کرے تو بھی ان کا ثمر میٹھا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح سے ناپاک دلوں پر بھی تربیت کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض کچھ تغیر پیدا ہوجائے تو وہ بھی فقط وقتی اور عارضی نوعیت کا ہوگا چند دنوں

کے بعد وہ اثر ختم ہو جائے گا۔

اس قنوطی نظریہ کے برعکس علم اجتماع کے مفکرین کی اکثریت کا نظریہ یہ ہے کہ تربیت سے اخلاق و روح میں تبدیلی ممکن ہے اور انہوں نے مسلسل تجربات سے اس حقیقت کو ثابت کیا ہے۔ اگر تعلیم و تربیت انسانی نفوس کے لئے غیر موثر ہوتی تو اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو **مبعوث** نہ فرماتا۔

ہمارا مشاہدہ اس بات کا گواہ ہے کہ تربیت سے وحشی جانوروں کو بھی رام کیا جاسکتا ہے اور ان سے اپنے احکام پر عمل کرایا جاسکتا ہے۔ انسانی جسم متضاد قوتوں سے عبارت ہے۔ انسان میں ایک طرف سرکش خواہشات اور حیوانی جبلتیں موجود ہیں تو دوسری طرف انسان میں عقل و ادراک، عواطف انسانی اور وجدان کی قوتیں بھی موجود ہیں۔ اور یہ قوتیں انسان سے عدالت، نوعِ بشر سے الفت، پاکدامنی اور تقویٰ کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اور انہی متضاد اوصاف کی وجہ سے ہر انسان میں نیکی اور بدی کی کشمکش ہمیشہ جاری رہتی ہے اور اسی وجہ سے انسانوں کی قدر و قیمت میں **فرق** پایا جاتا ہے، اس لئے "اعلی علیین" کے مقام پر بھی انسان فائز ہے اور "اسفل السافلین" کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی انسان نظر آتا ہے۔ یہی انسان کبھی مقرب فرشتوں کا بھی مخدوم بن جاتا ہے اور کبھی جانوروں سے بھی بدتر دکھائی دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر انسان اپنی عظمت پہ آئے تو اسے فرشتے سجدہ کرتے ہیں اور اگر انسان اپنی خباثت پہ آئے تو یہ خود بتوں کو سجدہ کرنے لگ جاتا ہے۔

تہذیب نفس یا جہاد اکبر

اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا تہذیبِ نفس کہلاتا ہے اور اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اسے "جہاد اکبر" سے تعبیر کیا گیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ اقدس میں جب مجاہدین کا گروہ فاتحانہ شان سے مدینہ منورہ میں پہنچا تو

آپؐ نے ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا:

مرحبا بقوم قضو الجهاد الاصغر و بقى عليهم الجهاد الاكبر

فقيل يا رسول الله ماالجهاد الاكبر فقال جهاد بالنفس

"میں ان افراد کو خوش آمدید کہتا ہوں جو چھوٹا جہاد کرکے آئے اور جنہوں نے ابھی بڑا جہاد کرنا ہے۔" آپؐ سے پوچھا گیا کہ بڑا جہاد کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: "اپنے نفس سے جہاد کرنا بڑا جہاد ہے۔"

حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے:

ان افضل الجهاد من جاهد نفسه التى بين جنبيه

یاد رکھو! سب سے افضل جہاد ان سرکش خواہشات کے خلاف جہاد کرنا ہے جو انسان کے سینہ میں موجود ہیں۔

واضح رہے کہ اس جہاد کو جہادِ اکبر اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ جہاد وقتی اور عارضی نہیں ہے یہ ابدی اور سرمدی جہاد ہے۔

علاوہ ازیں داخلی جنگ بیرونی جنگ سے زیادہ صبر آزما ہوتی ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص ظاہری جہاد میں کفار کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو اسے شہادت کا بلند رتبہ نصیب ہوتا ہے لیکن اگر انسان اپنے نفس امارہ کے ہاتھوں سے مارا جائے تو اسے شقاوت نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے بیرونی جنگ مومن کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے جہاد بالنفس بہت مشکل ہے۔

اور یاد رکھیں جہاد بالنفس کا مرحلہ انسان کی پوری زندگی پر محیط ہوتا ہے یہ جہاد اگرچہ تھکا دینے والا ہے لیکن انسان کو شرفِ انسانیت عطا کرتا ہے۔ جو انسان اپنی پوری زندگی اپنے نفس کے خلاف رزم آرائی میں مصروف رہے تو اس میں استقلال و پامردی کی صفاتِ جلیلہ پیدا ہوتی ہیں۔ جیسا کہ جنگلی درخت جو کہ ہمیشہ تند ہواؤں

اور پیاس سے نبرد آزما رہتے ہیں ان میں پختگی پیدا ہوتی ہے، اور اس کی طرف خطیبِ منبر سلونی امیر المومنین علیہ السلام نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: جنگلی درختوں کی لکڑی زیادہ مضبوط اور ان کی آگ زیادہ دیرپا ہوتی ہے: (نہج البلاغہ)

اس سے زیادہ میں کتاب اور قارئین کے درمیان حائل نہیں ہونا چاہتا۔ بس یہی التماس ہے کہ کتاب کے قصص و امثال سے عبرت حاصل کریں اور نصائح پر عمل کر کے نفس امارہ کو شکست دیں۔

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اس رزمِ حق و باطل میں خداوند عالم آپ کا اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔ اور اپنی سب سے پیاری مخلوق محمد و آل محمد علیہم السلام کے صدقہ میں قدم قدم پر ہماری رہنمائی فرمائے۔

بے شک وہ جستجو کرنے والوں کو راہِ حق کی ہدایت عطا کرتا ہے۔ والسلام

آپکی دعاؤں کا طالب

محمد حسن جعفری

باب اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعدہ وفائی

صفوان بن یحییٰ کی وعدہ وفائی

شیخ طوسی کہتے ہیں کہ صفوان یحییٰ اپنے دور کے قابل وثوق شخص تھے وہ روزانہ ایک سو پچاس رکعت نماز پڑھتے سال میں تین ماہ روزہ رکھتے اور تین دفعہ زکوۃ ادا کرتے تھے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے عبداللہ بن جندب اور علی بن نعمان کے ساتھ خانہ خدا میں عہد کیا تھا کہ ہم میں سے پہلے مرنے والے افراد کی نماز، روزہ اور زکوۃ بعد میں زندہ رہنے والا شخص ادا کرتا رہے گا۔

اتفاق یہ ہوا کہ عبداللہ اور علی پہلے فوت ہوگئے۔ صفوان اپنے وعدے کے مطابق جب تک زندہ رہے اپنے دونوں دوستوں کی نماز، روزہ اور زکوۃ ادا کرتے رہے۔

۲۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی تو امام محمد تقی علیہ السلام نے ان کے لئے کافور اور کفن روانہ کیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فرزند اسماعیل کو حکم دیا کہ وہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔

ان کی پرہیزگاری کی انتہا یہ تھی کہ ان کے ایک مکی ہمسایہ نے انہیں دو دینار بطور امانت دیئے کہ یہ رقم آپ کوفہ میں فلاں شخص تک پہنچادیں۔ تو انہوں

نے کہا میں نے اونٹ کرایہ کا لیا ہوا ہے اور اونٹ کے مالک سے میں نے اس کی اجازت نہیں لی۔ اس کے بعد وہ اونٹ کے مالک سے ملے اور اس سے اجازت لینے کے بعد انہوں نے دو دینار بطور امانت لئے۔ (تمت المنتہٰی)

عورت کی وعدہ خلافی

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ایک قبرستان سے گزر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا ایک قبر پر خیمہ لگائے بیٹھا ہے۔

انہوں نے بوڑھے سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: یہ میری بیوی کی قبر ہے ہم نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ ہم میں سے جو بھی پہلے مرے گا، تو دوسرا اپنی پوری زندگی اس کی قبر پر بیٹھ کر بسر کرے گا۔ چنانچہ میری بیوی فوت ہوئی تو میں اس سے اپنا کیا ہوا عہد نبھا رہا ہوں۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اسے زندہ کر دوں؟

بوڑھے نے کہا: اگر آپ ایسا کریں تو آپ کا عظیم احسان ہوگا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے دعا مانگی۔ فوراً قبر شگافتہ ہوئی اور عورت زندہ ہو کر قبر سے باہر آگئی۔

بوڑھا بہت خوش ہوا اور اپنی بیوی کو لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا گھر قبرستان سے کافی دور تھا۔ راستہ میں ایک صحرا پڑتا تھا۔ وہ اپنی بیوی کو لے کر صحرا سے گزر رہا تھا کہ اسے نیند کا شدت سے احساس ہوا۔ چنانچہ وہ بیوی کی ران پر سر رکھ کر سو گیا۔

اسی اثنا میں ایک شہزادے کا ادھر سے گزر ہوا اس نے بوڑھے کو جوان و حسین عورت کی آغوش میں آرام کرتے ہوئے دیکھا تو اس کی نیت میں فتور آگیا۔ اس نے عورت سے کہا کہ تو جوان اور حسین ہے اس بوڑھے کے ساتھ زندگی کیسے بسر کر

رہی ہے؟

عورت نے کہا: میں مجبور ہوں یہ مجھے چرا کر لایا ہے۔

شہزادے نے کہا: پھر تم احتیاط سے اس کا سر اپنی جھولی سے اتار کر زمین پر رکھ دو اور میرے ساتھ چلی آؤ۔

عورت نے بوڑھے کا سر آرام سے زمین پر رکھ دیا اور خود شہزادے کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

جب بوڑھا نیند سے بیدار ہوا تو بیوی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ قدموں کے نشان سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے آخر کار وہ بیوی کے ٹھکانے پر پہنچ گیا پس شہر کے قاضی کے پاس گیا اور اس کے سامنے بیوی کی شکایت کی۔

قاضی نے عورت کو بلایا اور نصیحت کی کہ اگر بوڑھا سچا ہے تو اسے اس کے ساتھ چلے جانا چاہئے۔ مگر عورت نے اسے شوہر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

بوڑھے نے قاضی سے کہا کہ یہ مر کر قبر میں چلی گئی تھی اور جناب عیسٰی علیہ السلام کی دعا سے اسے نئی زندگی ملی ہے۔ آپ جناب عیسٰی علیہ السلام کو بلائیں وہ میری تائید فرمائیں گے۔

جناب عیسٰی علیہ السلام آئے اور عورت کو نصیحت کی کہ بوڑھے کی ساتھ چلی جائے مگر عورت نے واقعہ کی صحت سے انکار کیا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا: تم میاں بیوی آپس میں مباہلہ کرو تم میں سے جو جھوٹا ہوگا وہ فوراً مر جائے گا۔ بیوی نے بوڑھے کو بددعا کی لیکن اسکی بددعا کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر بوڑھے نے اپنی بیوی کو بددعا کی تو وہ فوراً مر گئی۔ (ملوک الطوائف)

جہاں جنسی خواہشات غالب ہوں

دریائے فرات کے کنارے اساطرون نامی ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا اور

اس کی حکومت اس قدر مضبوط تھی کہ شاپور ذوالاکتاف اس کا لحاظ کرتا تھا لیکن جب رومیوں سے شاپور کی صلح ہوگئی تو اس نے اپنی بدفطرتی کی وجہ سے اساطرون کے شہر کی تسخیر کا ارادہ کیا۔

شاپور نے اساطرون کی مملکت کے چھوٹے شہر فتح کر لئے اور آخر کار اس کی دارالحکومت کا محاصرہ کر لیا۔

اساطرون قلعہ بند ہوگیا جہاں کئی سالوں کی ضرورت کے مطابق غلہ اور خشک چارہ وغیرہ موجود تھا۔

شاپور نے تمام حربے آزما ڈالے لیکن وہ کسی طرح سے بھی قلعہ میں داخل نہ ہو سکا۔ ایک دن اساطرون کی بیٹی قلعہ کے حصار پر کھڑی دشمن کی فوج کا نظارہ کر رہی تھی کہ اس کی نظر شاپور پر پڑی۔ وہ اس کی مردانہ وجاہت سے بے حد متاثر ہوئی اور اسے پیغام بھیجا اگر تم مجھ سے شادی کرنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لئے قلعہ کے دروازے کھلوادوں گی۔

شاپور نے وعدہ کیا کہ شہر کے تسخیر کی فوراً بعد میں تم سے شادی کرلونگا۔

لڑکی نے ایک رات قلعہ بانوں کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا تو شاپور کی فوج ٹڈی دل کی طرح قلعہ میں داخل ہوگئی اور چند ہی گھنٹوں میں قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مقابلہ میں اساطرون قتل ہوگیا۔

شاپور نے اساطرون کی بیٹی سے شادی کرلی۔ چند دن گزرے کہ شاپور نے اپنی بیوی کی پشت پر ایک نشان دیکھا۔ تو اس نے بیوی سے اس نشان کے متعلق دریافت کیا تو اس کی بیوی نے کہا: بات دراصل یہ ہے کہ میں رات جس بستر پر سوئی تھی اس پر درخت کا ایک پتہ تھا۔ اسی پتہ کا نشان میری پشت پر ثبت ہوگیا۔

یہ سن کر شاپور بڑا متعجب ہوا اور کہا: تم نے تو بڑی نرم و نازک جلد پائی ہے

اس کی بیوی نے کہا: جی ہاں میرے باپ نے بڑے ناز و نعم سے مجھے پالا تھا اور وہ مجھے ہمیشہ کھانے میں مغز گوسفند اور انڈے کی زردی اور شہد کھلایا کرتا تھا اسی لئے میری جلد اتنی نرم و نازک ہے۔

یہ سن کر شاپور نے اپنی گردن جھکالی اور کافی دیر تک گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر کہا: جب تو نے اتنے مہربان باپ سے وفا نہ کی تو پھر مجھ سے تو کیسے وفا کرے گی؟

پھر اس نے حکم دیا کہ اس کے بالوں کو گھوڑے کی دُم سے باندھ کر خاردار مقام پر اس وقت تک دوڑایا جائے جب تک یہ مر نہ جائے۔ کامل ابن اثیر جلد اول

پیر پیمانہ کش ماکہ روانش خوش باد
گفت پرہیز کن از صحبت پیمان شکنان

حافظ

ایک صحرانشین کی وفا

نعمان بن منذر کا تعلق ملوک حیرہ سے تھا۔ اور جس دور میں ایران پر ساسانیوں کی حکومت تھی اسی دور میں جزیرہ نمائے عرب پر ملوک حیرہ حکومت کرتے تھے۔ نعمان بن منذر اس خاندان کا مشہور حکمراں تھا۔

ایک مرتبہ وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر شکار کے لئے نکلا۔ جنگل میں ایک گورخر اسے نظر آیا۔ اس نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے لگادیا اور گھوڑے کو اتنا دور لے گیا کہ تمام ساتھی بہت پیچھے رہ گئے اب وہ جنگل میں تن تنہا ہوگیا۔ شام ہونے والی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب جب کہ رات ہونے والی ہے میں رات کہاں بسر کروں۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھا اسے صحرا میں دور ایک خیمہ نظر آیا۔ چنانچہ اس نے گھوڑے کو اسی طرف دوڑادیا۔

وہاں پہنچا تو ایک بوسیدہ سا خیمہ لگا ہوا تھا اور خیمہ میں ایک مرد اور ایک عورت بیٹھے تھے۔

نعمان نے کہا: کیا شب بسری کے لئے مجھے یہاں جگہ مل سکتی ہے؟

مرد خیمہ سے نکلا اور کہا: مہمان پر میری ہزار جانیں قربان، آپ گھوڑے سے اتر آئیں۔

نعمان گھوڑے سے اترا اور اس مرد کا نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرا نام حنظلہ ہے اور میرا تعلق بنی طے قبیلہ سے ہے۔

حنظلہ نے نعمان کے گھوڑے کو ایک میخ سے باندھا اور اس کے سامنے چارہ ڈالا۔

ان صحرا نشینوں کے پاس صرف ایک بھیڑ تھی اور وہی بھیڑ ان کی کل کائنات تھی۔ اس کا دودھ پی کر وہ گزارا کیا کرتے تھے۔

حنظلہ نے بیوی سے کہا کہ یہ شخص مجھے معزز انسان نظر آتا ہے اور اتفاق سے آج ہمارا مہمان ہوا ہے اس کے لئے ہم کیا پکائیں؟

بیوی نے کہا: میرے پاس آٹے کی کچھ مقدار موجود ہے۔ لہذا آپ بھیڑ کا دودھ دوہ لیں اور پھر اسے ذبح کرلیں۔

حنظلہ نے بھیڑ ذبح کی اور اس کا دودھ اور گوشت، روٹی کے ساتھ مہمان کو پیش کیا۔ مہمان نے ساری رات وہاں بسر کی۔ صبح ہوئی تو اس نے میزبان سے کہا کہ میں سلطانِ عرب نعمان بن منذر ہوں۔ آپ لوگوں نے میری بہترین مہمان نوازی کی ہے میں بھی تمہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دیتا ہوں۔

اس واقعہ کو کافی دن گزر گئے۔ حنظلہ کی غربت اور فاقہ کشی نے اسے بادشاہ کے پاس جانے کے لئے مجبور کردیا۔

نعمان بادشاہ کا اصول تھا کہ سال کا ایک دن وہ یومِ غم کے طور پر منایا کرتا تھا چونکہ وہ دن اس کے ندیموں کی موت کا دن تھا۔ اس دن وہ اس قبرستان میں آتا تھا جہاں اس کے دونوں ندیم دفن تھے۔ اس دن باہر سے جو شخص بھی آتا تو نعمان اسے قتل کرادیتا تھا۔

اتفاق یہ ہوا کہ تقدیر حنظلہ کو اسی دن نعمان کے پاس لے گئی جو اس کے لئے یومِ غم تھا۔

اس نے جیسے ہی حنظلہ کو دیکھا تو بہت پریشان ہوا کیونکہ وہ اپنے محسن کو قتل کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے حنظلہ سے کہا: میں بھولتا ہوں یا تم میرے میزبان حنظلہ ہو؟

حنظلہ نے جواب دیا: آپ درست کہتے ہیں میں وہی حنظلہ ہوں۔

بادشاہ نے کہا: آج کا دن میرے لئے سوگ کا دن ہے۔ کاش تو اس دن یہاں نہ آیا ہوتا۔ کیونکہ میرا اصول یہ ہے کہ اس دن جو بھی شخص باہر سے یہاں آتا ہے تو میں اسے قتل کرادیتا ہوں۔ بہر نوع تمہاری جو بھی خواہش ہو مجھ سے طلب کرو پھر میں تمہیں قتل کراؤں گا۔

حنظلہ نے کہا: دولت زندگی کا نعم البدل نہیں ہے۔ اگر تو نے بہر صورت مجھے قتل ہی کرنا ہے تو پھر مجھے مہلت دے تاکہ میں ایک دفعہ اپنے گھر جاؤں اور قوم قبیلہ کے افراد سے الوداع کرلوں۔

بادشاہ نے کہا: اس شرط پر تجھے اجازت دوں گا کہ کوئی تیری ضمانت دے۔

نووارد صحرائی نے ایک ایک درباری کو دیکھا لیکن کوئی بھی ضامن بننے کے لئے تیار نہ تھا آخرکار ایک درباری نے اس کی ضمانت کا اعلان کیا۔ اس درباری کا نام قراد بن اجدع تھا اور اس کا تعلق بنی کلب سے تھا۔

قراد بن اجدع نے بادشاہ سے کہا: آپ اس کو جانے دیں اگر اگلے سال اسی مقام پر سورج غروب ہونے تک وہ نہ آیا تو آپ اس کی بجائے مجھے قتل کر دینا۔

بادشاہ نے ضمانت قبول کی اور حظلہ کو پانچ سو اونٹ دیئے۔ اور وہ اونٹ لے کر روانہ ہو گیا۔

سال گزر گیا اور پھر بادشاہ کا یومِ غم آگیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ضامن کو ہتھکڑیاں پہنادی جائیں اور اس کی نگہداشت کی جائے۔

بادشاہ قبرستان گیا اور جیسے جیسے سورج ڈھلتا گیا لوگوں کی بے قراری میں اضافہ ہوتا گیا۔ سورج ڈوبنے کے قریب آیا۔ جلاد تلوار لے کر قراد بن اجدع کے سر پر پہنچ گیا۔ اور بادشاہ نے جلاد سے کہا کہ اب تم اس کا سر قلم کردو۔

مگر چند وزراء نے بادشاہ سے درخواست کی کہ آپ جلدی نہ کریں، ابھی سورج اچھی طرح سے غروب نہیں ہوا جیسے ہی سورج کی آخری کرن غروب ہو تو آپ اپنے فیصلہ پر عمل درآمد کرائیں۔

اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص دور سے دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ اور زور زور سے چلا کر کہہ رہا ہے کہ جلدی نہ کرو میں آگیا ہوں۔

وہ شخص قریب آیا تو وہ حظلہ تھا۔ بادشاہ کو اس کے آنے کا قلق ہوا کیونکہ بادشاہ ذہنی طور پر یہ چاہتا تھا کہ ضامن قتل ہو جائے اور حظلہ کسی طرح سے بچ جائے۔ دراصل وہ اپنے میزبان کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جیسے ہی حظلہ آیا تو بادشاہ نے کہا: تو موت کے آہنی پنجوں سے نکل چکا تھا، پھر تجھے اس وعدہ وفائی کی کیا ضرورت تھی جس کا انجام بہر صورت موت ہے؟

حظلہ نے جواب دیا: میرا دین مجھے وعدہ وفائی کا حکم دیتا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: تمہارا دین کونسا ہے؟

حظلہ نے کہا: میں عیسیٰ علیہ السلام کا پیروکار ہوں۔

بادشاہ نے کہا: اس دین کے ضروری احکام مجھے بتلاؤ۔ جب حظلہ نے دینِ مسیحا کے ضروری احکام سنائے تو بادشاہ نے کہا کہ ہم اب تک غافل تھے ہمیں بھی اپنے ساتھ دینِ عیسیٰؑ میں داخل کرو اور یوں ایک شخص کی وعدہ وفائی کی وجہ سے بادشاہ اپنے متعلقین سمیت ایمان لایا۔ اور یومِ غم کی رسم بد ہمیشہ کیلئے ختم کر دی۔

ائمہ ہدیٰ نذورات کا ایفا چاہتے ہیں

کتاب تذکرہ دولت شاہی میں جناب حسن کاشی کے متعلق مرقوم ہے کہ موصوف ایک قادر الکلام شاعر تھے اور ان کی خصوصیات یہ تھیں مدح آل محمد علیہم السلام کے علاوہ انہوں نے دیگر موضوعات پر کبھی طبع آزمائی ہی نہیں کی تھی۔

ایران سے حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ و مدینہ کی زیارات مکمل کر کے نجف اشرف آئے اور امیر المومنین علیہ السلام کے مرقدِ مطہر کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے ایک قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ تھا......

اے زبدو آفرینش پیشوائے اہل دین
وی زعزت مادح بازوئے تو روح الامین

اے اہل دین کے رہبر و رہنما! آپ کی وجہ سے کائنات کی تخلیق ہوئی اور آپ وہ ذات پاک ہیں کہ روح الامین آپ کی قوت بازو کی مدح کرتا ہے۔

قصیدہ مکمل ہوا، رات کو سوئے، خواب میں مولائے کائنات امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؑ نے فرمایا: کاشی دور سے آئے ہو اور ہم پر تمہارے دو حق بنتے ہیں۔ پہلا تمہارا حق تو یہ ہے کہ تم ہمارے مہمان ہو۔ اور دوسرا حق یہ ہے کہ تم نے ہمارے حضور شعر پڑھے ہیں۔

تم بصرہ چلے جاؤ وہاں ایک مشہور تاجر رہتا ہے جس کا نام مسعود بن افلح ہے،

تم اس سے ملو اور اسے ہمارا سلام پہنچاؤ اور اس سے کہو کہ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ جب تم نے مالِ تجارت عمان لے جانے کی تیاری کی تھی تو تم نے منت مانی تھی کہ اگر تمہاری کشتی خیر و عافیت سے منزل مقصود پر لنگر انداز ہوگئی تو تم ایک ہزار دینار ہماری راہ میں خرچ کرو گے۔

کاشی! اس تاجر سے ایک ہزار دینار لے کر اپنی ضروریات پوری کرنا۔

حسن کاشی کہتے ہیں کہ میں بصرہ گیا اور اس تاجر سے ملا اور اسے امیر المومنین علیہ السلام کا پیغام سنایا تو وہ خوشی کی وجہ سے بے ہوش ہوتے ہوتے بچا اور کہنے لگا: خدا کی قسم کوئی بھی فرد میری اس منت سے آگاہ نہیں تھا۔ اس نے مجھے ایک ہزار دینار دیئے اور بہترین پوشاک میری نذر کی اور بصرہ کے غرباء و مساکین کے لئے دعوت کا انتظام کیا۔ (روضات الجنات۔ ص ۱۷۱)

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے دوستوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ جب بھی کوئی منت مانیں تو اسے ادا کریں کیونکہ معصومین علیہم السلام نے منت و نذر کی ادائیگی کی نصیحت فرمائی ہے۔

وعدہ وفائی دلیل جواں مردی

عباس نامی ایک شخص مامون الرشید عباسی کے دورِ حکومت میں پولیس کا سربراہ تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک دن مامون کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص ہتھکڑیاں اور طوق پہنے اس کے دربار میں پیش ہوا۔

مامون نے مجھے کہا: عباس! یہ شخص بہت بڑا مجرم ہے میں اسے تیری تحویل میں دیتا ہوں اور اس کا خیال رکھنا کہیں یہ بھاگ نہ جائے۔

میں نے ماتحت ملازمین کو کہا کہ تم اسے میرے گھر لے جاؤ اور وہاں ایک کمرہ میں اسے بند کر کے تالا لگادو۔ میں خود اس سے تحقیقات کرتا رہوں گا۔

ملازمین نے قیدی کو میرے گھر پہنچادیا۔ کچھ دیر بعد میں اپنے گھر گیا۔ میں نے قیدی کو اپنے سامنے بلایا۔

سب سے پہلے میں نے اس سے اس کے شہر کا نام پوچھا تو اس نے کہا کہ میرا تعلق دمشق شہر سے ہے۔

میں نے دمشق کا نام سن کر اس سے پوچھا کہ کیا تو فلاں آدمی کو پہچانتا ہے؟ اس نے میرا سوال سن کر الٹا مجھ پر سوال کردیا کہ آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟ میں نے کہا کہ وہ میرے برے وقتوں کا ساتھی ہے۔ لیکن اب تم اپنا نام پتہ اور جرم بتاؤ۔

اس نے کہا: آپ صبر سے کام لیں۔ میں آپ کے تمام سوالات کا جواب دوں گا لیکن پہلے آپ اپنی شام کی داستان مجھے سنائیں۔

میں نے کہا کہ میں کئی سال پہلے والیٔ شام کا مصاحب تھا۔ لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کردی۔ اور بغاوت اتنی کامیاب ہوئی کہ والیِ شام کو محل چھوڑ کر فرار کرنا پڑا۔ حاکم کے فرار کے ساتھ ہم نے بھی محل چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ لوگ ہمارا تعاقب کر رہے تھے اور ہمیں یقین تھا کہ اگر ہم پکڑے گئے تو مشتعل ہجوم ہمارے جسموں کے ٹکڑے کردے گا۔

فرار کے دوران میں نے ایک شخص کو اس کے دروازے پر کھڑا دیکھا تو اس سے درخواست کی کہ وہ مجھے امان دے اور مشتعل ہجوم کے شر سے مجھے نجات دلائے اور یہ کہ میں اس کا یہ احسان تازیست یاد رکھوں گا۔

اس شخص نے مجھے اپنے گھر میں داخل کیا۔ مجھے ایک کمرے میں لے گیا اور اپنی بیوی کو حکم دیا کہ وہ بھی میرے ساتھ اسی کمرے میں آجائے۔ اپنے شوہر کا کہنا مان کر اس کی بیوی بھی اسی کمرے میں آگئی جہاں میں موجود تھا۔

تھوڑی دیر بعد مشتعل ہجوم اس گھر میں داخل ہوگیا اور صاحبِ خانہ سے کہا

کہ ہمارا مجرم تمہارے گھر میں داخل ہوگیا ہے اسے ہمارے حوالے کرو۔

میرے میزبان نے کہا: میرا سارا گھر تمہارے سامنے ہے اس کی تلاشی لے لو۔ میرے گھر میں کوئی مجرم داخل نہیں ہوا۔

مجمع بپھرے ہوئے طوفان کی طرح گھر میں داخل ہوا انہوں نے تمام کمروں کو کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ اور جب وہ اس کمرے کے دروازے پر پہنچے جس میں میں موجود تھا تو اس کی بیوی نے چلا کر کہا: تمہیں شرم آنی چاہئے تم میرے کمرے میں داخل ہونا چاہتے ہو؟

عورت کی آواز سن کر مجمع واپس چلا گیا اور یوں میری جان میں جان آئی۔

میں چند دن اس شخص کے گھر میں رہا اس نے میری بڑی خاطر مدارات کی۔ ایک دن میں نے کہا کہ میں بھیس بدل کر باہر جانا چاہتا ہوں تاکہ کسی واقف کار شخص کو تلاش کر سکوں۔ اس نے کہا میں اس شرط پر تمہیں باہر جانے دوں گا کہ تم دوبارہ ہمارے ہاں واپس آؤ گے۔

میں باہر گیا اور واقف کار افراد کو تلاش کرتا رہا لیکن مجھے کوئی بھی واقف شخص نہ مل سکا۔ میں دوبارہ اپنے محسن کے گھر واپس آیا اور اس سے کہا کہ میں بغداد جانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ بغداد کا قافلہ تین روز بعد یہاں سے روانہ ہوگا پس جیسے ہی قافلہ کوچ کرے گا تم کو قافلہ تک پہنچادوں گا۔

روانگی کی شب میں ساری رات سوچتا رہا کہ میں سواری اور زادِ راہ کے بغیر بغداد کا طویل سفر کس طرح سے طے کروں گا۔

صبح ہوئی تو میرے میزبان نے مجھے قافلہ کی روانگی کی خبر دی۔ اس اثنا میں اس کی بیوی آئی۔ اس نے مجھے ایک جوڑا کپڑوں کا اور ایک نیا جوتا دیا اور ایک تلوار بھی میرے حوالہ کی پھر ایک صندوق لے کر آئی جس میں پانچ ہزار درہم تھے۔ اس کے

بعد ایک گھوڑا اور ایک گدھا بھی لے کر آئی اور اس کے ساتھ ایک غلام بھی تھا۔

میرے میزبان نے کہا: میرا غلام آپ کے ساتھ بغداد تک جائے گا۔ واپسی پر وہ گھوڑے اور گدھے کو لیتا آئے گا اب آپ مطمئن ہو کر جائیں اور اگر ہماری طرف سے مہمانی میں کوئی کمی ہوئی ہو تو اس کے لئے ہمیں معاف کر دیں۔

میں نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر اللہ نے اچھے دن دکھائے تو میں اس کے احسان کا بدلہ ضرور چکاؤں گا۔

پھر میں بغداد آگیا اور یہاں خلیفہ کی پولیس میں ملازمت کر لی اور اپنی دیانت و محنت سے آج میں پولیس کا سربراہ بن چکا ہوں۔ مجھے آج بھی اپنے محسن کے دیکھنے کی شدید آرزو ہے۔

میرا قیدی میری تمام داستان کو توجہ سے سنتا رہا اور جب میری داستان پوری ہوئی تو اس نے کہا کہ اللہ نے کسی محنت و مشقت کے بغیر تمہیں تمہارا میزبان ملا دیا۔ میں نے کہا: وہ کیسے؟

تو اس نے بتایا کہ میں ہی دمشق میں تمہارا میزبان تھا اور تم میرے پاس ہی ٹھہرے تھے، پھر اس نے مجھے چند نشانیاں یاد دلائیں جس سے مجھے اس کی صداقت کا یقین آگیا۔

میں نے اس سے پوچھا کہ اب تم پر کونسی افتاد آن پڑی جس کی وجہ سے تم اس حالت پر پہنچ گئے؟

تو اس نے بتایا: جیسا کہ تمہارے زمانے میں ایک بغاوت ہوئی تھی اسی طرح سے چند روز پہلے دمشق میں بغاوت ہوئی۔ خلیفہ کی فوج نے بغاوت کو ناکام اور باغی سرغنوں کو گرفتار کیا کسی حاسد نے انہیں میرے متعلق بتایا کہ میں بھی بغاوت کرانے والوں میں شامل تھا، جب کہ خدا جانتا ہے کہ اس بغاوت سے میرا دور کا بھی

واسطہ نہیں تھا۔ بس اس کے بعد مجھے قید کر کے یہاں بغداد روانہ کر دیا گیا اور آج میں تمہارا قیدی ہوں۔

میں نے لوہار کو بلایا اور اس کی ہتھکڑیاں کٹوائیں۔ پھر میں نے اسے پانچ جوڑے کپڑے اور دس ہزار درہم اور گھوڑا دے کر کہا کہ میں تمہیں مزید ایک لمحہ بھی قید نہیں رکھ سکتا۔ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔

قیدی نے کہا: یہ جواں مردی کے اصولوں کے خلاف ہے میں بھاگ گیا تو خلیفہ میرے بدلے تمہیں قتل کرا دے گا۔

میں نے کہا: چاہے کچھ بھی ہو جائے تم چلے جاؤ۔ اس نے کہا: اگر آپ اتنا ہی مہربان ہیں تو مجھے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیں۔ صبح جب آپ خلیفہ کے پاس جائیں تو اسے اپنی اور میری داستان سنائیں اور اسے یقین دلائیں کہ بغاوت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا اگر اسے یقین آجائے تو بہتر پھر میں کہیں باہر چلا جاؤں گا اور اگر وہ مجھے اپنے سامنے بلانے پر اصرار کرے تو تم مجھے اس جگہ سے دربار میں بلوا لینا۔

صبح ہوئی میں خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا خلیفہ نے مجھ سے قیدی کے متعلق دریافت کیا تو میں نے اسے ساری داستان سنائی۔ خلیفہ یہ سن کر بہت متاثر ہوا اور کہا: خدا کی قسم وہ شخص جواں مرد ہے۔ میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے اسے دربار میں بلوایا تو وہ آگیا۔ خلیفہ نے اس کی عزت کی اور اپنے قریب بٹھایا اور اسے دمشق کا عامل بننے کی پیش کش کی۔ اس نے عامل بننے سے معذرت کی تو خلیفہ نے کہا پھر آپ ہمیں شام کے حالات سے آگاہ کرتے رہیں۔ اس نے خلیفہ کی یہ بات مان لی۔ مامون نے اسے دس گھوڑے، دس غلام اور دس ہزار دینار بطور انعام دیئے۔ اور شام کے والی کو لکھا کہ آئندہ اس سے خراج وصول نہ کیا جائے۔ (ثمرات الاوراق ابن حجت حموی)

معاہدہ لکھ لینا چاہئے

امام باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو عالم ذر میں ان کی اولاد میں سے ہونے والے انبیاء دکھائے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے جناب داؤد علیہ السلام کی عمر دیکھی تو انہیں سخت افسوس ہوا اور عرض کی: پروردگار! مجھے اپنا یہ بیٹا بڑا عزیز ہے لیکن اس کی عمر بہت ہی کم ہے اور میں اسے اپنی عمر کے تیس سال دیتا ہوں۔ میری عمر کے تیس سال کاٹ کر اس کی عمر میں ان ایام کا اضافہ فرما۔

خداوند عالم نے حضرت آدم کی درخواست قبول فرمائی اور ان کی زندگی کے تیس سال داؤد علیہ السلام کی زندگی میں ثبت فرمادیئے۔ اور (یمحو اللہ مایشآء ویثبت وعندہ ام الکتاب) کا بھی یہی مفہوم ہے۔

دن گزرتے رہے یہاں تک کہ آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آن پہنچا، ملک الموت ان کے پاس پہنچے تو آدم علیہ السلام نے فرمایا: ابھی تو میری زندگی کے تیس سال باقی ہیں عزرائیل علیہ السلام نے کہا: آپ نے وہ تیس سال اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو بخش دیئے تھے، اور اس وقت آپ وادی "دحنا" میں تھے۔

آدم علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تو ایسی کوئی بات یاد نہیں ہے۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم آدمؑ جھوٹے نہ تھے انہیں درحقیقت اپنا وعدہ بھول چکا تھا۔ اس کے بعد اللہ تبارک تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب بھی معاہدہ کیا جائے تو اسے رشتہ تحریر میں لایا جائے تاکہ کوئی فریق معاہدہ کو بھول نہ سکے۔ (انوار نعمانیہ۔ علل الشرائع)

اسماء بنت عمیس کا خدیجۃ الکبریٰ سے وعدہ

حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ بیمار ہوئیں اور ان کے مرض میں شدت ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سرہانے آبیٹھے۔

خدیجۃ الکبریٰ نے عرض کی: یارسول اللہ! میری چند وصیتیں ہیں آپ انہیں سنیں۔ میری پہلی وصیت یہ ہے کہ اگر خدمت میں کوتاہی ہوئی ہو تو کنیز کو معاف کردیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تم نے پوری طرح سے میری خدمت کی، اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کیا اور میرے گھر میں تم نے پیوند زدہ کپڑے پہنے جب کہ تم ملیکۃ العرب تھیں۔

بی بی خدیجہ نے کہا: میرے دوسری وصیت یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) چھوٹی ہے۔ میرے بعد یتیم ہوجائے گی، اسے کوئی ستانے نہ پائے۔

میری ایک تیسری وصیت بھی ہے لیکن میں آپ کے سامنے کہنے سے شرماتی ہوں میں وہ وصیت اپنی بیٹی فاطمہ کو سناتی ہوں اور وہی آپ کو سنائے گی۔

رسول خدا کمرہ سے باہر چلے گئے اور اپنی بیٹی کو جناب خدیجہ کے پاس روانہ کیا۔

جناب خدیجہ نے اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیھا سے کہا: بیٹی! اپنے بابا سے کہو کہ میری ماں کہتی ہیں کہ میں قبر سے بہت ڈرتی ہوں آپ وحی کے وقت جو لباس پہنتے ہیں مجھے بطور کفن اپنی وہی چادر پہنا دیں۔

حضرت فاطمہؑ نے ماں کی وصیت والد محترم کو سنائی۔ رسول خدا نے اپنی ردا اتار کر فاطمہؑ کو دی اور کہا ماں کے پاس لے جاؤ۔ حضرت خدیجہؑ ردائے رسولؐ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

جب ان کی وفات ہوئی تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں غسل دیا۔ کفن پہنانے کا ارادہ کیا تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ خدیجہ نے اپنا مال ہماری راہ میں صرف کیا آج اس کے لئے ہم خود کفن بھیجتے ہیں۔ یہ کہہ کر جبرئیل امینؑ نے بہشتی کفن حضور کے ہاتھ میں دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے اپنی ردا کا کفن دیا پھر بہشتی کفن پہنایا۔

جن دنوں حضرت خدیجہ بیمار تھیں تو اسماء بنت عمیس ان کی عیادت کے لئے آئیں تو دیکھا خدیجہ رو رہی ہیں۔

اسماء بنت عمیس نے کہا: آپ کیوں روتی ہیں۔ آپ کا شمار بہترین زنانِ عالم میں کیا جاتا ہے، آپ نے اپنی تمام دولت راہ خدا میں قربان کی ہے، آپ خاتم الانبیاء کی زوجہ ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو جنت کی بشارت دے چکے ہیں۔

حضرت خدیجہ نے فرمایا: اسماء! میں اس لئے نہیں روتی۔ میں صرف اس لئے روتی ہوں کہ میں دنیا سے جارہی ہوں۔ میری بیٹی یتیم ہورہی ہے اور شادی کی رات ہر لڑکی کو کسی بزرگ عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے جانے کی وجہ سے میری بیٹی کے پاس کوئی سن رسیدہ عورت نہیں رہ جائے گی۔

اسماء بنت عمیس نے کہا: میں وعدہ کرتی ہوں اگر خدا نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا تو میں آپ کے بدلے فاطمہؑ کی ماں ہوں گی۔

اسماء کہتی ہیں کہ جب حضرت سیدہ کی شادی ہوئی تو کمرے میں بہت سی عورتیں موجود تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تمام عورتیں یہاں سے چلی جائیں۔ یہ سن کر سب عورتیں چلی گئیں مگر میں بیٹھی رہی۔

کچھ دیر بعد رسول خدا تشریف لائے تو مجھے بیٹھا ہوا دیکھ کر فرمایا تم کون ہو؟

میں نے کہا: میں اسماء ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: تو کیا تم نے ہمارا حکم نہیں سنا کہ تمام عورتیں میری بیٹی کے کمرے سے چلی جائیں؟

میں نے عرض کی: میں نے آپ کا فرمان سنا، لیکن میں نے خدیجہؑ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میں سیدہؑ کی شادی کی رات ان کے قریب بسر کروں گی اور ان کی ضروریات کو پورا کروں گی اور یہ رات خدیجہؑ بن کر فاطمہؑ کے پاس رہوں گی۔ یہ سن کر آپ رو دیئے اور بارگاہ احدیت میں ہاتھ بلند فرمائے اور میرے لئے دعا کی۔

(شجرہ طوبی)

وعدہ خلافی جائز نہیں ہے

ایران کے آخری شہنشاہ یزدگرد کے دورِ حکومت میں اہواز کا گورنر ہرمزان تھا۔ جب مسلمانوں نے اہواز کو فتح کیا تو ہرمزان کو گرفتار کر کے حضرت عمر کے پاس مدینہ روانہ کیا گیا۔

خلیفہ نے ہرمزان سے کہا: اگر زندگی چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں قتل کرادوں گا۔

ہرمزان نے کہا: اچھا قتل سے پہلے مجھے پانی پلاؤ۔ میں سخت پیاسا ہوں۔

حضرت عمر نے کہا: اسے پانی پلاؤ۔ لکڑی کے پیالے میں اسے پانی پیش کیا گیا۔

ہرمزان نے کہا: میں اس پیالے سے پانی نہیں پیوں گا میں تو ہمیشہ جواہرات لگے پیالے سے پانی پینے کا عادی ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں اسے جواہرات سے مرصع کسی پیالے میں پانی دیا جائے چنانچہ جواہرات سے مرصع پیالے میں پانی لاکر ہرمزان کے ہاتھ پر

رکھا گیا۔ مگر ہرمزان نے اسے لبوں سے نہ لگایا۔

حضرت عمر نے کہا: جلدی سے پانی پی لو کیونکہ میں وعدہ کر چکا ہوں کہ پانی پلانے سے پہلے تجھے قتل نہیں کروں گا۔

یہ سن کر ہرمزان نے پیالہ زمین پر دے مارا اور پیالہ تڑاخ سے ٹوٹ گیا۔ اور سارے کا سارا پانی بہہ گیا۔

حضرت عمر اس کا حیلہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور حضرت علیؑ سے کہنے لگے: آپ بتائیں اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: تم وعدہ کر چکے ہو کہ پانی پلانے سے پہلے اسے قتل نہیں کرو گے، اپنے وعدہ پر قائم رہو تمہیں اس کی قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ اس پر جزیہ نافذ کردو۔

ہرمزان نے کہا: میں جزیہ دینے پر راضی نہیں ہوں۔ البتہ اب میں بے خوف اور مطمئن ہو کر مسلمان ہوتا ہوں۔ چنانچہ اس نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمر نے مدینہ میں اس کو ایک گھر دیا اور سالانہ دس ہزار درہم اس کا وظیفہ مقرر کیا۔ (الکلام یجر الکلام نقل از ناسخ التواریخ)

حکام اس واقعہ سے سبق حاصل کریں

نیشاپور اور اس کے ارد گرد محمد طاہر کی حکومت تھی۔ یعقوب لیث سے اس کی مخالفت تھی۔ ایک موقعہ پر یعقوب لیث ایک بھاری لشکر لے کر نیشاپور کی طرف روانہ ہوا۔

نیشاپور کے موقع پرست وزراء و امراء نے یعقوب لیث کو خط لکھ کر اپنی وفا کا یقین دلایا۔ لیکن محمد طاہر کے وزیر دربار ابراہیم حاجب نے اسے کوئی خط نہ لکھا۔

آخر کار محمد طاہر نے شکست کھائی اور یعقوب لیث فاتحانہ طور پر نیشاپور میں داخل ہوا۔ اس نے محمد طاہر کے تمام امرائے دربار کو بلایا۔ ان میں ابراہیم حاجب بھی شامل تھا۔ فاتح بادشاہ نے ابراہیم حاجب سے کہا کہ تمام امراؔ و وزرا نے خطوط لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے اپنی وفاؤں کا یقین دلایا۔ لیکن مجھے تم پر افسوس ہے کہ تم نے مجھے کوئی خط نہیں لکھا اور آخر وقت تک تم محمد طاہر کے وفادار رہے۔

ابراہیم حاجب نے جواب دیا: بادشاہ! اس سے پہلے آپ کی اور میری آشنائی نہ تھی کہ میں خط لکھ کر تعلقات میں تجدید پیدا کرتا۔ اور اپنے آقا سے نمک حرامی کرنے کی ضمیر بھی مجھے اجازت نہ دیتا تھا۔ اسی لئے میں اپنے حاکم کا آخری وقت تک ساتھ دیتا رہا۔

بادشاہ یعقوب لیث یہ جواب سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: واقعی تم نے نمک کا حق ادا کیا ہے۔ پھر اسے وزارت کا عہدہ تفویض کیا اور تمام نمک حرام امراؔ کو سخت ترین سزائیں دیں۔ (اخلاق محسنی۔ ص ۱۱۰)

خدا سے کیا ہوا وعدہ

واعظ کاشفی مرحوم اخلاقِ محسنی میں لکھتے ہیں کہ کسی بادشاہ کو ایک مہم درپیش ہوئی اور بادشاہ نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالی نے اسے اس مہم میں کامیابی عطا کی تو حکومت کے خزانے میں جتنی دولت ہے وہ سب اللہ کے نام پر غرباء و مساکین میں تقسیم کردے گا۔

اللہ تعالی نے اس کی نصرت فرمائی اور وہ اپنی مہم میں سرخرو ہو کر لوٹا۔ اس نے خازن کو طلب کیا اور خزانہ کی مالیت کے متعلق دریافت کیا۔ جب حساب لگایا گیا تو خزانے میں بہت زیادہ دولت موجود تھی۔

بادشاہ نے کہا کہ یہ ساری دولت غرباء اور مساکین میں تقسیم کردی جائے۔

مگر وزراء نے بادشاہ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ بادشاہ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے معاشی بحران پیدا ہوگا اور فوج کو تنخواہ دینے کے لئے رقم موجود نہ ہوگی اور ویسے بھی خزانہ فوج کا پیدا کردہ ہے۔ اور قرآن کی آیت "والعاملین علیھا" کے تحت وہ بھی غرباء و مساکین میں شامل ہے اور خزانے سے اس کی تنخواہ کی ادائیگی بھی منت میں شامل ہے۔

بادشاہ بڑا پریشان ہوا۔ ایک دن وہ اسی پریشانی کے عالم میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ایک پریشان حال اور بال بکھرے شخص کا وہاں سے گزر ہوا۔ بادشاہ نے اسے بلا کر کہا کہ تم میرے اس مسئلہ کے متعلق کیا کہتے ہو؟

اس شخص نے کہا: جب بادشاہ منت مان رہا تھا اور اس وقت اس کے ذہن میں غرباؤ مساکین کے ساتھ فوج کا بھی تصور تھا تو اس منت میں فوج کو بھی شامل کرے۔ بادشاہ نے کہا: نہیں اس وقت میرے ذہن میں فوج کا کوئی تصور نہیں تھا۔

تب اس شخص نے کہا: پھر بادشاہ کو اپنی منت غرباء و مساکین تک ہی محدود رکھنی چاہئے اس میں کسی طرح کا تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔

ایک درباری نے کہا: احمق! فوجی بھی غریب و مسکین ہوتے ہیں انہیں اس منت میں کیوں نہ شامل کیا جائے؟

اس شخص نے درباری کی طرف سے منہ موڑ کر بادشاہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: بادشاہ نے جس کے حضور منت مانی ہے اگر آئندہ بادشاہ کو اس کی ضرورت ہے تو اپنی منت اسی طرح سے ادا کرے جیسے مانی تھی اور اگر اسے مستقبل میں خدا کی ضرورت نہیں ہے تو پھر منت ادا نہیں کرنی چاہئے۔

فقیر کی اس بات کا بادشاہ کے دل پر گہرا اثر ہوا اور اس نے اسی وقت تمام خزانہ غرباء و مساکین میں تقسیم کردیا۔

پابندی عہد یا بقائے نعمت

کسی شخص کے پاس ایک پرہیزگار غلام تھا۔ ایک دفعہ وہ شخص سخت بیمار ہوا اور خدا کے حضور منت مانی کہ اگر وہ صحت یاب ہو گیا تو اس غلام کو آزاد کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء دی اور وہ چلنے پھرنے لگا لیکن اس کا دل غلام کو آزادی دینے پر مائل نہ ہوا۔ چنانچہ اس منت کے بعد بھی غلام بدستور غلام ہی رہا۔

چند دنوں کے بعد وہ شخص دوبارہ بیمار ہوا جب اس میں چلنے پھرنے کی سکت نہ رہی تو اس نے غلام سے کہا کہ جاؤ طبیب کو بلا لاؤ۔

غلام کچھ دیر بعد آیا اور کہا طبیب کہتا ہے کہ میں اس کا علاج نہیں کروں گا کیونکہ یہ اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتا یہ شخص وعدہ شکن ہے۔

یہ الفاظ سن کر مالک اصل حقیقت کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ تم طبیب سے کہو کہ میں اب وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔

غلام نے کہا: اچھا تو پھر سنو طبیب کہتا ہے اگر اس نے وعدہ وفائی کی تو ہم بھی اسے شربتِ شفا پلائیں گے۔ (اخلاقِ محسنی۔ ص ۱۰۶)

انسان کو چاہئے کہ وہ جب بھی خدا سے کوئی وعدہ کرے تو اس وعدہ کی پاسداری کرے اور خدا سے کئے ہوئے وعدہ پر بہر صورت قائم رہے۔ ثعلبہ کی طرح پیمان شکن نہ بنے۔

ثعلبہ بن حاطب کی پیمان شکنی

ثعلبہ بن حاطب انصاری جو کہ بڑا عابد و زاہد تھا۔ ایک دن فقر و فاقہ سے تنگ آکر حضرت رسول کریمؐ کے پاس آیا اور عرض کی: آپ دعا فرمائیں خدا مجھے مال و دولت دے۔ آپؐ نے فرمایا: اس سے درگزر کر۔ مگر اس نے ایک نہ مانی اور کہنے لگا

کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہوا ہے کہ اس کے تمام حقوق ادا کروں گا اور قرابت داروں کا خیال رکھوں گا اور کسی بات میں کمی نہ کروں گا۔

بالآخر آپؐ نے اس کی خواہش کے مطابق دعا کی۔ دعا مستجاب ہوئی۔ اس کی دولت دن رات بڑھنے لگی۔ اس نے جو دبلی پتلی بکریاں پالی ہوئی تھیں ان میں اتنی افزائش ہونے لگی کہ مدینہ میں ان کے رہنے کی جگہ نہ رہی چنانچہ صحرا میں رہنے لگا اور اس کے پاس اتنی فرصت نہ رہی کہ نماز جماعت میں حاضر ہو۔ پھر وہ نماز جمعہ سے بھی غائب رہنے لگا اور آخر میں نماز عید میں بھی وہ حاضر نہ ہوا۔

آپؐ نے دو آدمیوں کو اس کے پاس حصولِ زکوٰۃ کے لئے بھیجا اور ایک خط بھی لکھ دیا۔ یہ لوگ پہنچے، خط دیا اور زکوٰۃ کی آیت پڑھی تو اس نے کہا: رسول ہم سے جزیہ مانگتے ہیں۔ تم ابھی دوسرا دروازہ دیکھو تب تک میں غور کرتا ہوں۔ یہ لوگ دوبارہ پلٹ کر اس کے پاس گئے اس نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر یہ لوگ رسول خداؐ کے پاس واپس آئے اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی "ومنهم من عاهدالله لئن اتا نامن فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين فلما اتاهم من فضله بخلوابه وتولوا وهم معرضون فاعقبهم نفا قافي قلوبهم الى يوم يلقونه بما اخلفوا الله ماوعدوه وبما كانوا يكذبون" (التوبہ) اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو خدا سے قول و قرار کر چکے تھے کہ اگر ہمیں اپنے فضل و کرم سے کچھ مال دیگا تو ہم ضرور خیرات کیا کرینگے اور نیکوکار بندے ہو جائینگے پس جب خدا نے اپنے فضل و کرم سے انہیں عطا فرمایا تو اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر کترانے لگے۔ چنانچہ اللہ نے ان کے دلوں میں روز قیامت تک نفاق ڈال دیا کیونکہ انہوں نے اللہ سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کی اور اس لئے بھی کہ انہوں نے جھوٹ بولا۔

یہ آیات سن کر رسول مقبولؐ نے فرمایا: ثعلبہ پر وائے ہو اور ایک شخص کو

آپ نے یہ آیات دے کر بھیجا کہ جاکر ثعلبہ کو یہ آیات سناؤ۔ جب ثعلبہ نے اپنے متعلق یہ آیات سنیں تو رسول خداؐ کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ میں اب زکوۃ دینے کو تیار ہوں۔ آپ نے اس سے زکوۃ لینے سے انکار کردیا۔ اور پھر یہی ثعلبہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کے ادوار حکومت میں بھی ان کے پاس گیا کہ اس سے زکوۃ لی جائے مگر کسی نے بھی اس سے زکوۃ وصول نہ کی۔ (مجمع البیان)

خاندان نبوت کی وعدہ وفائی

ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حسنین علیہما السلام بیمار ہوئے چنانچہ حضرت رسولؐ کچھ لوگوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے اور جناب امیرؑ سے فرمایا: بہتر ہوتا اگر تم اپنے بچوں کی صحت کے واسطے نذر کرتے۔

جناب امیر، حضرت فاطمہ زہرا علیہما السلام اور ان کی خادمہ فضہ نے تین تین روزوں کی نذر کی۔

جب دونوں صاحب زادے اچھے ہوئے اور نذر کے پورا کرنے کا وقت آیا تو گھر میں کچھ نہیں تھا۔

حضرت علیؑ نے شمعون یہودی سے تین صاع جو قرض لئے جناب سیدہؑ نے ایک صاع جو پیسا پانچ روٹیاں پکائیں اور شام کو افطار کرنا چاہتے تھے کہ ایک سائل نے آواز دی: اہل بیت محمدؐ تم پر سلام، میں ایک مسلمان مسکین ہوں مجھے کھانا دو۔ خدا تمہیں جنت کا خوان عطا کرے گا۔

یہ آواز سن کر سب نے اپنے حصے کی روٹیاں دے دیں اور فقط پانی سے افطار کر کے رات کو سو رہے۔

دوسرے دن پھر روزہ رکھا۔ حسب دستور جناب سیدہ نے پھر پانچ روٹیاں پکائیں اور کھانے بیٹھے کہ ایک یتیم نے آواز دی اور سب نے اپنی اپنی روٹی اس کو دے

ڈالی اور پانی سے افطار کیا۔

تیسرے دن پھر روزہ افطار کرنے بیٹھے تو ایک قیدی نے آواز دی۔ آواز سن کر سب نے اپنی اپنی روٹی دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح و ثنا میں سورہ دہر نازل فرمائی جس میں ان کی ایفائے عہد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: "یوفنون بالنذر ویخافون یوما کان شره مستطيرا ويطعمون الطعام على حبه مسكينا و يتيما و اسيرا انما نطعمكم لوجه الله لانريد منكم جزاء ولا شكورا"

"یہ وہ لوگ ہیں جو نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوگی۔ اور اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تو تم کو بس خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں۔ نہ تم سے بدلہ کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے۔ (تفسیر کشاف زمخشری)

اسماعیلؑ صادق الوعد

اسماعیل نام کے دو نبی گزرے ہیں ایک تو اسماعیل فرزند خلیل علیہا السلام ہیں اور ان کے علاوہ ایک اور نبی بھی اسماعیلؑ نام کے گزرے ہیں۔ اور قرآن مجید میں انہیں صادق الوعد کے نام سے یاد کیا گیا ہے " واذکر فی الکتاب اسماعیل انه کان صادق الوعد" کتاب میں اسماعیلؑ کا ذکر کرو بے شک وہ صادق الوعد تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص نے انہیں ایک جگہ کھڑا کر کے کہا آپ یہاں میرا انتظار فرمائیں اور میں ابھی آجاؤں گا۔

حضرت اسماعیلؑ اسی مقام پر پورا ایک سال انتظار فرماتے رہے جب کہ اس شخص کو اپنا وعدہ بھول گیا۔ ان کی امت کے افراد انہیں تلاش کرتے ہوئے اس مقام

پر پہنچے اور عرض کی: ہم تو آپؑ کے بعد یتیم ہوگئے ہیں اور مدت سے آپؑ کو تلاش کررہے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا کہ اہل طائف میں سے فلاں شخص نے مجھے یہاں انتظار کرنے کا کہا ہے اور میں اس سے وعدہ کرچکا ہوں۔ مگر ایک سال گزر گیا وہ یہاں نہیں آیا۔ لوگ اس شخص کے پاس گئے اور اس سے کہا: دشمن خدا تیری وجہ سے نبی کو اتنی زحمت اٹھانی پڑی ہے۔ اس نے کہا: خدا مجھے اپنا وعدہ بھول گیا تھا چنانچہ وہ آیا اور آپ اپنے مقام سے ہٹے۔ اسی لئے اللہ نے آپؑ کو صادق الوعد کا لقب عطا فرمایا۔

چند روایات

فی عهد امیر المومنینؑ الی الاشتر ایاك والمن علی رعیتك باحسناك اوالتزید فیماكان من فعلك وان تعدهم فتتبع مدعودك بخلقك فان المن یبطل الاحسان والتزید یذهب بنور الحق والخلف یوجب المقت عند الله وعندالناس قال الله سبحانه كبر مقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون.

(مستدرک الوسائل نقل از نہج البلاغہ)

امیر المؤمنین علیہ السلام نے مالک اشتر کو تحریری طور پر دستور حکومت لکھ کر دیا۔ اس میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا: رعیت پر احسان جتلانے سے پرہیز کرو، ،ر اپنے کسی اچھے کام کو زیادہ نہ سمجھو اور ان سے وعدہ کرکے وعدہ خلافی نہ کرو، کیونکہ احسان جتانے سے احسان ختم ہوجاتا ہے اور اپنے کسی اچھے فعل کو زیادہ سمجھنے کی وجہ سے نورِ حق رخصت ہوجاتا ہے اور وعدہ خلافی اللہ اور انسانوں کی ناراضگی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں ارشاد فرمایا: اللہ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر عمل نہ کرو۔

عن ابن الخمیسا قال بایعت النبیؐ قبل ان یبعث فواعدینه مكانا فنسیته یومی والغد فاتیته یوم الثالث فقال لقد شققت علّی انا ههنا منذ ثلاثة ایام.

(مستدرک الوسائل۔ ص ۷۵)

ابن الخمیسا کہتے ہیں کہ میں نے اعلان نبوت سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا۔ میں نے معاملہ کے لئے ایک جگہ متعین کی، اور میں اس واقعہ کو فراموش کر بیٹھا۔ جب میں تیسرے دن وہاں گیا تو رسول خداؐ وہاں پر موجود تھے اور میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے فرمایا: تم نے میرے لئے دشواری پیدا کردی۔ میں تین دن سے مسلسل تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

قال رسولؐ الله ثلاث من كن فیه كان منافقاوان صام وصلّی وزعم انه مسلم من اذا اؤ تمن فان واذاحدّث كذب واذا وعداخلف ان الله قال فی كتابه ان الله لایحب الخائنین وقال لعنة الله علی الكاذبین وفی قوله واذكر فی الكتاب اسماعیل انه كان صادق الوعد.

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس میں تین نشانیاں پائی جائیں گی تو وہ منافق ہے اگرچہ نماز روزہ کی پابندی کرے اور اپنے آپ کو مسلم سمجھے۔

۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔
۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
۳) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: "بے شک اللہ خیانت کاروں کو پسند

نہیں کرتا۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کتاب میں اسماعیلؑ کا ذکر کرو وہ وعدہ کے پابند تھے۔

(وسائل۔ کتاب جہاد۔ ص ۵۱۳)

عن ابی عبد اللہؑ قال قال رسول اللہؐ من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیف اذا وعد۔

(وسائل کتاب حج ۔ ص ۲۸۶)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وعدہ وفائی کرے۔
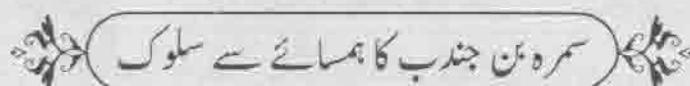
عن ابی عبد اللہؑ قال عدة المؤمن اخاه نذر لا كفارة له فمن اخلف فخلف الله بدأ ولمقته تعرض.

(وسائل ص ۲۸۶)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: برادر مؤمن سے وعدہ کرنا ایسی نذر ہے جس کا کفارہ نہیں ہے۔ جو مؤمن سے وعدہ خلافی کرے تو اس نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور اپنے آپ کو اس کے غضب کا حق دار بنادیا۔

باب دوم

ہمسایوں اور دینی بھائیوں کے حقوق

سمرہ بن جندب کا ہمسائے سے سلوک

زرارہ بن اعین نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک انصاری کے باغ میں سمرہ بن جندب کا ایک کھجور کا درخت تھا۔

سمرہ اچھا انسان نہیں تھا وہ انصاری کی اجازت کے بغیر کھجور کے درخت پر چڑھ جاتا انصاری کا گھر اس درخت کے قریب تھا جس سے اس کے گھر کی پردہ دری ہوئی تھی۔

اس نے کئی مرتبہ سمرہ سے کہا کہ جب بھی آپ کو درخت پر چڑھنے کی ضرورت ہو تو پہلے اجازت طلب کریں تاکہ ہمارے گھر کی پردہ داری متاثر نہ ہو۔ مگر سمرہ نہ مانا۔

مجبور ہوکر انصاری نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی۔

آپؐ نے سمرہ کو بلایا اور فرمایا کہ تمہیں درخت پر چڑھنے سے قبل انصاری سے اجازت لینی چاہئے۔ سمرہ نے انکار کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: تم درخت بیچ ڈالو۔

آپؐ نے اسے درخت کی قیمت کئی گنا زیادہ لگائی مگر وہ بیچنے پر راضی نہ ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم یہ درخت انصاری کو دے دو اس کے بدلے جنت میں کھجور کا درخت لے لو۔ سمرہ پھر بھی راضی نہ ہوا۔

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاری سے فرمایا۔ " اذھب فالقلعها وارم بها اليه فانه لاضرر ولا ضرار فی الاسلام " جاؤ اور درخت کو کاٹ کر پھینک دو کیونکہ اسلام میں نقصان دینا اور نقصان اٹھانا جائز نہیں ہے۔ (مکاسب قاعدہ نفی ضرر)

سمرہ بن جندب کو پہچانیں

ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے سمرہ بن جندب کو ایک لاکھ درہم انعام کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ لوگوں میں یہ بیان کرے کہ یہ آیت علی بن ابی طالبؑ کے لئے نازل ہوئی تھی۔

ومن الناس من يعجبك قوله فی الحياة الدنيا و يشهد الله على مافی قلبه وهوالدا الخصام واذا تولّى سعى فى الارض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لايحب الفساد واذا قيل له اتق الله اخذته العزة بالاثم فحسبه جهنم وبئس المهاد.

"لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی دنیاوی زندگی کی گفتگو تجھے متعجب کرتی ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہے۔ جبکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ حاکم بنے گا تو زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرے گا اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے گا اور اللہ کو فساد پسند نہیں ہے۔ اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو گناہ کی عزت اسے خوفِ خدا سے روک دیتی ہے پس اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔"

اس کے ساتھ معاویہ نے سمرہ سے یہ بھی کہا کہ تم لوگوں میں بیان کرو کہ یہ آیت علیؑ کے قاتل عبدالرحمان بن ملجم (لعین) کے حق میں نازل ہوئی۔

ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو اپنی جان بیچ کر اللہ کی رضا کو تلاش کرتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

معاویہ کی ایک لاکھ درہم کی پیشکش سمرہ بن جندب نے قبول نہ کی پھر اس نے دو لاکھ کی پیشکش کی وہ بھی سمرہ نے قبول نہ کی۔ پھر اس نے تین لاکھ کی پیشکش کی وہ بھی سمرہ نے ٹھکرادی۔ آخرکار معاویہ نے چار لاکھ درہم کی پیشکش کی جو سمرہ نے قبول کرلی اور منبر پر کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ پہلی آیت (نعوذ باللہ) حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی اور دوسری آیت ان کے قاتل عبدالرحمان بن ملجم کے بارے میں نازل ہوئی۔

حق ہمسائیگی

سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر کے پاس گئے۔ ابن زبیر نے کہا کہ ابن عباس تم ہمیشہ مجھے پست ہمت اور بخیل کہتے ہو۔

ابن عباس نے کہا: جی ہاں میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے جو شکم سیر ہوکر سوئے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔

ابن زبیر نے کہا: ابن عباس! میرے دل میں تم اہل بیت کا بغض چالیس سال سے پروان چڑھ رہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان اور بھی باتیں ہوئیں۔ آخرکار ابن عباس اس کے شر سے بچنے کیلئے مکہ چھوڑ کر طائف چلے گئے۔ (تتمة المنتہیٰ ص ۵۱)

حدودِ ہمسائیگی

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک انصاری جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں نے فلاں محلّہ میں مکان خریدا ہے۔ میرا قریبی ہمسایہ ایسا ہے کہ مجھے اس سے خیر کی توقع نہیں اور اس کے شر سے میں محفوظ نہیں ہوں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ و سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ کو حکم دیا کہ وہ مسجد میں باآواز بلند اعلان کریں "ولا ایمان لمن یامن جوارہ بوائقہ" جس کے شر سے ہمسایہ محفوظ نہ ہو وہ ایماندار نہیں ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حدود ہمسائیگی چالیس گھر تک ہے۔ یعنی چالیس گھر سامنے، چالیس گھر پیچھے، اور چالیس گھر دائیں اور چالیس گھر بائیں تک ہمسائیگی کا دائرہ کار وسیع ہے۔ (بحار الانوار۔ ج ۱۶۔ ص ۴۳)

اس داستان سے عبرت حاصل کریں

کتاب اعلام الناس میں درج ہے کہ عباسی خلیفہ معتصم کے وزیر نے ایک بلند وبالا محل تعمیر کرایا۔ وہ اس محل کے جھروکوں سے بیٹھ کر ہمسایوں کی عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ اس کی نظر ایک حسین وجمیل لڑکی پر پڑی۔ پہلی نظر پڑتے ہی وہ اسے اپنا دل دے بیٹھا۔ اور لڑکی کے متعلق معلومات جمع کرنے لگا۔

اسے معلوم ہوا کہ لڑکی کنواری ہے اور اس کا باپ ایک تاجر ہے۔

اس نے تاجر کے پاس خواستگاری کا پیغام بھیجا، مگر تاجر نے یہ کہہ کر اس کا پیغام رد کردیا کہ میں متوسط طبقہ کا تاجر ہوں۔ میں وزیر سے رشتہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں جب بھی رشتہ کروں گا تو اپنے جیسے لوگوں سے کروں گا۔

وزیر نے بڑی کوشش کی مگر تاجر کسی طور بھی راضی نہ ہوا۔

ادھر وزیر عشق کے ہاتھوں مجبور تھا اس نے ایک بااعتماد شخص کو بلا کر اپنے راز سے مطلع کیا اور اس سے کوئی راہ نکالنے کی درخواست کی۔

اس شخص نے کہا: اگر آپ مجھے ایک ہزار دینار دے دیں تو میں آپ کا کام کردوں گا۔ وزیر نے کہا: ایک ہزار تو کچھ بھی نہیں میں تو کئی لاکھ خرچ کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔

اس شخص نے وزیر سے ایک ہزار دینار لئے اور دس ایسے افراد کو تلاش کیا جن کی گواہی قاضی کی عدالت میں قابل قبول تھی اور انہیں بتایا کہ آپ گواہی دیں کہ تاجر نے اپنی بیٹی کا عقد وزیر سے اتنے حق مہر کے عوض کردیا ہے۔ اور حق مہر کی ادائیگی رخصتی تک مؤخر رکھی گئی ہے۔

اس چارہ گر نے گواہوں سے کہا کہ ایسی گواہی میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ وزیر دن رات آتشِ عشق میں جل رہا ہے اس سے اس کی آتشِ عشق ٹھنڈی ہوجائے گی۔ تاجر کو بہت اچھا داماد مل جائے گا اور لڑکی کو حق مہر کی گراں قدر رقم مل جائے گی۔

اس تیاری کے بعد وزیر نے قاضی کی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور دس گواہوں نے قاضی کے ہاں گواہی دی کہ ہماری موجودگی میں اتنے حق مہر کے عوض نکاح ہوا تھا مگر اب تاجر رخصتی میں لیت ولعل سے کام لے رہا ہے۔

قاضی نے تاجر کو عدالت میں طلب کیا اور کہا کہ تم اپنی لڑکی وزیر کے گھر کیوں روانہ نہیں کرتے؟

تاجر نے بہتیرا انکار کیا لیکن قاضی نے اس کی ایک نہ سنی اور اس کی لڑکی کو زبردستی وزیر کے گھر بھیج دیا۔

تاجر بڑا پریشان تھا اور وہ کسی طرح سے خلیفہ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا، لیکن خلیفہ سے ملاقات بڑی مشکل تھی۔ آخر ایک دوست نے اسے مشورہ دیا کہ خلیفہ کا محل تعمیر ہو رہا ہے۔ تم اگر اسے ملنا چاہتے ہو تو مزدوروں کا سا لباس پہن کر صبح سویرے محل میں چلے جاؤ۔ خلیفہ روزانہ نمازِ فجر کے بعد اپنے زیرِ تعمیر محل کو دیکھنے آتا ہے۔

تاجر نے مزدور کا سا لباس پہنا اور صبح سویرے خلیفہ کے زیرِ تعمیر محل میں داخل ہو گیا۔ خلیفہ حسب معمول محل کو دیکھنے کے لئے آیا تو تاجر نے اس کے سامنے اپنی فریاد پیش کی۔

خلیفہ نے دربار میں وزیر اور اس کے گواہوں کو طلب کیا۔ اور گواہوں کے متعلق اس نے حکم دیا کہ انہیں صلیب پر لٹکا دیا جائے اور وزیر کے متعلق حکم دیا کہ اسے بیل کی کھال میں لپیٹ کر لوہے کی سلاخوں سے اتنا مارا جائے کہ اس کی ہڈیاں اور گوشت ایک ہو جائیں۔ پھر تاجر سے کہا کہ تم اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جاؤ اور جو حق مہر کی رقم وزیر نے دی ہے وہ اسی لڑکی کی ہے۔ (اعلام الناس۔ ص ۱۸۱)

چنگیز خان کا قانون

چنگیز خان نے اپنے دورِ حکومت میں قانون بنایا تھا کہ کوئی شخص سرِ عام جانور کو چھری سے ذبح نہ کرے اور جسے گوشت کھانا مطلوب ہو وہ جانور کا گلہ گھونٹے یہاں تک کہ جانور مر جائے۔ اس قانون سے مسلمان بڑے پریشان ہوئے کیونکہ اسلام میں ایسا گوشت کھانا حرام ہے۔

ایک منگول کا گھر مسلمان کے گھر سے متصل تھا وہ منگول اس سے شدید نفرت کرتا تھا۔ ایک دن منگول نے اپنے مکان کی چھت سے دیکھا کہ اس کا مسلمان ہمسایہ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھ کر گوسفند ذبح کر رہا ہے۔ اس نے موقع کو غنیمت جانا اور اپنے قبیلہ کے چند افراد کو لے کر مسلمان کے گھر میں داخل ہو گیا اور اسے

ذبح شدہ گوسفند اور چھری سمیت پکڑ کر چنگیز خان کے سامنے پیش کیا اور چنگیز سے کہا کہ اس شخص نے آپ کے قانون کی مخالفت کی ہے۔ لہٰذا اسے سزا ملنی چاہئے۔

چنگیز خان نے پوچھا کہ تم نے اسے کہاں ذبح کرتے ہوئے دیکھا؟

اس نے کہا کہ ہم نے اسے اپنے گھر میں ذبح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

چنگیز خان نے کہا: جب یہ اپنے گھر میں دنبہ ذبح کر رہا تھا تو تم اس وقت اس کے گھر میں بیٹھے تھے؟

انہوں نے کہا: نہیں ہم نے اپنی چھت سے اسے ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو اسے پکڑ کر آپ کے پاس لائے۔

چنگیز خان نے کہا کہ دو مرتبہ اپنے اس فقرے کو دہراؤ۔ اس نے دو مرتبہ اپنے فقرے کو دہرایا۔

چنگیز خان نے کہا کہ اس نے میرے حکم کی مکمل تعمیل کی ہے کیونکہ میں نے حکم دیا تھا کہ سرِ عام کوئی شخص ایسا نہ کرے۔ اس شخص نے سرِ عام گوسفند ذبح نہیں کیا اور میرا کوئی قانون خدا کے قانون سے تو بالا نہیں ہے۔ اللہ نے کئی چیزوں سے لوگوں کو منع کیا ہے مگر لوگ اپنے گھروں میں چھپ کر وہ کام کرتے ہیں انہیں پھر بھی سزا نہیں دی جا سکتی کیونکہ انہوں نے لوگوں کے سامنے وہ کام سر انجام نہیں دیئے ہوتے۔

اصل مجرم وہ نہیں ہے اصل مجرم تو ہے کیونکہ تو اپنے مکان کی چھت پر بیٹھ کر لوگوں کے گھروں میں تاک جھانک کرتا ہے۔

پھر چنگیز خان نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے تاکہ اس کے بعد کسی کو دوسروں کے گھروں میں تاک جھانک کرنے کی جرأت نہ ہو۔ (خزینۃ الجواہر۔ ص ۳۲۲)

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے ہمسایوں کے گھروں کے تقدس کا خیال رکھیں اور انہیں تاک جھانک نہیں کرنی چاہئے۔ اسلام کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کے گھر تاک جھانک کر رہا ہو اور صاحبِ خانہ اسے روکنے کے لئے کوئی پتھر وغیرہ اس کی آنکھ پر مارے جس سے اس کی آنکھ ضائع ہوجائے تو یہ اس کے لئے مباح ہے۔

ہمسائے کے مالی حقوق کا لحاظ رکھیں

موسیٰ بن عیسیٰ انصاری کہتے ہیں کہ ہم نماز عصر پڑھ کر امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر عرض کی: مولا آپ مہربانی فرما کر میرے ساتھ چلیں کیونکہ مجھے آپ سے ایک کام ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے مجھے بھی اپنے ساتھ لیا اور اس شخص سے پوچھا: تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ فلاں شخص میرا ہمسایہ ہے اس کے گھر میں کھجور کا درخت ہے۔ جب ہوا چلتی ہے تو کھجور کے کچھ پکے اور کچھ کچے دانے میرے گھر میں آکر گرتے ہیں۔ آپ اس سے ہماری سفارش کریں کہ ہم جو اپنے گھر میں گرے ہوئے دانے کھاتے ہیں وہ ہمیں مباح کردے اور ہم خود کبھی بھی پتھر یا لکڑی مار کر کھجور کے دانے نہیں گراتے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام اس شخص کے پاس گئے۔ سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا اور امیر المؤمنین نے اس شخص سے کہا کہ تم اپنے کھجور کے دانے اپنے ہمسائے کے لئے حلال و مباح کردو جو ہوا سے یا پرندوں کی وجہ سے اس کے صحن خانہ میں گرتے ہیں۔

اس شخص نے انکار کردیا۔ آپؑ نے دوبارہ اسے یہی کہا مگر اس نے دوبارہ بھی مباح کرنے سے انکار کردیا۔

پھر آپؑ نے فرمایا کہ میں پیغمبر خدا کی طرف سے ضمانت دیتا ہوں کہ اس

کے بدلہ میں اللہ تجھے جنت کا ایک باغ دے گا۔

مگر اس نے پھر بھی قبول نہ کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ پھر تم ایسا کرو کہ تم اپنا یہ پورا مکان اپنی اس ہمسایہ کو دے دو اور اسکے بدلے میں مجھ سے میرا فلاں باغ لے لو۔

اس نے کہا مجھے یہ سودا قبول ہے۔ میں خدا اور موسیٰ بن عیسیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اپنا یہ پورا مکان فلاں باغ کے بدلے میں فروخت کیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے قریبی ہمسایہ سے فرمایا کہ تمہیں یہ مکان مبارک ہو۔ اتنے میں نماز مغرب کی اذان ہوئی۔ ہم سب نماز ادا کرنے کے لئے مسجد نبوی میں گئے اور رات گزرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو رسول خداؐ نے نماز فجر پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ تعقیبات میں مصروف تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔

آپؐ نے اپنے اصحاب کی طرف رخ کر کے فرمایا: کل شام تم میں سے کس نے نیک کام کیا۔ تم خود بتاؤ گے یا میں بتاؤں؟

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: آپؐ ہی بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا: ابھی جبرئیلؑ نے آکر مجھے خبر دی ہے کہ تم نے بہت اچھا کام کیا ہے اور اللہ نے تمہارے حق میں یہ سورۃ نازل فرمائی ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واللیل اذا یغشٰی O والنھار اذا تجلّٰی O فاما من اعطی واتقٰی O و صدّق بالحسنٰی O فسنیسرہٗ للیسرٰی O

آپؐ نے علیؑ کی طرف رخ انور کر کے دریافت فرمایا: علیؑ! تم نے جنت کی تصدیق کی اور گھر اس مؤمن کو دیا اور اس گھر کے بدلہ میں اپنا باغ دیا؟ حضرت علیؑ نے عرض کی: جی ہاں۔ تو آپؐ نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو اللہ نے تمہارے حق میں یہ سورۃ نازل فرمائی ہے۔ پھر آپؐ نے اٹھ کر علیؑ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا: میں

تیرا بھائی ہوں اور تو میرا بھائی ہے۔ (بحار الانوار۔ ج نہم۔ ص ۵۱۶)

ہمسائے کے ستم سے کیسے بچایا؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ایک شخص نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ہمسائے کی ایذا رسانی کی شکایت کی۔

آپؐ نے اسے صبر کرنے کا حکم دے کر واپس کیا۔ کچھ دنوں بعد وہ دوبارہ ہمسائے کی شکایت لے کر آپؐ کے پاس آیا۔ آپ نے پھر اسے صبر کرنے کا حکم دیا۔

تیسری مرتبہ وہ شخص پھر ہمسائے کی شکایت لے کر آپؐ کے پاس آیا۔

اس مرتبہ آپ نے فرمایا کہ تم جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے گھر کا تمام اسباب نکال کر گلی میں رکھ دو۔ جب لوگ تم سے پوچھیں کہ تم نے گھر کا تمام اثاثہ باہر کیوں نکالا؟ تو انہیں کہنا کہ فلاں شخص کی مسلسل ایذا رسانی سے مجبور ہو کر میں نے سامان نکالا ہے۔ اس شخص نے آپؐ کے فرمان پر عمل کیا۔ جب لوگوں نے اس کے سامان کو باہر نکلا ہوا دیکھا تو اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا کہ میں نے اپنے ہمسائے کی مسلسل ایذا رسانی سے تنگ آکر اپنا سامان نکالا ہے۔ اب میں یہ گھر چھوڑ کر کہیں اور مکان تلاش کروں گا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ اذیت دینے والا ہمسایہ آیا اور اپنے ہمسایہ کو منت کر کے کہا: تمہیں خدا کا واسطہ اپنا سامان اندر رکھو۔ مجھے مزید شرمندہ نہ کرو میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اب تمہیں مجھ سے دوبارہ شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ (سفینۃ البحار۔ ج ا۔ ص ٦٦)

برادرانِ ایمانی کے حقوق

الکافی میں مرقوم ہے کہ معلّی بن خنیس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے

دریافت کیا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر کیا حق ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر سات حقوق واجب ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک کی ادائیگی میں بھی کوتاہی کی تو خدا کی اطاعت و سرپرستی سے خارج ہو جائے گا۔

معلّی نے آپؑ سے اس کی تفصیل پوچھی تو آپؑ نے فرمایا: معلّی تو مجھے پیارا ہے ڈرتا ہوں کہ جاننے کے بعد کہیں اپنے فرائض انجام نہ دے سکے۔

معلّی نے کہا: میں اللہ سے ان کی ادائیگی کے لئے نصرت و قوت طلب کروں گا۔ آپؑ نے فرمایا: تو سنو!

۱۔ تمہارا ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے دوسرے مسلمان پر ہلکے سے ہلکا حق یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اپنے بھائی کیلئے وہی کچھ پسند کرو اور جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اپنے بھائی کیلئے بھی وہی چیز ناپسند کرو۔

۲۔ اپنے بھائی کو ناراض مت کرو۔ بھائی کی رضا جوئی کی کوشش کرو اور اس کی بات کی پیروی کرو۔

۳۔ اپنی جان و مال اور زبان، ہاتھ اور پاؤں سے اس کی مدد کرو۔

۴۔ اپنے مسلمان بھائی کے لئے آئینہ کی مانند ہو۔ اور اس کے عیوب دور کرنے کی کوشش کرو۔

۵۔ اپنے بھائی کو بھوکا، پیاسا اور بے لباس نہ رہنے دو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا شکم تو غذا سے بھرا ہوا ہو اور وہ بھوکا ہو اور لباس تمہارے زیب تن ہو اور وہ بے لباس ہو۔

۶۔ اگر تمہارے پاس خدمت گار اور نوکر ہو اور تمہارے بھائی کے پاس خدمت گار نہ ہو تو اس کی غذا پکانے اور کپڑے دھونے اور دوسرے کاموں کے لئے اپنے نوکر کو اس کے گھر روانہ کرو تاکہ اس کی ضروریات بھی سر انجام دی جاسکیں۔

۷۔ اس کی قسم کو پورا کرو اور تصدیق کرو۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور جب فوت ہوجائے تو جنازہ میں جاؤ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہے تو اس کے سوال کے منتظر نہ رہو۔ سوال سے پہلے اسکی ضرورت کو پورا کرو۔ اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے مسلمانوں کے باہمی رابطے کو برقرار رکھا اور ایمانی رشتے کو مضبوط کیا۔ (بحار۔ ج ۱۶۔ ص ۲۶۔ نقل از الکافی)

مؤمن کو خوش کرنے کی جزا

الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی: میں نے اپنے کچھ بندوں کے لئے جنت روا رکھی ہے اور انہیں حساب کے بغیر جنت میں داخل کروں گا۔

حضرت موسیٰ نے عرض کی: پروردگار وہ خوش نصیب کون ہیں؟

ندا آئی: جو مؤمن کو خوش کرے۔ جو کسی ایسے مؤمن کو پناہ دے جو کسی ظالم بادشاہ کے خوف سے بھاگا ہوا ہو۔

اگر کسی مؤمن کو ایک کافر بھی پناہ دے تو اس کی موت کے وقت میں اس سے خطاب کرکے کہوں گا: مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم اگر تجھ جیسے افراد کی جنت میں جگہ ہوتی تو میں ضرور تجھے بھی جنت میں داخل کرتا۔ میری جنت ان لوگوں کے لئے حرام ہے جو بوقت موت کافر مریں۔ اب دوزخ اپنی مہیب آواز سے تجھے ڈرائے گی ضرور لیکن تجھے اذیت نہیں پہنچائے گی۔ تجھے صبح و شام خوراک پہنچائی جائے گی۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا: تو کیا اسے جنت سے خوراک پہنچائی جائے گی؟

امام نے فرمایا: جہاں سے خدا چاہے گا اسے رزق فراہم کرے گا۔ (بحار۔ ج ۱۶۔ ص ۸۱۔ انوار نعمانیہ)

دل بدست آور کہ حج اکبر است

شہر رے کا ایک شخص بیان کرتا ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی کی طرف سے ایک شخص ہمارے شہر کا والی بن کر آیا۔ مجھے حکومت کا خراج و واجبات اس قدر دینا تھا کہ اگر مجھ سے تمام واجبات وصول کئے جاتے تو میں مفلس ہوجاتا۔ مجھے ہر وقت یہی اندیشہ ستاتا تھا کہ عنقریب میری باری آنے والی ہے۔ مجھے بعض دوستوں کے ذریعہ سے علم ہوا کہ والی شہر شیعہ ہے۔ مگر میری ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس سے ملاقات کروں کیونکہ میں ڈرتا تھا کہ ممکن ہے وہ شیعہ نہ ہو اور مجھے گرفتار کرکے زندان بھیج دے۔

میں نے دل میں سوچا مجھے اپنے خدا سے پناہ مانگنی چاہئے اور امام زمانہ سے توسل کرنا چاہئے۔

یہ سوچ کر میں حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ چلا گیا اور حرم میں میری ملاقات امام صابر موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ہوئی۔

میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں اپنی بے نوائی اور سرکاری واجبات کا تذکرہ کیا اور آپ سے چارہ سازی کی درخواست کی۔

امام علیہ السلام نے والی کے نام ایک رقعہ تحریر کرکے مجھے دیا اور فرمایا: میرا رقعہ والی تک پہنچانا۔ اس رقعہ میں آپ نے صرف یہ سطریں تحریر کی تھیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعلم ان اللّٰہ تحت عرشہ ظلاً، لایسکنہ الا من اسدی الی اخیہ معروفاً اونفس عنہ کربۃ اوادخل علی قلبہ سروراً وھذا اخوک والسلام

"جان لو کہ عرش کے نیچے اللہ نے سایہ رحمت قائم کیا ہے اس میں صرف

وہی رہ سکتا ہے جس نے اپنے بھائی سے نیکی کی ہو یا اس سے تکلیف ہٹائی ہو یا اس کی دل میں خوشی داخل کی ہو۔ یہ تمہارا بھائی ہے والسلام۔"

میں حج سے فراغت پاکر اپنے شہر پہنچا اور ایک رات امام عالی مقام کا خط لے کر اس کے گھر گیا اور اس کے ملازمین سے کہا کہ امام صابر کی طرف سے ایک قاصد تمہیں ملنے آیا ہے۔

ملازمین نے اسے جیسے ہی جاکر میرے متعلق بتایا تو وہ پا برہنہ دوڑتا ہوا دروازے پر آیا اور مجھے گلے لگا کر میرا منہ چومنے لگا اور بار بار میری پیشانی کو چومتا رہا۔

پھر مجھے اپنے گھر میں لے گیا صدرِ مجلس میں مجھے بٹھایا اور خود نیچے بیٹھ کر مجھ سے امام علیہ السلام کی خیریت دریافت کرنے لگا۔ میں جیسے جیسے امام کی خیریت کی اسے اطلاع دیتا گیا اس کا چہرہ پھول کی طرح کھلتا گیا پھر میں نے امام علیہ السلام کا خط اسے دیا۔ اس نے بار بار امام کے خط کو بوسے دیئے اور خط پڑھا۔ پھر نوکر کو صدا دی کہ میری تمام پوشاکیں لاؤ۔ نوکر اس کی تمام پوشاکیں لایا تو اس نے آدھی مجھے دیں اور آدھی اپنے پاس رکھیں۔ اور اس کے گھر میں جتنے بھی درہم و دینار تھے اس نے سب میرے اور اپنے درمیان برابر تقسیم کئے۔ اور جو اشیاء قابل تقسیم نہ تھیں اس نے ان کی آدھی قیمت میرے حوالے کی اور واجباتِ سرکاری کا رجسٹر منگا کر میرے تمام واجبات معاف کردیئے اور مجھے معافی کی تحریر لکھ کردی آخر میں مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے تمہیں خوش کیا ہے؟

میں نے کہا: بے شک تم نے مجھے خوش کردیا۔

میں اس کے پاس سے چلا آیا اور دل میں سوچا کہ والی کی نیکی کا میں کوئی بدلہ نہیں دے سکتا۔ بہتر ہے کہ اس کے لئے حج کروں اور امام علیہ السلام سے اس کے حق میں دعا کراؤں۔

اگلے سال میں پھر حج کے لئے روانہ ہوا اور امام علیہ السلام سے ملاقات کی میں نے والیِ رَے کی پوری داستان آپ کے گوش گزار کی۔ امام علیہ السلام اس کے حُسن سلوک کو سن کر بے حد خوش ہوئے۔ میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا: کیا آپ خوش ہوئے ہیں تو امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم اس نے مجھے خوش کیا میرے جد نامدار امیر المؤمنین علیہ السلام کو خوش کیا، پروردگار کی قسم اس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کیا، اس نے رب العزت کو بھی خوش کیا۔

(بحار الانوار۔ ج ۱۱۔ احوال موسیٰ بن جعفر علیہ السلام)

حقِ مؤمن کی اہمیت

ابراہیم ساربان آل محمدؐ کا پیروکار اور ان کا مخلص شیعہ تھا۔ اسے کسی کام کے سلسلہ میں علی بن یقطین کے پاس جانا پڑا جو اس وقت ہارون الرشید کا وزیر تھا۔

علی بن یقطین نے اسے ملاقات کی اجازت نہ دی۔ وہ بے چارہ مایوس ہوکر اپنے گھر کوفہ لوٹ آیا۔

اسی سال علی بن یقطین حج کے لئے مکہ گیا۔ اور مناسک حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ گیا۔ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے درِ اطہر پر حاضری کے لئے پہنچا۔ امام علیہ السلام نے اس سے ملاقات کرنے سے انکار کردیا۔

علی بن یقطین نے غلام کے ذریعہ سے سوال کیا کہ آخر مجھ سے کون سی خطا سرزد ہوئی ہے کہ میرے مولا مجھ سے ملاقات پسند نہیں کرتے؟

امام علیہ السلام نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تم نے اپنی وزارت کے غرور میں ہمارے غریب شیعہ سے ملاقات نہیں کی تو ہمیں بھی تم سے ملاقات کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ اگر تم اپنی حج کی قبولیت چاہتے ہو تو پہلے اپنے ایمانی بھائی ابراہیم ساربان کو راضی کرو۔

علی بن یقطین نے عرض کی: بھلا اس وقت یہ کیسے ممکن ہے میں مدینہ میں ہوں اور اس کا گھر کوفہ میں ہے؟

امام عالی مقام نے کہلا بھیجا: اگر تیرا ارادہ اس کے راضی کرنے کا ہو چکا ہے تو اس کے اسباب ہم خود فراہم کئے دیتے ہیں۔ آج رات نماز عشاء کے بعد تم تن تنہا جنت البقیع جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک اونٹ بیٹھا ہوا نظر آئیگا جس پر پالان رکھی ہوگی۔ تم اس پر سوار ہو جانا پھر خداوند تعالیٰ کا معجزہ دیکھنا۔ علی بن یقطین رات کو جنت البقیع گئے وہاں پر اونٹ آمادہ تھا وہ اس پر سوار ہوئے اور تھوڑی دیر بعد اونٹ ایک کچے گھر کے سامنے جا بیٹھا اب جو علی بن یقطین متوجہ ہوئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ دوسرا شہر ہے انہوں نے کسی راہ گیر سے شہر کا نام پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ کوفہ ہے۔

پھر علی بن یقطین نے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے تو اسے بتایا گیا کہ یہ ابراہیم ساربان کا گھر ہے۔

علی بن یقطین نے ابراہیم کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا: کون؟ تو انہوں نے بتایا: میں علی بن یقطین ہوں۔

ابراہیم نے جلدی سے دروازہ کھولا اور متعجب ہو کر کہا کہ میری نگاہیں کیا دیکھ رہی ہیں، اتنا باوقار وزیر مجھ جیسے غریب ساربان کے دروازے پر کیسے آگیا؟ علی بن یقطین نے کہا: تیرے پاس آنا میرے لئے ضروری ہو گیا کیونکہ جب تک تو مجھ سے راضی نہیں ہوتا میرا امام بھی مجھ سے راضی نہیں ہوتا اور میرا حج بھی قبول نہیں ہوتا۔

ابراہیم ساربان نے کہا: میں نے تمہیں معاف کیا۔ خدا تمہیں معاف فرمائے۔

علی بن یقطین نے اپنا رخسار زمین پر رکھا اور ابراہیم سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنا قدم اس کے رخسار پر رکھے تاکہ خاک آلود رخسار کو سندِ رضا کے طور پر امام کے سامنے پیش کر سکے۔

ابراہیم نے رخسار پر پاؤں رکھنے سے معذرت کی مگر علی بن یقطین نے اسے واسطے دے کر آخرکار راضی کر لیا۔ ابراہیم نے اس کے رخسار پر اپنا پاؤں رکھا تو علی بن یقطین نے کہا: "اللھم اشھد" خدایا گواہ رہنا۔

پھر علی بن یقطین اونٹ پر سوار ہوا۔ معجزہ امامت سے تھوڑی دیر بعد وہ مدینہ پہنچ گیا۔ پھر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس سے راضی ہوگئے اور ملاقات کا شرف بخشا۔ (بحار الانوار۔ ج ۱۱۔ احوال موسیٰ بن جعفر۔ منتہی الامال۔ ج ۲۔ ص ۱۶۵)

اہل ایمان کے لئے دعا

ابراہیم بن ہاشم کہتے ہیں کہ میں نے عرفات میں عبداللہ جندب سے زیادہ دعا مانگنے والا کسی کو نہ دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ہر وقت ان کے ہاتھ سوئے آسمان اٹھے ہوئے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ میں نے عرفات میں کسی اور کو اس طرح سے محو مناجات نہیں دیکھا جس طرح سے میں نے تمہیں دیکھا ہے۔

عبداللہ جندب نے کہا: خدا کی قسم میں نے اس مقام پر اپنی ذات کے لئے کوئی دعا نہیں کی میں نے جتنی بھی دعا کی تو اپنے برادران ایمانی کے لئے کی۔ کیونکہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سنا تھا انہوں نے فرمایا: جو اپنی ایمانی بھائیوں کے لئے پس پشت دعا کرے تو عرش سے آواز آتی ہے کہ ہم نے تیرے لئے ایک لاکھ دعائیں قبول کیں۔ اور ہمارے ملائکہ نے تمہارے لئے دعا مانگی اور ملائکہ نے آمین کہی ہے۔ اسی لئے میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ اپنی ذات کے لئے دعا کرنے سے بہتر ہے کہ انسان اپنے بھائیوں کے لئے دعا کرے تاکہ اس کی اپنی حاجات بھی پوری ہوں اور برادران ایمانی کی بھلائی طلب کرنے کا ثواب بھی نصیب ہو۔ (منتہی الامال۔ ج ۲۔ ص ۱۶۳)

خدا کیلئے کسی کو دوست بنانا بہترین عمل ہے

خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: موسیٰ! تو نے اپنی زندگی میں کوئی کام میرے لئے بھی سر انجام دیا ہے؟

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: پروردگار! میں نے تیرے لئے نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے، تیری راہ میں صدقات دیئے اور تیرا بکثرت ذکر کیا۔

خدا کی طرف سے ندا آئی: موسیٰ! نماز جنت کی رہنما ہے اور روزہ دوزخ سے بچنے کی ڈھال ہے۔ زکوٰۃ و صدقات روشنی ہیں۔ یاد الٰہی جنت کے محلات ملنے کا سبب ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے میرے لئے کیا کیا؟

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: پروردگار! تو خود ہی میری رہنمائی فرما کہ وہ کون سا عمل ہے جو خالص تیرے لئے ہے؟

رب العزت نے فرمایا: موسیٰ! کبھی تم نے میرے دوست کو اپنا دوست اور میرے دشمن کو اپنا دشمن سمجھا؟

یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ خدا کیلئے کسی سے محبت کرنا اور خدا کے لئے کسی سے بغض رکھنا افضل ترین عمل ہے۔

امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا: قیامت کے روز ایک شخص کو حساب کے لئے پیش کیا جائے گا اس کے نامہ اعمال میں کوئی نیکی نہیں ہوگی۔

فرشتے کہیں گے: سوچو کبھی تم نے کوئی نیکی کی ہو تو بیان کرو۔ وہ شخص عرض کرے گا کہ میں نے زندگی میں اور نیکی تو نہیں کی البتہ فلاں شخص ایک دن میرے گھر سے گزر رہا تھا اس نے مجھ سے وضو کے لئے پانی طلب کیا۔ میں نے اسے پانی دیا جس سے اس نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ اس شخص کو گواہی کے لئے پیش کیا جائے گا تو وہ کہے گا: پروردگار! تیرا بندہ سچ کہتا ہے۔

اس وقت آواز قدرت سنائی دے گی: میں نے اپنے اس بندہ کو معاف کیا۔ اسے جنت میں داخل کیا جائے۔

قیامت کے دن مؤمن سے کہا جائے گا کہ ان لوگوں کو غور سے دیکھو تم نے کبھی کسی کو پانی پلایا ہو یا کبھی کسی کو روٹی کھلائی ہو یا کسی کے ساتھ تم نے کوئی بھلائی کی ہو تو پھر تم اس مؤمن کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں چلے جاؤ۔ اس کے بعد وہ مؤمن بہت سے ایسے مومنین جن کے ساتھ اس نے بھلائی کی ہوگی کو لے کر پل صراط سے گزرے گا تو ملائکہ کہیں گے: ولی خدا کہاں جانا چاہتے ہو؟

آواز قدرت آئے گی: میرے فرشتو! اسے پل صراط سے گزرنے دو۔ ملائکہ اسے گزرنے کی اجازت دے دیں گے۔ (دارالسلام۔ ج ۳۔ ص ۳۲۸، ۳۳۲)

مؤمن کو خوش کرنا بہترین عمل ہے

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جد نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: نماز کے بعد بہترین عمل یہ ہے کہ مؤمن کو ایسے ذرائع سے خوش کیا جائے جو خدا کی نافرمانی میں شمار نہ ہوتے ہوں۔ میں اپنے نانا کے اس فرمان کا تجربہ کر چکا ہوں۔ میں نے ایک دن ایک غلام کو دیکھا کہ وہ روٹی کھا رہا تھا ایک لقمہ وہ خود کھاتا اور ایک لقمہ کتے کو ڈالتا تھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: فرزند رسول! میں مغموم انسان ہوں اور چاہتا ہوں کہ مجھے خوشی نصیب ہو اسی لئے اس جاندار کو کھلا کر مجھے کچھ خوشی سی محسوس ہوتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: تم کیوں مغموم ہو؟

اس نے بتایا کہ میں ایک یہودی کا غلام ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس سے نجات حاصل کروں۔ پس میں اس کے یہودی مالک کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم اپنا غلام مجھے فروخت کردو اور وہ سو دینار مجھ سے اس کی قیمت لے لو۔

یہودی نے کہا: غلام آپ کے نام پر قربان میں اسے آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ بھی اس کی ملکیت قرار دیتا ہوں اور دو سو دینار آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تم مجھ سے دو سو دینار لے لو۔ تو اس نے دو سو دینار لے کر غلام کے حوالے کردیئے۔

یہودی کی بیوی نے کہا: میں اسلام قبول کرتی ہوں اور اپنا حق مہر بھی اپنے شوہر کو معاف کرتی ہوں۔ یہودی نے یہ سن کر کہا کہ میں بھی مسلمان ہوتا ہوں اور اپنی بیوی کو حق مہر کے عوض یہ مکان دیتا ہوں۔ (بحار الانوار۔ ج ۱۰۔ ص ۱۴۵، دار السلام ج ۳۔ ص ۳۵۰)

جب حسنِ رفاقت اسلام کا سبب بنی

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: امیر المؤمنین علیہ السلام کوفہ جارہے تھے۔ راستے میں ایک اہل کتاب ذمی ان کا ہم سفر بنا جو امیر المؤمنین علیہ السلام کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس نے آپؑ سے پوچھا: آپ کہاں جائیں گے؟ آپؑ نے فرمایا: میں کوفہ جاؤں گا۔ جب کچھ دیر چلنے کے بعد دوراہے پر پہنچے تو ذمی نے دوسرا راستہ اختیار کیا کیونکہ اسے کوفہ نہیں جانا تھا۔

امیر المؤمنین بھی اس کے ساتھ اسی راستے پر چل پڑے۔ اس نے تعجب سے کہا: آپ کو تو کوفہ جانا تھا آپ اس راستے پر کیوں چلے آئے جبکہ یہ راہ کوفہ نہیں جاتی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: میں جانتا ہوں یہ راستہ کوفہ نہیں جاتا۔ تم کچھ دیر تک میرے ہم سفر رہے ہو اور ہمیں پیغمبر اسلام نے یہ نصیحت کی ہے کہ رفیقِ سفر کو چند قدم تک آگے پہنچانا چاہیئے اسی لئے میں تمہاری رفاقت کا حق ادا کرنے کے لئے تمہارے ساتھ چل پڑا۔

ذمی نے کہا کہ اسلام نے واقعی اخلاق عالیہ کا حکم دیا ہے اور میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔

پھر اس نے اپنا راستہ چھوڑ کر کوفہ کا رخ کیا، جیسے ہی وہ کوفہ پہنچا تو اسے علم ہوا کہ اس کے رفیق سفر امیر المؤمنینؑ ہیں۔ اس نے کفر سے توبہ کی اور آپؑ کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ (بحار الانوار۔ ج ۱۶۔ ص ۴۴)

امام کی نظر میں حسن معاشرت کی اہمیت

الکافی میں مذکور ہے کہ ابو حنیفہ رہنمائے حجاج اور اس کے داماد کے درمیان کسی میراث کے متعلق جھگڑا ہوا۔ سسر اور داماد آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ امام صادق علیہ السلام کے شاگرد خاص حضرت مفضل بن عمر کوفی کا وہاں سے گزر ہوا اور انہوں نے ان کو ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوئے دیکھا تو ان دونوں کو اپنے ساتھ اپنے مکان پر لے آئے۔ ان سے جھگڑے کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ چار سو درہم ان کے حساب میں نہیں آرہے ہیں اسی لئے وہ جھگڑ رہے ہیں۔ تو مفضل بن عمر نے چار سو درہم اپنے گھر سے لاکر ان میں مصالحت کرادی اور کہا کہ یہ رقم میں اپنی جیب سے ادا نہیں کر رہا میرے آقا و مولا امام صادق علیہ السلام نے کچھ رقم میرے حوالے کی تھی کہ اس کے ذریعہ سے میں لوگوں میں مصالحت کراسکوں۔ (منتہی الامال)

ایک بوڑھے سے امام موسیٰ کاظمؑ کا حُسنِ سلوک

زکریا اعور بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نوافل پڑھ رہے تھے اور ان کے پہلو میں ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ بوڑھا اٹھنے لگا اور اٹھ کر اپنی لاٹھی کو تلاش کرنے لگا۔ امام علیہ السلام نے جھک کر اس کی لاٹھی اٹھائی اور اس کے ہاتھ میں پکڑائی۔ اور پھر دوبارہ نیت کرکے نوافل میں مشغول ہوگئے۔ (منتہی الامال۔ ج ۲۔ ص ۱۲۷)

پیغمبر اکرمؐ کی حُسنِ رفاقت

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے، راستے میں ایک چشمہ پر قیام کیا تو اصحاب نے چاہا کہ بکری کو ذبح کر کے کھانا تیار کریں۔ ایک صحابی نے کہا: میں بکری ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں کھال اتاروں گا۔

رسول کریمؐ نے فرمایا: میں لکڑیاں اکٹھی کر کے لاؤں گا۔

صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! آپ کے خادم موجود ہیں آپ ہرگز تکلیف نہ کریں۔

آپؐ نے فرمایا: میں ساتھیوں پر بوجھ بننا پسند نہیں کرتا۔ میں اپنے ہاتھ سے کام کر کے خوراک کھانا چاہتا ہوں۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی محنت کر کے روٹی کھاتے تھے۔ (منتہی الامال۔ ج۱۔ ص۱۸)

آدابِ سفر سیکھیں

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے دادا جناب علی زین العابدین علیہ السلام جب سفر کا ارادہ کرتے تو ان لوگوں کے ساتھ سفر کرتے جو ان سے ناواقف ہوتے اور اپنی ذات گرامی کے لئے ان سے یہ وعدہ لیتے کہ وہ بھی دوسرے مسافروں کی طرح کام کریں گے۔

ایک مرتبہ آپؑ ایک ناواقف گروہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ایک شخص نے آپؑ کو پہچان لیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا: ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے کہ ہم امام زین العابدین کو اپنے ساتھ کام میں شریک کرتے رہے۔

یہ سن کر تمام ساتھی آپ کے پاس آئے اور آپ کے ہاتھوں کا بوسہ لینے

لگے اور معذرت کر کے کہنے لگے: فرزند رسولؐ! خدارا آپ ہمیں معاف کریں ہم نے آپ کو پہچانا نہیں تھا ورنہ ہم آپ کو کسی کام کے لئے زحمت نہ دیتے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے میں اسی لئے تو سفر کے لئے ناواقف لوگوں کا انتخاب کرتا ہوں تاکہ میں بھی ان کے ساتھ مل کر ان جتنا کام کر سکوں۔ میں دورانِ سفر ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ میں اپنے ساتھیوں پر بوجھ بنوں۔ (بحار الانوار۔ ج ۱۱۔ ص ۱۶)

چند روایات

عن رسول اللهؐ قال من اذى جاره حرّم الله عليه ريح الجنة ومأواه جهنم وبئس المصير و من ضيّع حق جاره فليس منا ومازال جبريل يوحينى بالجارحتى ظننت انه سيورثه ومازال يوحينى بالسواك حتّى ظننت انه سيجعله فريضة ومازال يوحينى بقيام الليل حتّى ظننت ان خيار امتى لم ينا موا۔

(وسائل کتاب جہاد۔ ص ۲۸۳)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے ہمسائے کو اذیت دی تو اللہ نے اس پر جنت کی خوشبو کو حرام قرار دیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے اور جس نے اپنے ہمسائے کا حق ضائع کیا تو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں جبرئیلؑ نے ہمسائے کے متعلق مجھے اتنی بار تاکید کی یہاں تک مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ ہمسائے کو میراث میں شامل کر دیں گے اور جبرئیلؑ نے مجھے مسواک کے متعلق اتنی تاکید کی کہ میں سمجھنے لگا کہ وہ مسواک کو فرض قرار دیں گے اور شب بیداری کی جبرئیلؑ نے مجھے اتنی تاکید کی کہ میں سمجھنے لگا کہ میری امت کے نیک افراد سو نہیں سکیں گے۔

قال رسول اللهؐ هل تدرون ما حق الجار ماتدرون من حق الجار آلا قليلا. لايؤمن باللّٰه واليوم الاخرمن لايأمن جاره بوائقه فاذ استقرضه ان يقرضه واذا اصابه خير هناه واذا اصابه شرعزاه ولا يستطيل عليه فى البناء يحجب عنه الريح الاباذنه و اذا اشترىٰ فاكهة فليهد له فان لم يهدله فليد خلها سرا ولا يعطى صبيانه منها شيئا يغا يظون صبيانه ثم قال رسول اللهؐ الجيران ثلاثة منهم من له ثلاثة حقوق حق الاسلام وحق الجوار و حق القرابة ومنهم من له حقان حق الاسلام و حق الجوار ومنهم من له حق واحد الكافرله حق الجوار.

(مستدرک الوسائل۔ ج ۲۔ ص ۷۹)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں تمہیں ہمسائے کے حقوق کا کوئی علم ہے؟ تمہیں ہمسائے کے حقوق سے بہت کم آگاہی حاصل ہے۔ اس شخص کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہے جسکا ہمسایہ اسکی تکلیف سے مطمئن نہیں ہے۔

جب ہمسایہ قرض مانگے تو اسے قرض دو اور جب ہمسائے کے ہاں کوئی خوشی ہو تو اسے مبارک باد دو اور اگر کوئی غمی ہو جائے تو اسے تعزیت کرو۔ اور اس کی اجازت کے بغیر اپنا مکان بلند نہ بناؤ کہ اس کی ہوا رک جائے۔ اور جب کوئی پھل خریدا کرو تو اس کے گھر بھی بطور ہدیہ روانہ کرو اور اگر تم ہدیہ نہ دے سکو تو پھر پھل کو چھپا کر اپنے گھر لاؤ اور اپنے بچوں کو پھل کھلاؤ تو انہیں سمجھاؤ کہ وہ اس کے بچوں کو چڑانے کے لئے ان کے سامنے نہ کھائیں۔

پھر آپ نے فرمایا: ہمسائے تین طرح کے ہیں پہلا ہمسایہ وہ ہے جس کے تم پر تین حق ہیں اسلام کا حق، ہمسائگی کا حق اور رشتہ داری کا حق، اور دوسرا ہمسایہ وہ ہے جس کے دو حق ہیں۔ اسلام کا حق اور ہمسائگی کا حق اور تیسرا ہمسایہ وہ ہے جس کا ایک حق ہے اور وہ ہے ہمسائگی کا حق اور یہ حق کافر کا ہے۔

عن الصادق فى رسالته الى النجاشى. واعلم انى سمعت ابى يحدث عن ابائه عن امير المؤمنينؑ انه سمع النبیؐ يقول لاصحابه يوما ما امن باللّٰه واليوم الاخرمن بات شبعان وجاره جائع فقلنا هلكنا يارسول الله فقال من فضل طعامكم ومن فضل تمركم ورزقكم وخلقكم وخرقكم تطفؤن بها غضب الرب.

(کشف الریبہ۔ شہید۔ ص۳۲۹)

امام صادق علیہ السلام نے نجاشی کے خط کے جواب میں تحریر کیا۔ تمہیں علم ہونا چاہئے میں نے اپنے آبائے طاہرین اور انہوں نے امیر المؤمنینؑ سے سنا کہ رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب سے خطاب کر کے فرمایا: اس شخص کا اللہ اور روز قیامت پر ایمان نہیں جو رات کو خود شکم سیر ہو کر سوئے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔

یہ سن کر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر تو ہم ہلاک ہو گئے۔

آپ نے فرمایا: اپنی اضافی غذا یا اپنی بچی ہوئی کھجور یا کچھ نقدی یا اپنے پرانے لباس سے ہمسائے کی ضرور مدد کرنی چاہئے۔ یہ تمہیں خدا کے غضب سے بچالیں گے۔

قالوا الرسولؐ فلانة تصوم النهار وتقوم الليل وتؤذى جارها بلسانها قال لاخير فيها هى من اهل النار وفلانة تصلى المكتوبة وتصوم شهر رمضان ولا تؤذى جارها فقال رسول اللهؐ هى من اهل الجنة.

(مستدرک الوسائل۔ ج ۲۔ ص ۷۹)

رسول کریمؐ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ فلاں عورت دن کو روزے رکھتی اور رات کو نوافل پڑھتی ہے مگر اپنے ہمسائے کو زبان سے اذیت دیتی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا: اس میں کوئی بھلائی نہیں وہ عورت دوزخی ہے۔ پھر کہا گیا کہ فلاں عورت صرف نماز فریضہ ادا کرتی ہے اور روزے صرف ماہِ رمضان کے رکھتی ہے مگر

وہ اپنے ہمسایوں کو اذیت نہیں پہنچاتی تو آپؑ نے فرمایا: وہ اہل جنت میں سے ہے۔

عن مفضل بن عمر قال دخلت علی ابی عبداللهؑ فقال لی من صحبك فقلت رجل من اخواتی قال فما فعل قلت منذدخلت لم اعرف مكانه فقال اما علمت ان من صحب مؤمنا اربعين خطوة سأله الله عنه يوم القيامة۔

(وسائل کتاب حج۔ ص ۲۶۷)

مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپؑ نے مجھ سے پوچھا: تمہارا ہم سفر کون تھا؟

میں نے کہا: میرا ایک دینی بھائی میرا ہم سفر تھا۔

آپ نے فرمایا: پھر وہ کہاں گیا؟

میں نے کہا: جب میں یہاں آیا تو میں نے اس کا پتہ نہیں کیا۔

آپؑ نے فرمایا: جو کسی مؤمن کے ساتھ چالیس قدم ہم سفر رہے تو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اس سے اس مصاحبت کے متعلق ضرور سوال کرے گا۔

عن ابی جعفرؑ قال صانع المنافق بلسانك واخلص ودك للمؤمن وان جالسك يهودى فاحسن مجالسته.

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: منافق کے ساتھ زبانی مدارات سے پیش آؤ اور برادران ایمانی کے لئے اپنی محبت کو خالص رکھو اور اگر کبھی یہودی تمہارا ہم نشین ہو تو اس سے نیک سلوک کرو۔

آسائش دوگیتی تفسیر این دو حرف ست

بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

حافظ

باب سوم

مہمان نوازی

صحرانشین کی مہمان نوازی

قیس بن سعد بن عبادہ عرب کا مشہور مہمان نواز تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ تم نے اپنے سے بڑا کوئی مہمان نواز دیکھا ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں ہم ایک صحرا نشین شخص کے مہمان ہوئے۔ گھر کا مالک موجود نہیں تھا اس کی بیوی نے ہمارے لئے مہمان خانے کا دروازہ کھولا۔

جب اس کا شوہر آیا تو اس نے اسے بتایا کہ دو مہمان آئے ہوئے ہیں۔ تو اس نے ایک اونٹ نحر کیا اور ہماری غذا تیار کی۔ پھر دوسرے دن اس نے دوسرا اونٹ نحر کر کے کھانا تیار کیا ہم نے کہا کہ آپ تکلف نہ کریں ابھی تو کل کے اونٹ کا گوشت باقی ہے۔ اس نے کہا نہیں ہم مہمان کو باسی کھانا کھلانے کے عادی نہیں ہیں۔

ہمیں بارش کی وجہ سے چند روز وہاں ٹھہرنا پڑا تو وہ شخص روزانہ ہمارے لئے ایک اونٹ نحر کرتا رہا۔

جب ہم روانہ ہوئے تو اتفاق سے ہمارا میزبان موجود نہیں تھا ہم نے اس کی بیوی کو دو سو دینار دیئے اور کہا ہماری طرف سے یہ معمولی سا ہدیہ ہے۔

ہم رقم دے کر روانہ ہوئے تو اس وقت صبح صادق کا وقت تھا۔ جیسے ہی سورج طلوع ہوا تو ہم نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر ہمارے تعاقب میں آرہا ہے اور

اس کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور وہ مسلسل ہمیں آوازیں دے رہا ہے۔

ہم رک گئے جیسے ہی وہ قریب آیا تو وہ ہمارا میزبان تھا۔ اس نے کہا کہ آپ نے زیادتی کی ہے اپنی رقم واپس لے لیں۔ ہم روٹی بیچا نہیں کرتے۔ اور اگر تم نے رقم واپس لینے سے پس و پیش کی تو میں اس نیزہ کے ساتھ تم سے جنگ کروں گا۔ چنانچہ ہم نے مجبوراً رقم واپس لے لی۔ (مستطرف)

لباس کو مہمان نوازی کا معیار مت بنائیں

کمال الدین میثم بحرانی ایک مشہور و معروف عالم گزرے ہیں انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں ان کی شرح نہج البلاغہ بڑی مشہور ہے۔ ان کی عظمت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ خواجہ نصیر الدین طوسی نے ان کے متعلق یہ جملے تحریر کئے۔ "استاذ بشر عقل حادی عشر سید المحققین" مجالس المؤمنین کے مؤلف ان کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انہوں نے اوائل زندگی میں گوشہ نشینی اختیار رکھی تھی۔ علمائے عراق و حلہ نے انہیں بہت سے خطوط تحریر کئے کہ آپ گوشہ نشینی چھوڑ کر ہمارے ہاں تشریف لائیں کیونکہ اتنے بڑے عالم کے لئے گوشہ نشینی مناسب نہیں ہے۔

علماء کے خطوط کے جواب میں انہوں نے یہ شعر لکھ کر روانہ کئے:

طلبت فنون العلم ابغی بها العلا

فقصربی عما سموت به القل

تبین لی ان المحاسن کلها

فروع و ان المال فیها هو الاصل

میں نے صاحبِ مقام بننے کے لئے کئی علوم پڑھے لیکن تنگ دستی اور غربت نے مجھے بلند مقام پر نہ پہنچنے دیا۔ یہ دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کہ تمام محاسن فروع ہیں اور

دولت ان سب کے لئے بمنزلہ اصل ہے۔

علمائے حلہ نے جواب میں لکھا کہ آپ کو مغالطہ ہوا ہے دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی انسان کا وقار علم و ادب سے بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ کو مفلسی کی وجہ سے بالکل نہیں گھبرانا چاہئے آپکے پاس اللہ کا خصوصی عطیہ علم موجود ہے۔ آپ تشریف لائیں، ہم آپکے منتظر ہیں۔ اسکے جواب میں علامہ میثم بحرانی نے یہ شعر لکھے:

قد قال قوم بغیر علم

ماالمرء الا باکبریه

فقلت قول امرء حکیم

ما المرء الابدر همیه

من لم یکن درهم لدیه

لم یلتفت عرسه الیه
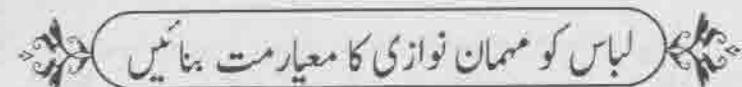
کچھ لوگوں نے علم کے بغیر یہ کہہ دیا کہ انسان کی قدر و منزلت اس کے حسب و نسب سے ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ ایک دانا کا قول ہے کہ انسان کی اہمیت روپے پیسے سے ہے۔ جس کے پاس پیسے نہ ہوں تو اس کی بیوی بھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتی۔

لیکن اس تمام تر معذرت کے باوجود بھی علماء کا اصرار جاری رہا تو میثم بحرانی قصد زیارت کر کے عراق روانہ ہوئے اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر ایک مدرسہ میں چلے گئے۔ مدرسہ میں جتنے علماء و فضلا جمع تھے، آپ نے سب کو سلام کیا لیکن کسی نے بھی گرمجوشی سے انہیں سلام کا جواب نہ دیا۔

پھر آپ مباحثہ ہال میں گئے جہاں علماء ایک مسئلہ پر بحث کر رہے تھے، انہیں کسی نے وہاں بیٹھنے کیلئے جگہ تک نہ دی آخرکار وہ مجلس کے آخر میں جا کر بیٹھ

گئے۔ مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا کسی طرح سے بھی علماء سے اسکی گتھی سلجھنے میں نہ آتی تھی۔
علامہ بحرانی نے مسئلہ کا جواب دیا جو کہ انتہائی مدلل تھا، مگر کسی نے ان کے جواب کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ پھر روٹی کا وقت ہوا اور دستر خوان بچھایا گیا تو انہیں دستر خوان پر بیٹھنے کی کسی نے دعوت نہ دی بلکہ ایک علیحدہ برتن میں انہیں کھانا دے دیا گیا۔

پھر دوسرے دن آپ نے لباس فاخرہ زیب تن کیا اور ایک بڑا عمامہ سر پر سجایا اور اسی مدرسہ میں تشریف لائے۔ ان کے لباس کو دیکھ کر ہر ایک نے پرتپاک طریقہ سے ان سے ہاتھ ملایا اور خیر خیریت دریافت کی۔ بعدازاں آپ مباحثہ ہال میں تشریف لائے تو انہیں صدر مجلس میں جگہ دی گئی اور مباحثہ کے دوران انہوں نے اپنی طرف سے بے ربط جملے کہے تو بھی ان پر تحسین کے ڈونگرے برسائے گئے اور جب دستر خوان بچھا تو انہیں بہترین برتن میں کھانا پیش کیا گیا۔

کمال الدین میثم بحرانی نے اپنی آستین کو سالن میں ڈبویا اور آستین سے کہنے لگے کہ کھانا کھاؤ یہ تمہارا حق ہے۔

مدرسہ کے تمام علماء و فضلا یہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ اچھا کھانا کپڑوں کی وجہ سے ملا ہے۔ لہٰذا کپڑوں کا حق ہے کہ اسے کھائیں۔ میں تو کل بھی یہاں آیا تھا لیکن کسی نے میری طرف توجہ نہیں کی تھی اور تم لوگوں نے دستر خوان پر مجھے اپنے ساتھ بٹھانا تک گوارا نہیں کیا تھا اور آج جب میں امراء اور اہل علم کا سا لباس پہن کر یہاں آیا تو ہر شخص نے میرا احترام کیا۔ اسی لئے تو میں نے تمہیں لکھا تھا کہ آج کل انسان کی قدر و منزلت کا پیمانہ علم نہیں بلکہ مال و دولت ہے لیکن تم کسی طرح سے بھی میری بات ماننے پر آمادہ نہ تھے۔ آج کے تجربے سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ علم و ادب کی تمہارے ہاں کوئی قدر و منزلت نہیں ہے ہاں اگر تمہارے پاس قدر و منزلت ہے تو وہ صرف اور صرف

کپڑوں اور دولت کی ہے۔
پھر تمام علماء نے ان سے معذرت کی اور اظہار تاسف کیا۔ (کشکول بحرانی۔ ص ۳۰۔ روضات الجنات)

مہمان کتنا حساس ہوتا ہے

معاویہ بن ابی سفیان کے دستر خوان پر ایک شخص بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ مہمان نے لقمہ توڑا تو معاویہ نے آواز دی کہ اس لقمہ میں بال ہے وہ نکال لو۔ مہمان فوراً دستر خوان چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: میں ایسے شخص کے دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا جو مہمان کے لقمہ کو اتنی غور سے دیکھتا ہو کہ اسے اس میں بال نظر آتے ہوں۔ (ثمرات الاوراق۔ ص ۱۱۵)

امام حسنؑ مجتبیٰ کی مہمان نوازی

سیاہ رنگت رکھنے والا ایک بدصورت شخص امام حسنؑ مجتبیٰ کے دستر خوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور ندیدوں کی طرح بڑی تیزی سے ہاتھ چلا رہا تھا۔ امام حسن علیہ السلام مہمان کو کھانا کھاتے دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: اعرابی! تم نے شادی کی ہوئی ہے یا مجرد ہو؟

اس نے کہا: میں شادی شدہ ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: تمہارے کتنے بچے ہیں؟

اعرابی نے کہا: میری آٹھ بیٹیاں ہیں۔ شکل و صورت کے اعتبار سے میں ان سے زیادہ حسین ہوں اور پیٹو ہونے کے اعتبار سے وہ مجھ سے زیادہ پیٹو ہیں۔ امام حسنؑ مجتبیٰ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور اسے دس ہزار درہم عطا فرمائے اور فرمایا: یہ تیرا اور تیری بیوی اور آٹھ بیٹیوں کا حصہ ہے۔ (لطائف الطوائف۔ ص ۱۳۹)

انسان کتنے دن مہمان رہ سکتا ہے

ہارون الرشید عباسی کے ظلم وجور سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فرزند جناب قاسم نے روپوشی اختیار کی۔ اپنی جان بچانے کے لئے ایک دن وہ فرات کے قریب ایک مقام سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے دو چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو دیکھا جو ایک دوسرے سے کھیل رہی تھیں۔ ایک بچی نے اپنی بات کے اثبات کے لئے اس طرح سے قسم کھائی: (بحق الامیر صاحب الغدیر) مجھے جناب امیر کی قسم جن کی امامت کا اعلان غدیر میں ہوا۔

جناب قاسم یہ قسم سن کر دل میں خوش ہوئے کہ یہ بچیاں مؤمن ماں باپ کی اولاد ہیں۔

حضرت قاسم نے ایک لڑکی سے پوچھا کہ تم نے جس امیرؑ کی قسم کھائی وہ کون ہے؟

بچی نے کہا: وہ حسنین کریمین کے والد ماجد ابوالحسن علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

بچی کا جواب سن کر آپ بے حد خوش ہوئے کہ اپنے آباء واجداد کے دوستوں کے پاس آئے ہیں۔

حضرت قاسم نے کہا: مجھے اس قبیلہ کے سردار سے ملاؤ۔

بچی نے کہا: میرا باپ قبیلہ کا سردار ہے۔ وہ جناب قاسم کو اپنے والد کے پاس لے گئی۔ جناب قاسم تین دن تک اس کے مہمان رہے چوتھے دن آپ نے قبیلہ کے سردار سے کہا: میں نے پیغمبر اسلام کی ایک حدیث سنی ہے، کہ مہمانی تین دن ہوتی ہے اس کے بعد اگر کوئی کسی کے گھر سے کھانا کھاتا ہے، تو اس گھر کا صدقہ کھاتا ہے۔ اسی لئے میں آپ کی گھر کا صدقہ کھانا پسند نہیں کرتا آپ مجھے کوئی کام ذمے لگادیں تاکہ میں صدقہ کھانے سے بچ جاؤں۔

قبیلہ کے سردار نے کہا میں آپ کے لئے کوئی کام تلاش کروں گا۔ لیکن جناب قاسم نے فرمایا: آپ اپنی مجلس کو پانی پلانے کی ذمہ داری مجھے سونپ دیں۔

اس نے منظور کرلیا۔ بعد ازاں جناب قاسم سردار قبیلہ کی مجلس میں پانی پلایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سردار قبیلہ آدھی رات کے وقت گھر سے باہر آیا تو اس نے دیکھا قاسم عبادت الٰہی میں مصروف ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح محو مناجات ہیں کہ انہیں اپنے گرد و پیش کی کوئی خبر تک نہیں ہے۔ قاسم کی یہ حالت دیکھ کر سردار بڑا متاثر ہوا۔

جیسے ہی صبح ہوئی اس نے اپنے قبیلہ کے افراد کو جمع کر کے کہا میں اپنی بیٹی کا نکاح قاسم سے کرنا چاہتا ہوں۔ باقی قبیلہ نے اس فیصلہ پر خوشی کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قاسم کو ایک بیٹی عطا فرمائی۔ بچی تین برس کی ہوئی کہ قاسم بیمار ہوئے اور روز بروز ان کی بیماری میں شدت آتی گئی۔ قبیلہ کا سردار قاسم کے سرہانے بیٹھ کر ان کے حسب و نسب کے متعلق پوچھنے لگا۔ جناب قاسم نے کچھ اس طرح کے جواب دیئے کہ اس نے اچانک کہا: بیٹے میں جان گیا تو ہاشمی ہے۔ حضرت قاسم نے فرمایا: جی ہاں میں امام موسیٰ کاظم کا فرزند قاسم ہوں۔

یہ سن کر ان کا سسر اپنا چہرہ پیٹنے لگا کہ ہائے میں اپنی مجلس میں آپ سے سقائی کراتا رہا، میں امام موسیٰ کاظم کو کس طرح سے منہ دکھاؤں گا۔

قاسم نے فرمایا: آپ نے میری بڑی خاطر مدارات کی انشاء اللہ آپ جنت میں میرے ساتھ ہوں گے اور میں آپ کی شفاعت کروں گا۔

سنو! میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں۔ میری وفات کے بعد مجھے غسل و کفن دے کر دفن کرنا اور پھر جب حج کے دن آئیں تو میری بیوی اور میری بچی کو ساتھ لے کر خانۂ خدا کی زیارت کے لئے چلے جانا اور واپسی پر مدینہ کی راہ لینا

اور جب تم مدینہ پہنچو تو شہر کے آغاز پر میری بیٹی کو پیادہ کر دینا تم خود اس کے پیچھے چلنا میری بیٹی چلتے چلتے ایک بڑی حویلی کے دروازے پر پہنچ جائے گی اور وہی ہمارا گھر ہے۔ میری بیٹی اس گھر میں چلی جائے گی۔ اس گھر میں سرپرستوں سے محروم مستورات ہیں اور میری ماں بھی وہیں موجود ہوگی۔

قاسم کی وفات ہوگئی اور ان کی تجہیز و تکفین ہوئی اس کے بعد غم زدہ خاندان مکہ گیا۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ پہنچے۔ جیسے ہی مدینہ شہر شروع ہوا سردار نے اپنی نواسی کو محمل سے اتارا اور خود اس کے پیچھے چلنے لگا اور کہا بیٹی تم اپنا گھر تلاش کرو۔ چلتے چلتے بچی ایک بڑی حویلی کے دروازے پر کھڑی ہوگئی وہاں اپنے والد کی خوشبو محسوس کر کے کچھ دیر کھڑی روتی رہی پھر حویلی میں داخل ہوگئی مستوراتِ عصمت نے جب اس بچی کو دیکھا تو پوچھنے لگیں کہ تم کون ہو۔

مگر بچی نے کسی کے سوال کا جواب نہیں دیا، برابر روتی رہی۔ قاسم کی والدہ آئیں اور بچی کو گود میں لے کر رونے لگیں اور بچی کو پیار کرنے لگیں اور فرمایا: یہ میرے قاسم کی بیٹی ہے۔

تمام پردہ دار بی بیاں حیران ہو کر کہنے لگیں: آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ قاسم کی بیٹی ہے؟

بی بی نے فرمایا: تم بچی کو غور سے دیکھو یہ ہو بہو میرے بیٹے قاسم کی شبیہ ہے اس وقت بچی نے بتایا کہ میری ماں اور نانا بھی دروازے پر موجود ہیں۔

جب قاسم کی والدہ نے قاسم کی موت کا حال سنا تو بیمار ہوگئیں اور تین دن بعد ان کی وفات ہوگئی۔

حضرت قاسم کا مزار حلہ شہر سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر باخمری میں موجود ہے اور اس شہر کا جدید نام مدینۃ القاسم ہے۔ (شجرۂ طوبیٰ۔ ص ۲۱۰)

مہمان کا احترام ہر شخص پر واجب ہے

امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: کہ ایک مرتبہ ایک باپ بیٹا حضرت علی علیہ السلام کے مہمان ہوئے۔ آپؑ نے انہیں صدر مجلس میں بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھے پھر آپؑ نے طعام لانے کا حکم دیا۔ جب دونوں مہمان کھانا کھا چکے تو قنبر طشت اور لوٹا اور تولیہ لے کر ان کے ہاتھ دھلانے کے لئے آئے۔ قنبر چاہتے تھے کہ باپ کے ہاتھ دھلائیں۔ حضرت علی علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھے اور قنبر کے ہاتھ سے آپ نے لوٹا لے لیا اور چاہا کہ آپ اس کے ہاتھ دھلائیں۔ تو مہمان نے بڑی عاجزی سے عرض کی: مولا! خدا کے لئے آپ یہ زحمت نہ فرمائیں۔ میں اپنے خدا کو کیا جواب دوں گا کہ علیؑ نے میرے ہاتھ دھلائے تھے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: تمہیں میرے حق کی قسم آرام سے بیٹھے رہو جس طرح سے تمہیں قنبر کے ہاتھ دھلانے پر اعتراض نہیں تھا اسی طرح سے میرے ہاتھ دھلانے پر بھی اعتراض نہ کرو۔ پھر آپ نے اس کے ہاتھ دھلائے۔

بعد ازاں آپؑ نے لوٹا اپنے بیٹے محمد حنفیہ کو پکڑایا اور فرمایا: کہ میں نے باپ کے ہاتھ دھلائے ہیں تم بیٹے کے ہاتھ دھلاؤ۔ میں خود ہی دونوں کے ہاتھ دھلاتا لیکن یہ چاہتا ہوں کہ باپ بیٹے میں کچھ فرق ضرور ہونا چاہئے۔ پھر محمد حنفیہ نے بیٹے کے ہاتھ دھلائے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: جو اس کام میں علیؑ کی پیروی کرے۔ گا وہ علیؑ کا حقیقی شیعہ ہوگا۔ (بحار الانوار۔ ج ۱۶۔ ص ۱۴۸)

اس عالم میں بھی مہمان کو کھانا کھلایا

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار کی جلد نہم میں تفاسیر عامہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور بھوک کی شکایت کی۔ آپؐ نے اپنی ازواج سے فرمایا کہ کسی کے پاس کچھ کھانے کیلئے ہو تو اس مہمان کو دو۔ تمام ازواج نے عرض کی ہمارے گھر میں پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

پھر آپؐ نے مسجد میں فرمایا: کوئی ہے جو اس کو آج کھانا کھلائے؟

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: یا رسولؐ اللہ! آج رات یہ ہمارا مہمان ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام مہمان کو ساتھ لے گئے اور گھر میں جناب سیدہ سلام اللہ علیھا سے پوچھا کہ مہمان آیا ہے گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے؟

جناب سیدہ نے عرض کی: بچوں کا تھوڑا سا کھانا موجود ہے لیکن میں مہمان کو اپنے بچوں پر ترجیح دوں گی۔

جناب علی علیہ السلام کھانا لے کر مہمان کے پاس آئے جیسے ہی مہمان نے کھانا شروع کیا تو آپؑ نے چراغ بجھا دیا اور منہ کو حرکت دیتے رہے۔ مہمان یہ سمجھتا رہا کہ میرا میزبان بھی میرے ساتھ کھانے میں شریک ہے۔ مہمان نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ رات گزری جب صبح ہوئی تو حضرت علیؑ نماز فجر کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لائے، پیغمبرؐ اکرم نے آپ کی طرف دیکھا اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے رات کے عمل سے بہت خوش ہوا ہے اور ابھی ابھی جبرئیلؑ میرے پاس یہ آیت لائے ہیں" ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة" وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں۔ (بحار الانوار۔ ج ۱۶۔ ص ۱۴۸)

اندازِ مہمانی

حکیم سعد الدین نزاری، شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کے ہم عصر تھے اور دونوں بزرگوں میں بڑی پیار و محبت تھی۔ شیخ سعدی حکیم نزاری سے ملنے کے لئے دو مرتبہ قہستان آئے اور حکیم نزاری بھی شیخ سعدی کی ملاقات کیلئے چند مرتبہ شیراز تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ حکیم سعد الدین سعدی کے ہاں مہمان ہوئے۔ شیخ سعدی نے ان کی بہت زیادہ خاطر مدارات کی جس کی وجہ سے حکیم زیادہ عرصہ شیراز میں نہ ٹھہر سکے اور چلتے وقت سعدی سے کہا کہ ہم تو جارہے ہیں لیکن شرط مہمان نوازی یہ نہ تھی جو آپ بجا لائے۔

شیخ سعدی نے معذرت کی کہ میں آپ کی پوری طرح سے خدمت نہ کر سکا۔

کچھ عرصہ بعد شیخ سعدی، حکیم نزاری سے ملنے کیلئے قہستان آئے اور جب بیر جند پہنچے تو انہوں نے حکیم کو اپنے کھیت میں کام کرتے دیکھا حکیم نے شیخ سعدی کو اپنے گھر روانہ کر دیا اور خود اپنے کام میں مصروف رہے جب فارغ ہوئے تو اپنے مہمان کے پاس آکر بیٹھے اور کھانے میں کسی طرح کا تکلف روا نہ رکھا وہی عام اور سادہ غذا جو معمول کے مطابق انکے گھر پکا کرتی تھی، وہی غذا مہمان کو کھلاتے رہے۔ شیخ سعدی تین ماہ انکے مہمان رہے اور جب حکیم نے محسوس کیا کہ شیخ واپسی کا ارادہ کر رہے ہیں تو انہوں نے خوب خاطر مدرات کی اور دوستوں سے کہا کہ شیخ واپس جانا چاہتے ہیں لہٰذا آپ بھی انکی مہمان نوازی کریں پورا ایک مہینہ شیخ سعدی کو دعوتیں ملتی رہیں۔ جب شیخ روانہ ہونے لگے تو حکیم نزاری نے کہا مہمان نوازی کی شرط یہ ہے کہ تکلف سے خالی ہو تا کہ مہمان چند دن اپنے میزبان کے پاس ٹھہر سکے۔ (تاریخ قہستان)

مہمان نوازی کا خرچ ولی العصر (عج) نے دیا

بحرین کے چند شیعوں نے ایک دوسرے سے معاہدہ کیا کہ وہ ایک دوسرے کی مہمانی کریں گے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ایک مفلس شیعہ کی باری آئی۔ اس بے چارے کے پاس مہمانی کے اخراجات نہ تھے، بہت پریشان ہوا۔ اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لئے صحرا کا رخ کیا۔ اسی اثنا میں ایک شخصیت نمودار ہوئی اور اس نے کہا کہ شہر میں فلاں تاجر کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اس نے جن بارہ اشرفیوں کی ہمارے لئے نذر کی تھی وہ دے دو۔ اس سے رقم لے کر دوستوں کی مہمانی کرو۔

اس نے پوچھا کہ اگر تاجر پوچھے کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ تو فرمایا: تم کہنا کہ مجھے محمد بن حسن بن علی نے بھیجا ہے۔

وہ شخص تاجر کے پاس گیا اور پیغام دیا۔ تاجر نے کہا: یہ الفاظ محمد بن حسن نے خود تم سے کہے تھے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔ تاجر نے کہا: تم انہیں پہچانتے ہو کہ وہ کون تھے؟ خدا وہی امام صاحب الزمان تھے۔ میں نے بارہ اشرفی ان کی نذر کے لئے رکھی تھیں۔ آپ چھ اشرفیاں لے لیں اور باقی چھ اشرفیاں مجھے دیں میں ان کو اپنے پاس بطور تبرک رکھوں گا اور ان کے بدلے میں تمہیں اور رقم دوں گا۔

اس طرح سے امام صاحب الزمان نے مہمان نوازی کا خرچ اپنی طرف سے ادا کیا۔ (النجم الثاقب۔ ص ۳۰۶)

بادیہ نشین کیسے مہمانی کرتے ہیں؟

نوری مرحوم دار السلام کی جلد دوم میں رقم طراز ہیں کہ بصرہ شہر میں ایک عیسائی تاجر رہتا تھا اس کا کاروبار خوب جما ہوا تھا۔ اس کی تجارت نے اس قدر ترقی کی کہ اس کیلئے بصرہ شہر چھوٹا پڑنے لگا۔ بغداد کے تاجروں سے اسکی دوستی تھی۔ انہوں

نے اسے مشورہ دیا کہ بصرہ نسبتاً چھوٹا شہر ہے وہاں تمہاری تجارت کچھ زیادہ فروغ نہیں پائے گی۔ تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم بغداد آجاؤ اور یہاں کاروبار شروع کرو۔

تاجر نے لوگوں سے جو کچھ لینا تھا۔ سب وصول کیا، اپنا تمام سامان فروخت کیا اور دیناروں کی بوریاں بھر کر بغداد کی طرف روانہ ہوا۔

راستے میں ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کر دیا اور باقی مسافروں کے ساتھ اس کا بھی تمام سامان لوٹ لیا۔ یوں وہ تاجر نانِ شبینہ کا محتاج ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ اب بصرہ واپس جانا بے سود ہے اور بغداد جانا باعثِ ندامت ہے۔ پوری زندگی کا وہی سرمایہ تھا جو ڈاکو لوٹ کر لے گئے۔ یہ سوچ کر قافلہ سے علیحدہ ہو گیا اور صحرائی عربوں کا مہمان جا بنا۔

صحرائی عربوں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے خیموں کے قریب ایک بڑا خیمہ مہمانوں کے لئے لگاتے ہیں اور جب کبھی ان کے ہاں مہمان آجائے تو اسے اس خیمہ میں ٹھہراتے ہیں۔

بہر نوع عیسائی تاجر مختلف قبیلوں کے ہاں مہمان رہا۔ آخر میں وہ ایک قبیلہ کے پاس جا کر مہمان ہوا۔ اس قبیلہ والوں نے اسے بڑی پیار و محبت دی چند دن رہنے کے بعد وہ کچھ افسردہ سا ہو گیا۔ قبیلہ کے نوجوانوں نے اس سے افسردگی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: میں آپ لوگوں پر خواہ مخواہ بوجھ بنا ہوا ہوں لیکن آپ لوگوں کی محبت کو دیکھ کر کسی اور جگہ بھی جانا نہیں چاہتا۔ جوانوں نے کہا کہ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے ہاں آنے والے مہمان کا خرچ فردِ واحد کو برداشت نہیں کرنا پڑتا۔ ہم سال کے آغاز میں ایک رقم مہمانوں کیلئے مخصوص کر دیتے ہیں اور وہ رقم قبیلہ کے سردار کے پاس جمع ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ کے یہاں رہنے سے ہمارے اخراجات میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا اور آپ کے جانے سے ہمیں

کسی طرح کی چھت نہیں ہوگی۔ لہٰذا آپ آرام سے ہمارے ہاں رہ سکتے ہیں۔

چند دن گزرے کہ ماہِ محرم کا چاند نظر آگیا اور اطراف کے خیمہ نشین پیادہ پا اس قبیلہ کے پاس آئے پھر اس قبیلہ نے اپنے خیمے اکھاڑے اور مراسمِ عزاداری کے لئے روانہ ہوگئے، یہ لٹاپٹا تاجر بھی ان کے ساتھ تھا۔ پہلے پہل وہ لوگ نجف اشرف آئے اور امیر المؤمنین علیہ السلام کو ان کی اولاد کا پرسہ دیا۔ پھر نجف اشرف سے کربلا معلّٰی آئے اور شبِ عاشور روضہ امام حسین علیہ السلام میں داخل ہوئے۔

قبیلہ والوں نے اپنی جوتیاں اور دیگر سامان اس عیسائی مہمان کے حوالہ کیا اور کہا کہ تم ہمارے سامان کا خیال رکھنا ہم آج رات حرم امام حسین علیہ السلام میں بسر کریں گے اور کل ظہر کے بعد ہم یہ سامان تم سے واپس لیں گے۔

عیسائی تاجر امام مظلوم کے صحن کے ایک کونے میں سامان کی حفاظت کیلئے بیٹھ گیا تھکا ہوا تھا اسے نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ حرم مطہر سے امام حسین علیہ السلام باہر تشریف لائے اور ان کے ساتھ دو جوان تھے۔ آپ نے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ ہاتھ میں قلم دوات اور کاغذ لیں اور ہمارے تمام زائرین کے نام درج کریں۔ جوانوں نے تمام زائرین کے نام لکھ کر امام مظلوم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کئے آپ نے زائرین کی فہرست دیکھ کر فرمایا کہ نہیں ابھی کچھ زائرین کے نام لکھنے سے رہ گئے ہیں۔ جاؤ پھر اچھی طرح سے ہمارے زائرین کے نام لکھ کر لاؤ کسی زائر کا نام لکھنے سے رہ نہ جائے۔ دونوں جوان امام علیہ السلام کا حکم مان کر بڑی توجہ سے زائرین کے نام لکھنے لگے اور آخر میں انہوں نے زائرین کی فہرست امام عالی مقام کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے فہرست دیکھ کر فرمایا کہ اب بھی کچھ زائرین کے نام لکھنے سے رہ گئے ہیں۔ یہ سن کر جوانوں نے عرض کی مولا! ہم نے تمام زائرین کے نام لکھے ہیں مگر ہم نے اس شخص کا نام نہیں لکھا کیونکہ یہ عیسائی ہے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: سچ ہے کہ یہ عیسائی ہے لیکن یہ تو دیکھو کہ یہ ہمارا مہمان ہے۔ اس کا نام بھی زائرین کی فہرست میں لکھو کیونکہ یہ بھی تو ہمارے صحن میں آگیا ہے۔

جیسے ہی عیسائی خواب سے بیدار ہوا بے ساختہ رونے لگا اور اسی وقت مسلمان ہوگیا۔

سلمان فارسیؓ کی مہمان نوازی

سید محمد باقر قزوینی عراق کے عارف باللہ علماء میں سے تھے۔ آپ صاحب کرامات تھے۔ ہمیں اس کتاب میں ان کی کرامات لکھنا مقصود نہیں بس ان کی ایک دو کرامات ہی ہم اپنے قارئین کی نظر کرتے ہیں۔

سید مہدی قزوینی کہتے ہیں ہم سید باقر قزوینی کے ساتھ تھے پہلے ہم نے کربلا معلّٰی میں امام مظلوم کی زیارت کی پھر وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر نجف اشرف کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں برق وباراں کا طوفان شروع ہوا۔ کشتی تنکے کی طرح دریا میں ہچکولے کھانے لگی۔ ہم سب پریشان تھے۔ ہمارے قافلے میں ایک کمزور دل شخص بھی تھا جو سب سے زیادہ پریشان تھا۔ وہ کشتی میں کبھی دائیں گرتا اور کبھی بائیں گرتا اور کبھی ابر بہار کی طرح اشک برساتا اور امیر المؤمنین کی مدح پر مبنی اشعار کہتا۔

جب سید محمد باقرؒ نے اس شخص کی حد سے بڑھی ہوئی بے چینی دیکھی تو فرمایا: بندۂ خدا تو اتنا مضطرب کیوں ہے۔ ہوا اور بادل سب حکم خدا کے محتاج ہیں۔ تجھے اس وجہ سے بالکل گھبرانا نہیں چاہئے۔ پھر آپ نے اپنی عبا کو سمیٹ کر ہوا کی جانب اشارہ کرکے کہا: حکم خدا سے رک جا۔ چند لمحات کے بعد ہوا تھم گئی اور اتنی تھمی کہ ہماری کشتی حرکت نہ کرسکتی تھی۔

سید مرتضٰی نجفی کو سید باقر قزوینی سے بڑی ارادت تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ

میں کاظمین میں تھا کہ مجھے خبر ملی کہ سید باقر امام ہشتم علیہ السلام کی زیارت کر کے واپس آئے ہیں میں ان سے ملنے کیلئے گیا۔ تو انہوں نے مجھے کہا کہ حضرت سلمان فارسی کی زیارت کے لئے کل مدائن جانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا کل آپ تین گھوڑے کرایہ پر حاصل کریں ایک میرے لئے اور ایک سید صالح کے لئے اور ایک گھوڑا تمہارے لئے ہونا چاہئے۔ اور کل فلاں مقام پر آپ آجائیں میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔

پھر دوسرے دن میں اس مقام پر گیا تو سید باقر گھوڑے پر بیٹھے اور ہم بھی اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوئے۔ اور مجھے یہ دیکھ کر تشویش ہوئی کہ ان کے پاس خورد و نوش کا کوئی سامان نہیں ہے اور مدائن میں رات گزارنے کے لئے کوئی شمع وغیرہ بھی ان کے پاس نہیں ہے۔ میں دل میں شرمندہ ہوا کہ سید صاحب نے اپنے ذہن کے مطابق ان اشیاء کی فراہمی میرے ذمے لگائی ہوگی مگر چونکہ زبان سے مجھے ان اشیاء کا حکم نہیں دیا تھا لہٰذا میں بھی کوئی چیز اپنے ہمراہ نہیں لایا تھا۔ الغرض ہم مدائن پہنچ گئے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی، مقبرہ کے ساتھ متصل ایوان میں ہم بیٹھ گئے اور سید نے کہا چراغ کہاں ہے؟

میں نے معذرت آمیز لہجہ میں کہا کہ میں چراغ لانا بھول گیا تھا۔ سید نے پھر پوچھا تمہارے پاس قہوہ ہے۔ میں نے پھر معذرت کی کہ میں کچھ بھی ساتھ نہیں لایا۔ یہ سن کر انہوں نے کہا اچھا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سید نے قبر سلمان کی طرف منہ کر کے کہا: سلمان آپ کریم اور سخی خاندان کے خادم ہیں اور میں بھی اسی خاندان کی اولاد ہوں۔ میں امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں جاکر شکایت کروں گا کہ ہم سلمان کے مہمان بنے تھے اور اس نے ہماری خاطر تواضع نہیں کی تھی۔

چند لمحات گزرے کہ دربار سلمان کا ایک خادم ایک شمع دان لے کر آیا اور اس کے ساتھ پانچ چھ موم بتیاں بھی تھیں۔ اور کہا کہ یہ شمع دان ایک مؤمن نے

زائرین کے لئے روانہ کیا ہے اور آپ سے زیادہ اور کوئی اس کا مستحق نہیں ہے۔ لہٰذا یہ لیجئے اور کمرے میں جلا لیجئے۔

میں نے شمع دان کو روشن کیا۔ پھر سید نے کہا سلمان! تمہاری مہمانی میں دیر ہو رہی ہے مجھے قہوہ کی ضرورت ہے۔ اتنے میں ایک شخص اندر داخل ہوا اور سید کو پہچان لیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو عجیب داستان سنانا چاہتا ہوں۔

سید نے کہا: داستان سے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس قہوہ بھی ہے یا نہیں ہے؟

اس نے ایک بڑی سی تھیلی سید کے سامنے رکھی اور کہا: اس تھیلی میں قہوہ، شکر اور کھانے کے لئے نان موجود ہیں۔

ہم نے قہوہ تیار کیا اور بصری نان کھائے تو اس شخص نے بتایا کہ میں ایک ملاح ہوں اور ہمیشہ بصرہ سے سامان تجارت بغداد پہنچاتا رہتا ہوں۔ آج رات میری کشتی دریا کی لہروں پر رواں دواں تھی اور موافق ہوا چل رہی تھی۔ لیکن جیسے ہی میری کشتی مزار سلمان کے سامنے پہنچی تو رک گئی۔ ہم نے اسے چلانے کیلئے بہت جتن کئے لیکن میری کشتی کسی طرح سے بھی چلنے میں نہ آئی۔

مجھے ایسے محسوس ہوا جیسا کہ کوئی کہہ رہا ہو کہ بدنصیب تجھے سلمان کی زیارت کئے ہوئے ایک عرصہ گزرا ہے۔ لہٰذا کشتی یہاں پر رکی رہے گی تم جاکر آج کی رات سلمان کی زیارت کرو اور پھر فجر کے وقت کشتی پر سوار ہو جاؤ۔

اب میری کشتی مزار سلمان کی سامنے رکی ہوئی ہے اور میں یہاں زیارت کیلئے آیا ہوں بہر نوع رات گزری۔ صبح میں اس ملاح کے ساتھ اسکی کشتی تک گیا اور جیسے ہی کشتی والوں نے لنگر اٹھایا کشتی بغداد کی طرف چل پڑی۔ (دارالسلام۔ ج ۲۔ ص ۲۰۰)

افضل کون؟ مہمان یا میزبان

ثقۃ الاسلام کلینی الکافی میں لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے حسین بن نعیم سے دریافت فرمایا: اپنے دینی بھائیوں سے محبت رکھتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: تنگ دست مؤمنین کی مدد کرتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: ان سے محبت رکھنی ضروری ہے۔

بعد ازاں آپؑ نے فرمایا: تو کیا کبھی غریب و مسکین مؤمنین کو اپنے گھر بلا کر کھانا کھلاتے ہو؟

اس نے کہا: جی ہاں۔ میں اکیلا کھانا کھانے کا عادی ہی نہیں۔ میں ہمیشہ دو تین مومنوں کو ساتھ ملا کر کھانا کھاتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: آگاہ رہو انہیں تم پر فضیلت حاصل ہے۔

حسین بن نعیم نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان میں ان کو دعوت دیتا ہوں۔ اور کھانا کھلاتا ہوں پھر بھی انہیں مجھ پر فضیلت حاصل ہے؟

آپ نے فرمایا: جی ہاں جب مومن تمہارے گھر داخل ہوتے ہیں تو تمہاری مغفرت لے کر آتے ہیں اور جب تمہارے گھر سے روانہ ہوتے ہیں تو تمہارے اور تمہارے خاندان کے گناہ لے کر رخصت ہوتے ہیں۔ (کلمہ طیبہ۔ ص ۲۴۵)

مہمان نوازی سے نہ کترائیں

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے تھے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح و شام بخل سے پناہ مانگا کرتے تھے اور ہم بھی آپؐ کی اس سنت پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ومن یوق شح نفسہ فاولئك هم المفلحون" جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچالے جائیں تو وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

تمہیں علم ہونا چاہئے کہ قوم لوط کی بدبختی کی اصل بنیاد بخل تھی کیونکہ یہ

قوم ایک شاہراہ کے کنارے آباد تھی۔ لوگوں کے کاروان وہاں سے گزرا کرتے تھے اور ان سے کھانا مانگتے تھے۔ یہ لوگ اپنے بخل کی وجہ سے مہمان نوازی سے تنگ آگئے۔ مہمانوں سے جان چھڑانے کیلئے ان بدبختوں نے لواطت کے فعل قبیح کو رواج دیا آہستہ آہستہ اس کی خبر تمام شہروں میں پھیل گئی کہ قوم لوط مسافروں سے بدفعلی کرتی ہے۔ یہ سن کر مسافروں نے ان کے ہاں آنا چھوڑ دیا۔

اگرچہ اس عمل بد کی ابتداء انہوں نے مہمانوں سے جان چھڑانے کیلئے کی تھی مگر اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے عورتوں کی طرف سے منہ موڑ لیا چنانچہ دور دراز سے خوبصورت لڑکوں کو پیسے دے کر اپنے شہر میں لایا کرتے تھے اور ان سے بدفعلی کیا کرتے تھے۔

راوی نے امام سے دریافت کیا: تو کیا تمام اہل شہر اس لعنت میں مبتلا تھے؟

آپؑ نے فرمایا: لوط علیہ السلام کے خاندان کے علاوہ پورا شہر اس لعنت میں مبتلا تھا۔

لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے اور اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سارہ کے بھائی تھے۔ آپؑ سخی اور مہمان نواز شخص تھے۔ آپؑ کی قوم آپؑ کو مہمان نوازی سے منع کرتی تھی، آپ نے مسلسل تیس سال تک اس بدکار قوم کو تبلیغ فرمائی لیکن نتیجہ کچھ بھی برآمد نہ ہوا جب کبھی حضرت لوط کے ہاں کوئی مہمان آتا تو آپؑ مہمان کو قوم سے مخفی رکھتے تاکہ مہمان کو رسوائی سے بچایا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بدکار قوم کو برباد کرنے کا ارادہ فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام اپنے ساتھ چند فرشتوں کو لے کر خوبصورت لڑکوں کی شکل میں شام کے وقت لوط علیہ السلام کے پاس آئے۔ اس وقت آپ اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے۔

فرشتوں نے ان سے درخواست کی کہ آج رات ہمیں اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دیں ہم آپ کے مہمان ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: بہتر ہے تم یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ اس شہر کے لوگ انتہائی بدکار ہیں مہمانوں کو رسوا کرتے ہیں اور ان کا مال بھی چھین لیتے ہیں۔

فرشتوں نے کہا: اب کافی وقت گزر گیا ہے اس وقت ہم کہیں جانے کے قابل نہیں ہیں، لہٰذا آج ہمیں اپنا مہمان بنالیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا: آج ہمارے ہاں کچھ مہمان آئے ہیں۔ میری تم سے یہی خواہش ہے کہ لوگوں کو ان کے آنے کی اطلاع نہ دینا اگر تم نے میرے کہنے پر عمل کیا تو میں تمہاری سابقہ غلطیاں معاف کردوں گا۔

ان کی بیوی بدسیرت اور پلید تھی۔ قوم لوط نے ایک دوسرے کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کرنے کیلئے آگ جلانے کا اشارہ مقرر کیا ہوا تھا۔

گھر میں جیسے ہی مہمان وارد ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے گھر کی چھت پر آگ جلادی اور اس طریقہ سے بدکار قوم کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کیا۔ آگ کے شعلے دیکھ کر چاروں طرف سے بدکار لوگ لوطؑ کے مکان پر اُمڈ پڑے، انکے گھر کو محاصرہ میں لے لیا اور حضرت لوط سے کہا کہ وہ مہمان انکے حوالے کردیں۔

جناب لوط علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرے مہمان ہیں مجھے رسوا نہ کرو۔
بدکار قوم نے کہا: ہم آپ کو پہلے ہی روک چکے تھے کہ آپ اپنے ہاں مہمان مت ٹھہرائیں تو اس ممانعت کے باوجود آپ نے مہمان اپنے پاس کیوں ٹھہرائے۔

جب بدکار قوم کا شور و غوغا زیادہ بڑھا اور کھڑکی توڑ کر لوط کے گھر میں آنے لگے تو جناب جبرئیلؑ نے اشارہ کیا۔ سب کے سب اندھے ہوگئے آخرکار دیواروں کا سہارا لیتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

جبرئیلؑ نے حضرت لوطؑ سے کہا: آپ اپنے خدان کو لے کر دور نکل جائیں

ہم صبح کے وقت اس شہر کو تباہ و برباد کردیں گے۔

جناب لوط علیہ السلام خاندان کو لیکر چلے گئے صبح ہوئی تو فرشتوں نے اس خطہ زمین کو الٹ دیا اور پھر آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ عذاب کی آواز سن کر لوطؑ کی بیوی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک پتھر اسے آلگا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگئی۔

چند روایات

قال النبیؐ اذا اراده الله بقول خیراً اهدی الیهم هدیة قالوا وما تلك الهدیة قال الضیف ینزل برزقه ویر تحل بذنوب اهل البیت.

(بحار الانوار۔ ج ۱۵۔ ص ۲۴۱)

جب اللہ کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو ان کی طرف ہدیہ روانہ کرتا ہے۔
لوگوں نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! وہ کون سا ہدیہ ہے جو اللہ عطا کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: مہمان ہدیہ خداوندی ہے۔ جب مہمان آتا ہے تو اپنا رزق ساتھ لے کر آتا ہے اور جب جاتا ہے تو گھروالوں کے گناہ ساتھ لے کر جاتا ہے۔

عن امیر المؤمنینؑ قال مامن مؤمن یحب الضیف الاویقوم من قبره ووجهه کالقمر لیلة البدر فینظر اهل الجمع فیقولون ماهذا الا نبی مرسل فیقول ملك هذا مؤمن یحب الضیف ویکرم الضیف ولا سبیل له الا ان یدخل الجنة.

(بحار الانوار۔ ج ۱۵۔ ص ۲۴۲)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: جو بھی مؤمن مہمان سے محبت رکھتا ہو تو قیامت کے روز جب وہ اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند دمک رہا ہوگا۔ اہل محشر کہیں گے یہ کوئی نبی مرسل ہے۔ اس وقت ایک فرشتہ کہے گا: یہ نبی نہیں ایک مؤمن ہے جسے مہمانوں سے محبت تھی اور یہ مہمانوں

کی عزت کیا کرتا تھا اور آج یہ جنت کے علاوہ اور کہیں نہیں جائے گا۔

عن الرضاؑ عن ابائه قال دعارجل امير المؤمنين فقال له قداجبتك على ان تضمن لى ثلاث خصال قال وما هن يا امير المؤمنين قال لا تدخل علَى شيئا من خارج ولا تدخر عنى شيئا فى البيت ولا تجحف بالعيال قال ذلك لك فاجابه امير المؤمنين عليه السلام و عن ابى عبداللهؑ اذا اتاك اخوك فأته بما عندك و اذا دعوة فتكلف له.

(بحار الانوار۔ ج ۱۵۔ ص ۲۴۰)

امام رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت کی کہ ایک شخص نے امیر المؤمنین علیہ السلام کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا: اگر تم مجھے تین باتوں کی ضمانت دو تو میں تمہاری دعوت قبول کروں گا۔

اس نے دریافت کیا: امیر المؤمنین آپ کی تین شرطیں کونسی ہیں؟

آپ نے فرمایا: مجھ سے وعدہ کرو کہ میرے لئے گھر سے باہر کی کوئی چیز نہ لاؤ گے۔ اور گھر کی چیز مجھ سے نہ چھپاؤ گے اور اپنے خاندان کو بھی میری وجہ سے کم خوراک نہ دو گے۔

اس نے کہا: مولا! مجھے آپ کی تینوں شرائط منظور ہیں۔ پھر آپ نے اس کی دعوت قبول فرمائی۔

امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: جب تمہارا بھائی تمہارے ہاں آجائے تو گھر میں جو کچھ بھی پکا ہوا ہے اس کے سامنے رکھو اور اگر تم کسی کو دعوت دو تو پھر اس کے لئے تکلف کرو۔

عن صفوان قال جاء نى عبدالله بن سنان قال هل عندك شئ قلت نعم فبعثت ابنى و اعطيته .رهما يشترى به لحماً وبيضا فقال اين ارسلت ابنك فخبرته

فقال رده رده عندك خل، عندك زيت؟ قلت نعم قال فهاته فانى سمعت ابا عبداللهؑ يقول هلك لا مرى احتقر لاخيه ماحضر، هلك لامرى احتقر من اخيه ما قدم اليه.

(سفینۃ البحار۔ ج ۲۔ ص ۷۶)

صفوان کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سنان میرے پاس آئے اور کہا: گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے۔ میں نے کہا: جی ہاں۔ میں نے اپنے بیٹے کو درہم دیا کہ بازار سے گوشت اور انڈے لے کر آئے۔

عبداللہ بن سنان نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے بیٹے کو کہاں بھیجا؟

میں نے بتایا کہ میں نے انڈے اور گوشت لینے کے لئے اسے بازار بھیجا ہے۔

اس نے کہا: اسے واپس بلاؤ میں نے بیٹے کو واپس بلایا تو انہوں نے کہا کہ تمہارے گھر سرکہ اور روغن زیتون نہیں ہے؟

میں نے کہا: موجود ہے۔ کہا: پھر وہی لاؤ۔ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا آپ نے فرمایا: اس شخص کے لئے ہلاکت ہے، جو گھر میں موجود چیز کو اپنے بھائی کے لئے کم تصور کرے اور اس شخص کیلئے بھی ہلاکت ہے جو بھائی کی لائی ہوئی چیز کو حقیر سمجھے۔

عن الصادق عن ابائهؑ اذا دخل احدكم على اخيه فى رحله فيقعد حيث يامر صاحب الرحل فان صاحب الرحل اعرف بعورة بيته من الداخل عليه.

(سفینۃ البحار، ج ۲۔ ص ۷۶)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے گھر جائے تو جہاں گھر کا مالک بٹھائے وہیں بیٹھے کیونکہ گھر کا مالک نووارد سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے گھر کی پردہ داری کیسے قائم رہ سکتی ہے۔

باب چہارم

عفو و درگزر

بنی ہاشم اور بنی امیہ کا فرق

شیخ نصر الدین مجلی معتمدینِ اہل سنت میں شمار ہوتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات سویا تو خواب میں امیر المؤمنین علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے عرض کی: مولا! آپ کتنے رحیم و کریم تھے کہ آپ نے فتح مکہ کے وقت لوگوں کو عام معافی دے دی اور آپ نے یہاں تک اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں بھی داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ لیکن ابو سفیان کی نسل کتنی بے حیا تھی کہ انہوں نے روز عاشور کربلا میں آپ کے خاندان پر رحم نہ کیا۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: تم نے اس سلسلہ میں ابن صیفی کے اشعار سنے ہیں؟

میں نے عرض کی: نہیں میں نے نہیں سنے۔ آپ نے فرمایا: اس کے پاس جاکر اشعار سنو۔

میں خواب سے بیدار ہو کر ابن صیفی کے گھر کی طرف چل پڑا۔ اور میں نے اسے اپنا خواب سنایا اور مذکورہ شعر سننے کی خواہش ظاہر کی۔

ابن صیفی یہ سن کر زار و قطار رونے لگا اور قسم کھا کر کہا کہ خدا کی قسم میں نے یہ اشعار ابھی تک کسی کو نہیں سنائے۔ میں نے یہ اشعار آج ہی لکھے ہیں، پھر اس

نے مجھے اپنے یہ اشعار سنائے ؎

ملکنا فکان العفومنا سجیة
فلما ملکتم سال بالدم ابطح
حللتم قتل الاساری وطال ما
غدونا علی اسری نعف و نصفح
فحسبکم ھذا التفاوت بیننا
وکل اناء بالذی فیه ینفح

(خلاصہ اشعار)

جب ہم حاکم تھے تو عفو و درگزر ہماری عادت تھی اور جب تم حاکم بنے تو تم نے خون ناحق کا سیلاب بہادیا۔

تم نے قیدیوں کو قتل کرنا بھی جائز قرار دیا جبکہ ہم ہمیشہ قیدیوں سے درگزر کرتے رہے۔

یہی ہم بنی ہاشم اور تم بنی امیہ میں فرق ہے اور یہ فرق کیوں نہ ہوتا کیونکہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ (دارالسلام جلد اول۔ ص ۳۱۵۔ نقل از ابن خلکان)

پیغمبر اسلام کا ایک دشمن سے درگزر

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ محارب و بنی انمار کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔

رسولؐ خدا قضائے حاجت کی غرض سے لشکر سے کافی دور نکل گئے اور اس دوران بہت تیز بارش ہوئی اور پہاڑی نالہ زور شور سے بہنے لگا۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی دیر کیلئے رک گئے کیونکہ وہ

پہاڑی نالہ کی اس جانب تھے اور آپؐ کا لشکر دوسری جانب تھا۔ اسی اثنا میں ایک کافر حویرث بن حارث محارثی نے آپؐ کو دیکھ لیا اور اپنے دوستوں سے کہنے لگا: یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے اور اس وقت اپنے دوستوں سے کٹ چکا ہے مجھے خدا مارے اگر میں نے اسے آج قتل نہ کیا۔

چنانچہ وہ تلوار لے کر آپؐ کے سامنے آیا اور تلوار ہوا میں لہرا کر کہا کہ محمد! بتاؤ آج میرے ہاتھ سے تمہیں کون بچائے گا؟

آپؐ نے بڑے سکون و اطمینان سے فرمایا: مجھے اللہ بچائے گا۔ آپ نے زیر لب دعا مانگی خدایا مجھے حویرث بن حارث کے شر سے محفوظ رکھ۔

دشمن نے جیسے ہی آپؐ پر وار کرنا چاہا ایک فرشتہ نے اسے پر مارا اور وہ پشت کے بل زمین پر آن گرا اور اس کی تلوار چھوٹ کر رحمۃ للعالمین کے سامنے آگری۔

آپؐ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: مجھے بتاؤ اس وقت میرے ہاتھ سے تمہیں کون بچائے گا؟

کافر نے کہا: کوئی بچانے والا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کلمہ پڑھو تاکہ میں تمہیں تمہاری تلوار واپس کردوں۔

اس نے کہا: میں کلمہ نہیں پڑھتا لیکن آپ سے ایک وعدہ کرتا ہوں کہ میں آئندہ آپ اور آپ کے پیروکاروں سے جنگ نہیں کروں گا اور نہ ہی جنگ میں آپ کے دشمنوں کی مدد کروں گا۔

آپ نے اسے تلوار واپس کردی تو اس نے کہا: خدا کی قسم آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ کچھ دیر بعد پہاڑی نالہ کا پانی کم ہوا تو آپ اپنے لشکر سے آکر ملے اور انہیں تمام واقعہ کی خبر سنائی۔

فتح مکہ پر آپؐ کا درگزر

فتح مکہ کے موقعہ پر جب اسلامی افواج مکہ میں داخل ہوئیں تو اس وقت پرچم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے الیوم یوم الملحمہ۔ الیوم تبسی الحرمہ۔ اذل اللہ قریشا۔ آج سخت جنگ کا دن ہے آج مکہ والوں کی گرفتاری کا دن ہے، اللہ نے قریش کو ذلیل کیا۔

حضرت سعد کے رجز سن کر ابوسفیان، رحمتہ للعالمین کے پاس آیا اور کہا: کیا آپؐ نے اپنی قوم کو قتل کرنے کا حکم جاری کردیا ہے؟ اگر آپ یہ ارادہ رکھتے ہیں تو خدارا اس ارادہ سے باز آئیں کیونکہ آپ سب سے بڑے رحم دل انسان ہیں۔

آپؐ اس وقت صحابہ کے مجمع میں بیٹھے تھے آپؐ نے کھڑے ہو کر فرمایا: الیوم یوم المرحمہ "آج رحم وکرم کا دن ہے۔" آپ نے سعد سے پرچم لے کر حضرت علیؑ کے حوالہ کیا اور فرمایا: علیؑ! تم پرچم لے کر اعلان کرو کہ آج رحم وکرم کا دن ہے۔

پھر آپ نے چند اصحاب سے فرمایا کہ وہ اٹھ کر پورے مکہ میں اس امر کی منادی کریں کہ جو ہتھیار اتار لے اسے امان ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان ہے، حتیٰ کہ ابوسفیان کے گھر والوں کو بھی امان ہے۔

آپؐ نے صحابہ کے لشکر سے فرمایا: مکہ میں کسی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی تم سے جنگ کرے تو اس سے جنگ کرو۔

پھر چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ مکہ سے تاریکی شب میں نکلنے والا شخص دن کے وقت فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوا اور مسجد الحرام پہنچ کر کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر نہایت عجز وانکساری سے اپنے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: لاالہ الا اللہ وحدہ وحدہ انجز وعدہ و نصر عبدہ واعز جندہ وہزم الاحزاب وحدہ۔

اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ واحد ہے وہ واحد ہے۔ اسی نے اپنے بندہ کی مدد کی اور اپنے لشکر کو عزت دی اور اسی نے تنہا تمام لشکروں کو شکست دی کچھ دیر بعد آپکے تمام دشمن سر جھکائے آپ کے سامنے کھڑے کانپ رہے تھے۔ آج انہیں رہ رہ کر اپنے تمام ظلم یاد آرہے تھے مگر وہ سب بے بس ولاچار تھے اور آج اللہ کا نبی بااختیار تھا تمام اہل مکہ نگاہیں جھکائے اپنے مستقبل کے فیصلہ کے منتظر تھے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: اے قبیلہ قریش! بتاؤ آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

قریش کہنے لگے: ہم آپ سے بھلائی کی امید رکھتے ہیں، کیونکہ آپ اچھے بھائی ہیں اور کریم شخص کے فرزند ہیں۔

رسول خدا یہ سن کر رو دیئے اور فرمایا: آج میں تمہیں وہی الفاظ کہنے والا ہوں جو جناب یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہے تھے۔ "لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین" آج تمہیں کوئی سرزنش نہیں کی جائے گی اللہ تمہیں معاف کرے اور وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ لیکن یہ بھی سنو! تم بہت ہی برے ہمسائے تھے، تم نے مجھے جھٹلایا، مجھے شہر سے نکالا اور مجھے نکالنے پر ہی قناعت نہ کی بلکہ تم نے مجھ سے جنگیں کیں۔

پھر آپؐ نے تاریخی جملہ کہا: "اذھبوا فانتم الطلقاء" جاؤ تم سب ہمارے آزاد کردہ غلام ہو۔

آپؐ کی زبان سے ادا ہونے والا لفظ "طلقاء" ہمیشہ ان کی پیشانیوں پر ثبت ہو گیا۔ شام کے دربار میں یزید لعین نے اپنی فتح کی مستی میں چند طربیہ اشعار پڑھے تو جناب زینب کبریٰؑ نے اس لعین کو خطاب کرکے اسے اس کی اصل حیثیت یاد دلائی تھی اور حضرت سیدہؑ نے فرمایا: "امن العدل یابن الطلقاء تخدیرک امائك وحرائرك"

ہمارے آزاد کردہ غلاموں کی نسل! کیا یہی انصاف ہے کہ تیری کنیزیں تو

پردے میں رہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہو بیٹیوں کو بازاروں میں لایا جائے۔ (شجرۂ طوبیٰ۔ ص ۱۱۲)

علیؑ کا عفو و درگزر

حضرت علی علیہ السلام کے برسر اقتدار آتے ہی ام المؤمنین عائشہ نے آپؑ کی شدید مخالفت کی اور طلحہ و زبیر کے ساتھ مل کر آپؑ کے خلاف لشکر کشی کی۔ شہر بصرہ کو لوٹا اور آپ کے حامیوں کو قتل کیا۔ آخر کار حضرت علیؑ کو ان کے مقابلہ میں صف آراء ہونا پڑا۔

شدید جنگ ہوئی، فریقین میں سے ہزاروں انسان قتل ہوئے۔ آخر میں اللہ نے حق کو فتح دی۔ طلحہ میدان جنگ میں اپنے ہی ایک حامی مروان بن حکم کے تیر سے قتل ہوا اور زبیر میدان چھوڑ کر وادی سباع سے گزر رہا تھا کہ ایک شخص نے اسے قتل کر دیا۔ بی بی عائشہ کا ہودج گرا تو حضرت علیؑ نے ان کے بھائی محمد سے فرمایا: محمد تمہاری بہن گر رہی ہے جا کر اسے سہارا دو۔

آپؑ نے چند دن بی بی عائشہ کو بصرہ میں رکھا۔ پھر ان کی واپسی کیلئے باپردہ محمل تیار کرایا اور بنی عبدالقیس کی بیس جوان عورتوں کو مردوں کا لباس پہنا کر مسلح کر کے ان کی حفاظت کیلئے ان کے ساتھ کیا اور باعزت طور پر انہیں مدینہ پہنچایا۔

جب بی بی عائشہ اپنے گھر میں پہنچ گئیں تو اپنے بھائی محمد سے شکایت کی کہ علی نے اچھا نہیں کیا۔ بیس جوان سپاہی میری محمل کے ساتھ کر دیئے۔

یہ سن کر محمد گھر سے باہر نکل آئے اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اندر داخل ہو کر انہیں اپنی اصل حقیقت سے باخبر کریں۔

سپاہی اندر داخل ہوئے اور سر سے عمامے اتار کر کہا: ام المؤمنین علیؑ کا شکوہ نہ کرنا علیؑ نے مردوں کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجا ہم تمام عورتیں ہیں۔ علیؑ نے

ہمیں مردانہ لباس پہنا کر آپ کی حفاظت کے لئے روانہ کیا تھا۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی)

علی کے کردار کی ایک اور جھلک

صفین میں معاویہ کے لشکر نے دریائے فرات کے گھاٹ پر قبضہ کر کے حضرت علیؑ کی فوج کو پانی لینے سے روک دیا اور کہنے لگے: تم عثمان کی طرح پیاسے رہو گے۔ آپؑ نے معاویہ کے پاس قاصد روانہ کئے کہ اپنے لشکر سے کہو کہ وہ گھاٹ کو کھلا چھوڑ دے، پانی پر تمام جانداروں کا حق ہے۔ مگر معاویہ اپنی ضد پر قائم رہا۔

حضرت علیؑ کی فوج سخت پیاسی ہوئی تو آپؑ نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ وہ گھاٹ آزاد کرائیں۔ مالک اشتر نے شدید جنگ کے بعد دریا پر قبضہ کر لیا اور شامی لشکر کو وہاں سے مار بھگایا۔ اب شامی لشکر پیاسا ہونے لگا ان کے سپاہی مشکیں لے کر آئے تو حضرت علیؑ کی فوج نے کہا کہ اب گھاٹ پر ہمارا قبضہ ہے ہم تمہیں پانی نہیں دیں گے۔ جب مولا علیؑ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؑ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ گھاٹ کا ایک کنارہ ان کیلئے خالی کر دیا جائے تاکہ دنیا دیکھ سکے کہ معاویہ کا کردار کیا تھا اور علیؑ کا کردار کیا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی)

امام حسینؑ لشکر حر کو پانی پلاتے ہیں

خاندان مصطفیٰ کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ ہمیشہ بھوکوں اور پیاسوں پر رحم کرتے تھے اور انہوں نے یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ ہم جسے کھانا کھلا رہے ہیں یا پانی پلا رہے ہیں وہ اپنا ہے یا بیگانہ، حلیف ہے یا حریف ہے۔ ہاں اگر ان کی نظر تھی تو فقط اس بات پر تھی کہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ وہ بھی جاندار ہے۔

مولا علیؑ نے میدان صفین میں پیاسا رکھنے والوں کو پیاسا نہیں رہنے دیا، اور

ان کے فرزند ارجمند کا کردار یہ ہے کہ مکہ سے کوفہ جا رہے تھے ایک مقام پر قیام کیا جہاں پانی بہ افراط موجود تھا۔ آپ نے بہت سے اونٹوں بروایتے دو سو اونٹوں پر پانی لدوایا۔ آپ کے ساتھی پانی کی اتنی بڑی مقدار کو نگاہ تعجب سے دیکھ رہے تھے کہ ہماری تعداد تو کم ہے لیکن آپ پانی زیادہ جمع کرا رہے ہیں۔ آپ کا قافلہ چلا، گرمی کی شدت تھی تاحد نظر ریت کے ٹیلوں کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اسی اثناء میں آپ کے ایک ساتھی حجاج بن مسروق نے زور سے تکبیر کہی۔ آپ نے اسے بلا کر فرمایا: اللہ واقعی سب سے بڑا ہے۔ لیکن اس وقت تمہیں تکبیر کہنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی؟ ساتھی نے عرض کی: فرزند رسول میں نے اپنے گھوڑے کی زین پر بیٹھ کر جو دور افق پر نگاہ کی تو مجھے سیاہ سیاہ سے دھبے نظر آئے میرا خیال ہے کہ صحرا ختم ہونے والا ہے اور نخلستان آنے والا ہے۔ اسی لئے میں نے تکبیر کہی۔

آپؑ نے فرمایا: یہاں کسی نخلستان کا وجود نہیں ہے میرا خیال ہے کہ دشمن کی فوج ہم سے لڑنے کیلئے آ رہی ہے۔ پھر آپؑ نے حضرت عباسؑ کو حکم دیا کہ قافلہ کا رخ ایسی طرف کیا جائے جہاں دشمن ہمیں چاروں طرف سے گھیر نہ سکے۔ حضرت عباسؑ نے ذوحسم پہاڑی کی طرف اپنے قافلہ کو موڑا اور دشمن کے آنے سے پہلے خیمے نصب کر دیئے اہل حرم خیام میں بیٹھ گئے۔

اتنے میں دشمن کی فوج جس کی قیادت حر بن یزید ریاحی کر رہے تھے پہنچ گئی حر کے لشکر کی تعداد دو ہزار تھی گرمی کی شدت سے ان کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے اور پیاس کی وجہ سے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ پورا لشکر پیاس کی وجہ سے مرنے کے قریب تھا۔ دنیا کا کوئی بھی جنگجو ہوتا تو اپنے لشکر کو حکم دیتا کہ ہمارا دشمن پیاسا ہے اس پر حملہ کر دو اگر بالفرض دنیا کا کوئی نہایت رحمدل بادشاہ ہوتا تو یہی کہتا کہ انہیں کچھ نہ کہو یہ کچھ دیر بعد خود ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائینگے مگر رحمۃ اللعالمین کا

نواسہ دشمن کو بھی پیاسا دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ آپؑ نے حکم دیا کہ حر کے لشکر کو پانی پلایا جائے۔ حسینؑ کے ساتھیوں نے پورے لشکر کو پانی پلایا۔ اسی لشکر کا ایک سپاہی علی بن طعان محاربی کہتا ہے کہ میں پیاس کی وجہ سے بے تاب ہو چکا تھا، اور میری آنکھوں کے سامنے دھواں سا چھایا ہوا تھا۔ جب ہماری سواریاں حسینؑ کے سامنے رکیں تو حسینؑ نے مجھے فرمایا: "انخ الراویۃ" اپنی اونٹنی بٹھاؤ۔ خدا کی قسم مجھے حسینؑ کے لب تو متحرک معلوم ہوتے تھے لیکن پیاس اتنی تھی کہ مجھے حسینؑ کی گفتگو سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ جب اسکی یہ حالت دیکھی تو امام نے خود ہی اسکے ناقہ کی مہار پکڑ کر اسے بٹھایا اور اسے سہارا دے کر ناقہ سے اتارا اور گھونٹ گھونٹ کر کے اس کے حلق میں پانی اتارا۔ جب تمام لشکر سیراب ہو گیا تو آپؑ نے فرمایا: انکے جانور پیاسے ہیں۔ چرمی حوض رکھے گئے اور ان میں پانی انڈیلا گیا آپؑ نے حکم دیا جب تک کوئی جانور تین مرتبہ خود منہ نہ اٹھالیں انہیں پانی سے نہ ہٹایا جائے۔

قارئین کرام! اس مقام پر تھوڑا سا رک جائیے اور ذرا کربلا پر نظر دوڑائیے آپ دیکھیں گے کہ حسینی خیام دریا کے کنارے سے اکھڑوا دیئے گئے۔ امام کے خیام میں پیاس ہے۔ امام علیہ السلام خود پیاسے ہیں، آپ کے جوان و نادان بچے اور مہمان سب کے سب پیاسے ہیں۔

آپ پوری کربلا کی تاریخ پڑھیں آپ یہ دیکھیں گے کہ امام علیہ السلام نے فوج یزید سے پانی مانگا مگر یہ کہہ کر مانگا کہ پانی پر ہر جان دار کا حق ہے، تمہیں پانی روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کربلا کی تاریخ میں آپ کو یہ جملہ ہرگز دکھائی نہیں دے گا کہ آپؑ نے فرمایا ہو کہ تمہیں شرم آنی چاہئے۔ کل ہم نے تمہیں پانی پلایا تھا، آج تم ہمیں پانی پلاؤ۔ آپؑ نے وقت شہادت تک فوج یزید کو اپنا احسان یاد دلا کر شرمندہ نہیں کیا۔ (محسن انسانیت)

عفوِ سلطانی کی وجہ

حکومت کے ایک باغی نے حکومت کی خوب مخالفت کی اور بادشاہ سے وابستہ کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ آخر کار ایک دن وہ اپنے پاؤں سے چل کر بادشاہ کے پاس آگیا۔ بادشاہ نے کہا: مجھے تعجب ہے کہ تجھ جیسا مجرم اپنے پاؤں سے چل کر یہاں کیسے آیا؟

اس نے کہا: بادشاہ میں نے سوچا کہ میرا جرم کتنا بھی زیادہ کیوں نہ ہو بادشاہ کی بخشش اس سے زیادہ ہے پس میں آپ کی ملوکانہ فیاضی کے پیش نظر بے دھڑک آپ کے پاس چلا آیا۔

بادشاہ اس کے الفاظ سے متاثر ہوا اور اسے معاف کر دیا۔ درباریوں نے بادشاہ سے عرض کی: آپ اتنے بڑے دشمن پر کامیاب ہوئے لیکن اس کے چند الفاظ سن کر آپ موم ہو گئے۔ اسے معاف کرنے کی بجائے اس سے انتقام لینا چاہئے تھا۔

بادشاہ نے کہا: اگر میں آج انتقام لیتا تو میرے دل کو ایک گونہ تسلی ملتی مگر میں نے معاف کر دیا ہے تو اس کے دل کو تسلی ملی ہے اور اس سے میری نیک نامی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ میں ایک دشمن کے عوض اپنی نیک نامی کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

بخشنے میں وہ لذت ہے جو انتقام میں نہیں ہے

(اخلاق محسنی)

امیر اسماعیل سامانی کا درگزر

ملوک سامانی میں امیر اسماعیل سامانی پہلا شخص ہے جس نے اس خاندان کی امارت کو مستحکم کیا۔ اس میں بلندی سیرت اور اخلاق عالیہ کے آثار نمایاں تھے۔

اس کے بڑے بھائی نصر سامانی نے اسے بخارا کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ اس نے اپنے حسنِ تدبر سے بہت جلد لوگوں کے دلوں کو فتح کیا اور اس کے ساتھ ساتھ حدودِ سلطنت میں بھی توسیع کی۔ حاسد درباریوں کو اس کی ترقی پسند نہ آئی اور انہوں نے دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ شروع کرادی۔

امیر نصر اپنے چھوٹے بھائی اسماعیل کی سرکوبی کے لئے سمرقند سے ایک بھاری لشکر لے کر آیا۔ دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی جس میں امیر نصر کی فوج کو شکست ہوئی۔ امیر نصر میدان جنگ سے فرار ہوگیا۔

اسماعیل سامانی کے کچھ فوجیوں نے اسے گرفتار کرلیا اور زنجیر پہنا کر اسماعیل کے پاس لائے۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ اسماعیل اپنے بڑے بھائی کو قتل کرادے گا۔ لیکن جیسے ہی اسماعیل نے بڑے بھائی کو دیکھا تو اس کی تعظیم کیلئے آگے بڑھا۔ اس کے قدموں کا بوسہ لیا پھر اس کی رانوں پر تعظیم سے دونوں ہاتھ رکھے اور بھائی کے ہاتھوں کو چومنے لگا۔

پہلے پہل تو نصر سامانی نے سمجھا کہ اسماعیل مذاق کر رہا ہے۔ لیکن اس کے عمل سے ثابت ہو رہا تھا کہ وہ بڑے بھائی سے مذاق ہرگز نہیں کر رہا۔

اسماعیل نے حکم دیا کہ میرے بھائی کا خیمہ میرے خیمہ کے روبرو لگایا جائے۔ کچھ دیر بعد اسماعیل اپنے بڑے بھائی کے خیمہ میں گیا اور دو زانو ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ بھائی جان اگر آپ کو غلام سے ناراضگی تھی تو مجھے اپنے پاس بلا لیتے یہ جنگ کرنے کی آپ کو کیا ضرورت تھی؟

امیر نصر نے اپنے بھائی سے معذرت طلب کی۔ پھر اسماعیل نے بڑے احترام سے اسے سمرقند روانہ کردیا اور جب ۲۷۹ھ میں امیر نصر کی وفات ہوئی تو اسماعیل پورے ماوراء النہر پر متمکن ہوگیا۔ (اخلاق روحی)

حضرت یوسفؑ کا بھائیوں سے حسنِ سلوک

جب حضرت یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر بنے تو قحط کے سال ان کے بھائی ان کا شہرہ سن کر گندم لینے کی غرض سے مصر آئے۔ اس سفر میں بن یامین ان کے ہمراہ نہ تھے۔ حضرت یوسف نے بھائیوں سے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ تمہارے دو اور بھائی بھی ہیں۔

انہوں نے کہا: جی ہاں ہمارے ایک بھائی کا نام یوسفؑ تھا اسے صحرا میں بھیڑیا کھا گیا تھا ایک اور بھائی گھر میں ہے اور وہ یوسف کا سگا بھائی ہے۔ اسی لئے ہمارے والد اسے اپنے سے جدا نہیں کرتے۔

جناب یوسفؑ نے انہیں غلہ دیا اور چپکے سے ملازمین کو حکم دیا کہ وہ ان کی رقم ان کی بوریوں میں ڈال دیں، پھر اپنے بھائیوں سے فرمایا: اگر تم دوبارہ آؤ تو اپنے بھائی بن یامین کو بھی ساتھ لے کر آؤ۔ اگر تم اسے لے کر نہ آئے تو میں تمہیں گندم نہیں دوں گا۔

برادرانِ یوسفؑ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ ان کے گوش گزار کیا اور بن یامین کی حفاظت کی قسمیں کھائیں۔

چند دنوں بعد سب بھائی بن یامین کو لے کر ملک مصر کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت یوسفؑ نے تمام بھائیوں کیلئے دسترخوان بچھوایا اور حکم دیا کہ اس دسترخوان پر مادری بھائی اکٹھے ہو کر بیٹھیں۔ تھوڑی دیر بعد سب بیٹھ گئے مگر بن یامین اکیلے رہ گئے۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: نوجوان تو کسی کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھا؟

بن یامین نے کہا کہ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ جن کی ماں ایک ہو وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھیں۔ ان کی مائیں ایک تھیں۔ لہٰذا وہ بیٹھ گئے اور میری ماں اور ہے لہٰذا میں ان کے ساتھ کیسے بیٹھتا؟

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: یہاں تمہارا کوئی مادری بھائی موجود نہیں ہے لہٰذا تم میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آؤ اور میرے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔

یوسفؑ اپنے ساتھ بن یامین کو دوسرے کمرے میں لے گئے اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں یوسفؑ کی بجائے تمہارا بھائی بن جاؤں۔

بن یامین نے کہا: آپ بہت ہی اچھے بھائی ہیں لیکن آپ یوسف کی جگہ نہیں لے سکتے کیونکہ آپ کا باپ یعقوبؑ نہیں اور ماں راحیل نہیں ہے۔ یوسف علیہ السلام مزید صبر نہ کر سکے اپنے بھائی کا منہ چوم کر فرمایا: غم نہ کرو میں ہی تمہارا گم گشتہ بھائی یوسفؑ ہوں لیکن بھائیوں کو اس کی اطلاع نہ دینا۔

پھر حضرت یوسفؑ نے چوری کے الزام میں اپنے بھائی بن یامین کو اپنے پاس روک لیا اور یوسفؑ کے دوسرے بھائی یہ خبر لے کر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے۔

جناب یعقوب علیہ السلام نے عزیز مصر کے نام خط تحریر کیا جس میں انہوں نے لکھا تھا: عزیز مصر! ہم ایسا خاندان ہیں کہ اللہ تعالیٰ تکلیف و نعمت کے ذریعہ سے ہمیشہ ہماری آزمائش کرتا رہا۔ بیس سال سے میں مسلسل مصائب میں مبتلا ہوں میرا ایک بیٹا یوسفؑ تھا جو کہ میرا میوۂ دل اور نور نظر تھا، جس کے چہرہ کو دیکھ کر میرے غم دور ہو جاتے تھے، وہ مجھ سے بچھڑ چکا ہے اور اس کی جدائی پر میں اتنا رویا ہوں کہ آنکھیں سفید ہو گئیں۔

یوسفؑ کے بعد اس کا بھائی بن یامین میرا سہارا تھا آپ نے اسے چوری کے الزام میں اپنے پاس روک لیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارا خاندان چوری نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آپ ہم پر مہربانی فرمائیں اور اسے بھائیوں کے ساتھ واپس روانہ فرمائیں اور ہمیں آسان نرخ پر گندم بھی عنایت فرمائیں۔

برادران یوسفؑ آپ کا خط لے کر یوسف علیہ السلام کے پاس آئے انہیں اپنے والد کا خط دیا۔ جناب یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کا خط پڑھا تو ضبط کے تمام بندھن ٹوٹنے لگے۔ دوسرے کمرے میں گئے اور کافی دیر تک روتے رہے پھر منہ دھو کر بھائیوں کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی سے کیا سلوک کیا تھا؟

بھائیوں نے بے ساختہ کہا: تو کیا تو یوسفؑ ہے؟

فرمایا: ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا اور جو بھی تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ بھائیوں نے یوسفؑ سے معافی طلب کی کہ آپؑ ہمیں معاف کر دیں ہم ہی خطاکار تھے۔

جناب یوسف علیہ السلام نے فرمایا: "لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین" آج تمہیں کوئی سرزنش نہیں کی جائے گی۔ اللہ تمہارے گناہ معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (سورۂ یوسف سے ماخوذ)

خدا کی بخشش کو بہانہ چاہیے

سید نعمت اللہ جزائری نوادر الاخبار میں لکھتے ہیں کہ برقی نے بعض اصحاب کی زبانی امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک ریاکار عابد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ فلاں عابد ریاکار ہے۔ چند دن بعد عابد کی وفات ہوئی۔ حضرت داؤد اس کے جنازہ میں شامل نہ ہوئے۔ اس کی تجہیز و تکفین کے وقت بنی اسرائیل کی ایک بڑی تعداد جمع ہوئی اور چالیس افراد نے خدا کے حضور یہ گواہی دی "اللھم انا لا نعلموا منہ الاخیرا وانت اعلم بہ منا"

خدایا ہم اس کی بھلائی کے علاوہ اس کے متعلق اور کچھ نہیں جانتے اور تو ہم

سے اس کو بہتر جانتا ہے۔

چالیس افراد کی گواہی کی وجہ سے اللہ نے اس کے گناہ معاف کر دیئے اور جب اسے دفن کیا گیا تو چالیس افراد نے پھر مذکورہ گواہی دی۔

خداوند کریم کی طرف سے داؤدؑ کو وحی ہوئی: تو نے فلاں عابد کے جنازہ مین شمولیت کیوں نہ کی؟

انہوں نے عرض کی: بارالہی! تو نے خود مجھے خبر دی تھی کہ وہ ریاکار ہے اسی لئے میں اس کے جنازہ میں شامل نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ درست ہے لیکن چالیس افراد نے اس کی نیکی کی گواہی دی، اسی لئے میں نے اسے معاف کردیا جب کہ میں اسکے باطن سے باخبر تھا۔

محدث بزرگوار سید نعمت اللہ جزائری لکھتے ہیں کہ شاید حضرت علامہ مجلسی نے بھی اسی حدیث کو مدنظر رکھ کر کفن پر چالیس مؤمنین کی گواہی کو مستحب قرار دیا ہے اور علامہ مجلسیؒ نے اپنی زندگی میں کفن پر چالیس مؤمنین کی گواہی لکھوائی تھی اور ان میں میں بھی شامل تھا۔

ایک دن علامہ مجلسیؒ اصفہان کی جامع مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر وعظ فرمایا وعظ کے آغاز میں انہوں نے اپنے عقائد بیان فرمائے، پھر انہوں نے کہا: لوگو! جو کچھ تم نے مجھ سے سنا یہی میرا عقیدہ ہے اور میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم نے جو کچھ سنا اس کی گواہی میرے کفن پر لکھ دو اور علامہ صاحب اس وقت کفن اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ لوگوں نے ان کے کفن پر اپنی گواہی ثبت کی۔

سب لوگ معصوم کیوں نہیں ہیں؟

غزالی احیاء العلوم کے باب رجاء میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم ادہم کا بیان ہے کہ میں ایک تاریک رات میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور اس وقت خانہ خدا دیگر

زائرین سے خالی تھا۔ دوران طواف میں نے غلاف کعبہ کو تھام کر دعا مانگی کہ پروردگار مجھے گناہوں سے بچنے کے لئے مادہ عصمت عطا فرما تاکہ میں کوئی نافرمانی نہ کرسکوں۔ خانہ کعبہ سے ہاتف کی صدا سنائی دی کہ ابراہیم! تو عصمت چاہتا ہے میری باقی مخلوق بھی عصمت کی خواہش مند ہے "فاذ اعصمتهم فعلی من اتفضل ولمن اغفر" اگر میں تمام لوگوں کو معصوم بنادوں تو میں فضل و کرم کس پر کروں گا۔

شعراء نے اس مضمون پر بہت طبع آزمائی کی ہے ذیل میں خیام کی دو رباعیاں نذر قارئین کی جاتی ہیں۔

(۱)

آباد خرابات ز مے خوردن ما است
خون دوہزار توبہ برگردن ما است
گر من نکنم گناہ رحمت کہ کند
آرائش رحمت از گنہ کردن ما است

(۲)

زاہد بخند گنہ کہ قہاری تو
ماغرق گناہیم کہ غفاری تو
او قہارت خواند و ما غفارت
آیا بکدام نام خوش داری تو

دنیاوی عذاب دور کرنے کی وجہ

فرعون کے دربار میں ایک مسخرہ تھا جو اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے فرعون کو ہنسایا کرتا تھا۔

جب موسیٰ علیہ السلام دربار فرعون میں تشریف لاتے تو مسخرہ فرعون کو

ہنسانے کیلئے موسیٰ کی طرح ایک پرانی عبا اپنے کندھے پر ڈالتا ہاتھ میں عصا لے کر جناب موسیٰ کی نقلیں اتارا کرتا تھا اور فرعون اور اس کے درباریوں کو ہنسایا کرتا تھا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کو اس پر نہایت غصہ آتا تھا۔ جب اللہ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اور فرعون اپنی فوج سمیت غرق ہوا تو وہ مسخرہ ڈوبنے سے بچ گیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: پروردگار! تو نے اپنے دشمن کو ہلاک کیا لیکن میرے دشمن کو بچالیا۔ قدرت کی طرف سے آواز آئی: اے موسیٰؑ! یہ بدبخت تیری شبیہ بنا کرتا تھا اور میں نے اپنے کلیم کی شبیہ کو غرق کرنا پسند نہیں کیا۔(انوار نعمانیہ۔ ص ۳۵۴)

دوزخ میں کون جلے گا؟

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک عورت تنور پر روٹیاں پکا رہی تھی۔ کسی نے عورت کو بتایا کہ یہ رسول کریمؐ جا رہے ہیں۔ عورت اپنی شیر خوار بچی کو اٹھائے ہوئے آپ کی خدمت میں آئی اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے سنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ ماں سے بھی اپنے بندہ پر زیادہ مہربان ہے۔ آپ نے فرمایا: جی ہاں درست ہے یہ الفاظ میں نے کہے ہیں۔

عورت نے کہا: یارسولؐ اللہ! اگر یہ بات درست ہے تو کوئی بھی ماں اپنے بچے کو جلتی ہوئی آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو دیئے اور فرمایا: اللہ صرف اسے دوزخ کی آگ میں ڈالے گا جو لا الہ الا اللہ کہنے سے تکبر کرے گا۔

اس حدیث کی شرح میں سید نعمت اللہ لکھتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ صرف

زبان سے کہنا کافی نہیں ہے۔ لا الہ الا اللہ کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی اس میں شامل ہے اور ائمہ ہدیٰ کی امامت و ولایت بھی لا الہ الا اللہ کے ضمن میں شامل ہے۔ جیسا کہ امام علی رضا علیہ السلام نے حدیث سلسلۃ الذہب میں ارشاد فرمایا تھا کہ لا الہ کی شرائط میں میں بھی شامل ہوں۔

میزانِ اعمال اور رحمتِ خداوندی

احادیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ ترازو کے ایک پلڑے میں نیکیاں اور دوسرے پلڑے میں برائیاں رکھی جائیں گی۔ لیکن اس کی برائیوں کا پلڑا وزنی ہوگا۔ فرشتے اسے دوزخ لے جانے کا ارادہ کریں گے تو اس وقت انہیں ندائے قدرت سنائی دے گی کہ ابھی فیصلے میں جلدی نہ کرو، اس کا ایک عمل میرے پاس محفوظ ہے جس کی تمہیں اطلاع نہیں ہے اور وہ عمل یہ ہے کہ یہ جب بھی پانی پیتا تھا تو حسینؑ کی پیاس کو یاد کرتا تھا اور ظالموں پر لعنت کیا کرتا تھا۔ اس کے اس عمل کو نیکی کے پلڑے میں رکھو۔ جب اس کا وہ عمل نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو اس کی نیکیوں کا پلڑا وزنی ہو جائے گا اور برائیوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔

وسائل کے ص ۴۹۹، پر روایت درج کی گئی کہ قیامت کے دن ایک شخص کے اعمال کا وزن ہوگا تو اسکی برائیاں زیادہ اور نیکیاں کم ہونگی۔ فرشتے اسے دوزخ کی جانب لیجانے کا ارادہ کرینگے تو وہ پشت کی طرف دیکھے گا۔ آواز آئے گی: اے بندے! پیچھے مڑ کر کیا دیکھ رہا ہے؟ تو وہ کہے گا کہ بارالٰہی! تیری رحمت سے مجھے امید نہ تھی کہ مجھے دوزخ میں ڈالا جائیگا۔ تو اس وقت فرشتوں کو فرمان الٰہی سنائی دیگا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم زندگی میں اس نے مجھ پر ایک دن بھی حسنِ ظن نہیں رکھا تھا۔ بہر حال اگر آج یہ حسنِ ظن کا دعویٰ کر رہا ہے تو اسے جنت میں داخل کردو۔

کیا تمہیں اپنے لئے بخشش کی ضرورت نہیں؟

امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میرے دادا جناب علی زین العابدینؑ کا معمول تھا کہ جب بھی ماہ رمضان شروع ہوتا تو آپ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو ان کی کسی کوتاہی پر نہیں جھڑکتے تھے۔ اور اس ماہ میں جس سے اطاعت میں کچھ کمی سرزرد ہوتی آپؑ ایک کاپی پر اسے تاریخ وار لکھ لیتے تھے۔ جب ماہ مبارک کی آخری رات ہوتی تو آپؑ تمام غلاموں اور کنیزوں کو جمع کرتے اور خود ان کے درمیان کھڑے ہوکر فرماتے کہ میرے فلاں غلام نے فلاں تاریخ کو کوتاہی کی ہے۔ میری فلاں کنیز نے فلاں تاریخ کو میرے حکم ماننے میں تاخیر کی ہے لیکن میں نے اس کے باوجود انہیں کوئی سرزنش نہیں کی۔

تمام غلام اور کنیزیں جب اپنی غلطیوں کا اعتراف و اقرار کرلیتے تو آپؑ ان کو حکم دیتے کہ تم مل کر بلند آواز سے مجھے مخاطب کرکے کہو: علیؑ بن الحسینؑ! جس طرح سے تو نے ہماری غلطیاں لکھ لی ہیں تو اسی طرح سے تیرے رب کے فرشتوں کے پاس بھی کئی دفتر ہیں جس میں انہوں نے بھی تیری تمام کوتاہیاں لکھی ہوئی ہیں اور تیرا کوئی چھوٹا یا بڑا عمل ایسا نہیں جو اس دفتر میں موجود نہ ہو۔ تیرا خدا رائی کے دانے کے برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ تم ہمیں معاف کردو تاکہ تمہارا خدا بھی تمہیں معاف کردے "ولیعفوا ولیصفحوا الاتحبون ان یغفرالله لکم" انہیں معاف کرنا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف فرمائے۔

آپؑ کے تمام غلام آپؑ کے تلقین کردہ جملے دہراتے تو آپؑ دل سوز آواز سے گریہ کرتے اور بارگاہ احدیت میں عرض کرتے: پروردگار تو نے ہمیں عفو و درگزر کا حکم دیا ہے خدایا تو بھی ہم سے عفو و درگزر فرما کیونکہ بندوں کی نسبت تو زیادہ بخشنے

والا ہے۔ خدایا تو نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے دروازے سے کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹائیں تو اب خدایا ہم بھی بخشش کی امید لے کر تیرے دروازے پر کاسہ گدائی لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری التجا یہ ہے کہ تو ہمیں بخش دے اور ہم پر کرم فرما۔ خدایا اپنے بندہ پر احسان فرمانا اور مجھے ناامید نہ کرنا۔ خدایا مجھے ان لوگوں میں سے قرار دینا جو تیری عطاؤں سے بہرہ مند ہوں۔

پھر آپؑ غلاموں کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے: میں تمہاری کوتاہیاں معاف کرتا ہوں اور اگر مجھ سے تمہارے حق میں کوتاہی سرزد ہوئی ہو تو تم بھی مجھے معاف کردینا۔

غلام عرض کرتے: مولا! آپؑ کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔

پھر آپؑ غلاموں کو حکم دیتے کہ تم سب ملکر بارگاہ احدیت میں میرے لئے یہ دعا کرو۔ "اللهم اعف عن علی بن الحسین کما عفاعنا فاعتقه من النار کما اعتق رقابنا من الرق" خدایا علی بن حسین کو معاف فرما جیسا کہ اس نے ہمیں معاف کیا اور اسے دوزخ کی آگ سے آزاد فرما جیسا کہ اس نے ہمیں غلامی سے آزاد کیا۔

غلام یہ دعا مانگتے اور امام زین العابدینؑ رو رو کر آمین کہتے۔ پھر آپؑ ان سے فرماتے تھے کہ جاؤ میں نے تمہیں آزاد کیا اور اس امید پر میں نے تمہیں آزادی دی کہ اللہ میری مغفرت فرمائے گا۔

پھر آپؑ ہر غلام کو خاصی مقدار میں دولت دے کر اپنے پاس سے رخصت کردیتے تھے۔ ہر سال عید الفطر کے موقع پر آپ بیس غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کیا کرتے تھے۔ (بحار الانوار، ج ۱۱۔ ص ۲۲)

لوگوں سے درگزر کرو

کتاب نور العیون کے مؤلف نے تفسیر کاشفی سے نقل کیا کہ ایک نیک

شخص ایک آدمی کا بیس ہزار درہم کا مقروض تھا۔ قرض ادا کرنے کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

ایک دن قرض خواہ نے مطالبہ میں بڑی سختی سے کام لیا اور اسے اتنا رسوا کیا کہ مقروض کے آنسو بہنے لگے۔ وہ بے چارہ روتے ہوئے اپنے گھر واپس جا رہا تھا کہ اس کے ایک یہودی ہمسائے نے اسے روتے ہوئے دیکھ لیا۔ اور اسے اپنے پاس بلا کر رونے کا سبب دریافت کیا۔

مقروض نے اپنے قرض کا حال سنایا اور قرض خواہ کی شدت بیان کی۔

یہودی کو اس پر رحم آگیا اور کہا کہ اگرچہ ہمارا دین مختلف ہے لیکن ہم دونوں انسانیت کے ناطے ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور تم میرے نیک ہمسائے بھی ہو۔ تم مجھ سے بیس ہزار درہم لے کر اسے دے آؤ۔

مقروض نے یہودی سے بیس ہزار درہم لئے اور قرض خواہ کے دروازہ پر پہنچ گیا اسے بلا کر کہا کہ تم اپنی رقم مجھ سے واپس لو۔

قرض خواہ نے تعجب سے کہا کہ کچھ دیر پہلے تک تو تمہارے پاس کچھ نہ تھا اب اتنی بڑی رقم کہاں سے لے آئے ہو؟

مقروض نے بتایا کہ میں تمہارے مطالبہ کی سختی کی وجہ سے روتا ہوا جا رہا تھا کہ ایک یہودی ہمسائے نے بلا کر مجھے یہ رقم دی ہے اور میں وہی رقم تمہارے پاس لایا ہوں۔

قرض خواہ نے کہا: میں یہودی سے زیادہ گیا گزرا تو نہیں ہوں۔ یہ رقم یہودی کو واپس کردو اور میں نے تمہیں اپنا قرض معاف کیا۔ اس کے ساتھ معافی کی تحریر بھی لکھ دی۔

رات ہوئی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوچکی ہے۔ کچھ

لوگوں کے نامہ اعمال دائیں اور کچھ لوگوں کے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ہیں۔ اتنے میں فرشتوں نے اسے اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں پکڑایا اور اسے حکم خداوندی سنایا کہ تم حساب کے بغیر جنت میں چلے جاؤ۔

اس نے پوچھا: خدایا آخر کیا وجہ ہے کہ تو نے مجھ سے حساب تک نہیں لیا؟ آواز قدرت آئی: جب تو نے ہمارے بندہ کا حساب نہیں کیا تو ہمیں تیرے حساب کی کیا ضرورت ہے۔ (دارالسلام، ج ۲۔ ص ۱۹۵۔ ۱۹۶)

چند روایات

قال امیر المؤمنین ؑ اذا قدرت علی عدوک فاجعل العفو عنه شکراً للقدرة علیه.

(وسائل کتاب حج۔ ص ۲۸۷)

مولا علی علیہ السلام نے فرمایا: جب تو اپنے دشمن پر قدرت پالے تو اس کامیابی کے شکریہ میں اسے معاف کردے۔

قال رسول اللّٰه ﷺ اذا کان یوم القیامة ینادی منادیسمع اخرهم کمایسمع اولهم فیقول این اهل الفضل فیقوم عنق من الناس فیستقبلهم الملائکة مافضلکم هذا الذی نودیتم به یقولون کنا یجهل علینا فی الدنیا فنحتمل ویسآء الینا فنعفوا فینادی منادمن الله تعالیٰ صدق عبادی خلواسبیلهم لید خلوا الجنة بغیر الحساب.

(وسائل کتاب حج۔ ص ۲۸۷)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک ندا آئے گی جسے تمام اہل محشر سنیں گے۔ ندا کرنے والا کہے گا: برتری و فضیلت والے کہاں ہیں؟ اہل محشر میں سے یہ اعلان سن کر ایک دستہ اٹھے گا اور فرشتے ان کا

استقبال کریں گے اور ان سے پوچھیں گے: تمہاری وہ فضلیت و برتری کیا تھی جس کی وجہ سے تمہیں یہ امتیاز حاصل ہوا؟

تو وہ کہیں گے کہ بعض اوقات نادانی کی وجہ سے لوگ ہماری توہین کرتے تھے تو ہم برداشت کرتے تھے۔ اور کبھی ہم سے برا سلوک ہوتا تو ہم معاف کر دیتے تھے۔ اس وقت خدا کی طرف سے ایک منادی ندا کرے گا: فرشتو! میرے بندے سچ کہتے ہیں ان کی راہ چھوڑو تاکہ حساب کے بغیر وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔

فی تحف العقول عن الصادقؑ انه قال لعبد الله بن جندب یا بن جندب صل من قطعك واعط من حرمك واحسن الی من اساء الیك وسلّم علی من سبك وانصف من خاصمك واعف عمن ظلمك كما انك تحب ان یعفی عنك۔

(مستدرک الوسائل باب عشرۃ۔ ص ۷۷)

تحف العقول میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپؑ نے عبداللہ بن جندب سے ارشاد فرمایا: جندب کے بیٹے! جو تجھ سے قطع رحمی کرے تو اس سے صلہ رحمی کر اور جو تجھے محروم رکھے تو اسے عطا کر اور جو تجھ سے برائی کرے تو اس سے اچھائی کر اور جو تجھے گالی دے تو اسے سلام کر اور اگر کوئی تجھ سے جھگڑے تو تو انصاف کر اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر جیسا کہ تو چاہتا ہے کہ خدا تجھے معاف کرے۔

قال الصادقؑ العفو عند القدرة من سنن المرسلین و اسرار المتقین و تفسیر العفوان لاتلزم صاحبك فیما اجرم ظاهرا وتنسی من الاصل مااحبت منه باطنا وتزید علی الاحسان احسانا ولن یجدالی ذلك سبیلا الامن قدعفا الله عنه ماتقدم من ذنبه وماتاخرعنه وزینه بكرامته والبسه من نوربهائه لان العفو والغفران صفة من صفات الله تعالی اودعهما فی اسرار اصفیائه لیتخلقوا مع

الخلق باخلاق خالقهم قال الله تعالی ولیعفوا ولیصفحوا الاتحبون ان یغفر الله لكم والله غفور رحیم ومن لایعفوعن بشر مثله كیف یرجوالعفوعن ملك جبار۔

(مستدرک الوسائل، ج ۲۔ ص ۸۶)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: طاقت رکھتے ہوئے معاف کرنا مرسلین کی سنت اور متقین کے اسرار میں سے ہے۔

اور عفو و درگزر کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم کے جرم کا ذکر نہ کرے بلکہ دل میں بھی اس کی غلطی کو بھلا دے۔ اور پھر جرم کرنے والے پر مزید احسان کرے اور اپنی نیکی میں اضافہ کرے۔

اور ایسا کرنا صرف انہی کیلئے ممکن ہے جن کے اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف کر دیئے ہوں اور جنہیں اللہ نے اپنے نور کرامت سے مزین کیا ہو اور اپنے جلال کی روشن شعاعوں سے انہیں پیراستہ کیا ہو۔

اور یاد رکھو عفو و بخشش خدائی صفات ہیں۔ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بعض افراد کو ان صفات سے متصف کیا ہے تاکہ وہ مخلوق میں رہ کر صفات خالق کا عکس قرار پائیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے معاف کرو اور چشم پوشی کرو کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کردے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جو شخص اپنے جیسے ایک انسان کو معاف نہیں کر سکتا وہ خداوند جبار کی بخشش کی امید کیسے کر سکتا ہے؟

باب پنجم

مذمت حرص

بہلول اور حریص چور

بہلول کی عادت تھی کہ اگر ان کے اخراجات سے کبھی کچھ رقم بڑھ جاتی تو وہ ایک گھڑے میں ڈال دیتے۔ انہوں نے اس گھڑے کو ایک جگہ ویرانے میں چھپایا ہوا تھا۔ گویا یہ بہلول کی گولک تھی۔

بہلول ایک عرصہ تک اپنی بچت اس میں جمع کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی بچت تین سو درہم ہوگئی۔

ایک دفعہ وہ دس درہم اس گولک میں ڈالنے گئے کہ ایک موچی کی اس پر نظر پڑ گئی اور بہلول نے بھی اسے دیکھ لیا کہ وہ اسے گولک میں رقم ڈالتے ہوئے دیکھ چکا ہے۔

بہلول دس درہم جمع کر کے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد موچی وہاں گیا اور بہلول کی تمام جمع پونجی وہاں سے نکال کر اپنے گھر چلا گیا۔

کئی دنوں کے بعد بہلول اس جگہ پر گئے تو دیکھا کہ گولک خالی ہے۔ وہ فورا سمجھ گئے کہ یہ کام اسی موچی کا ہے۔

بہلول اس کے پاس گئے اور کہا: بھائی مجھے کچھ حساب تو کردیں اس نے پوچھا کیسا حساب؟

بہلول نے کہا: میں نے بہت سی جگہوں پر اپنی گولکیں چھپائی ہوئی ہیں ان میں اچھی خاصی رقم ہے۔ آپ ذرا حساب کر کے بتائیں کہ کل جمع پونجی کتنی بنتی ہے۔ پھر بہلول نے حساب شروع کیا کہ اتنے درہم ایک گولک میں ہیں اتنے دوسری گولک میں اور اتنے تیسری گولک میں ہیں۔ موچی حساب لگاتا رہا۔ کل رقم تین ہزار درہم جاکر بنی۔

پھر بہلول نے کہا: بھائی میں چاہتا ہوں کہ تمام گولکوں سے رقم نکال کر فلاں ویرانے والی گولک میں جمع کردوں کیونکہ یہ گولک انتہائی محفوظ ہے اور چوروں کی نگاہ سے دور ہے۔ موچی نے کہا: تو ٹھیک ہے آپ ایسا ہی کریں۔ پھر موچی نے دل میں سوچا کہ میں نے تو جلد بازی سے کام لیا ہے اگر بہلول کو علم ہوگیا کہ اس کی اس گولک میں کچھ نہیں ہے تو باقی رقم وہاں منتقل نہیں کریگا۔ عقل مندی اسی میں ہے کہ میں اس کی یہ رقم اس کی گولک میں جاکر ڈال دوں تاکہ وہ دوسری رقمیں بھی یہاں لے آئے اور یوں مجھے تین سو دس درہم کی بجائے تین ہزار درہم مل جائیں گے۔

پس موچی نے رقم اٹھائی اور اسی گولک میں جاکر ڈال دی۔

دوسرے دن بہلول نے جاکر چپکے سے اپنی رقم اس میں سے نکال لی اور اس گھڑے میں پاخانہ کر کے اسے دوبارہ بند کر کے وہاں چھپا دیا۔

موچی نے اس بار بھی بہلول کو اس سمت جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھا کہ بہلول اپنی باقی رقم بھی یہاں ڈال کر جارہا ہے۔

بہلول کے روانہ ہونے کے بعد موچی بھی چپکے سے وہاں گیا اور گھڑے سے مٹی ہٹاکر اس میں ہاتھ ڈالا تو اس کا ہاتھ پاخانے سے جا ٹکرایا۔

موچی سمجھ گیا کہ بہلول نے اس کے ساتھ چال چلی ہے۔ چند دن بعد بہلول پھر اسی موچی کے پاس آئے اور فرمایا: بھائی ذرا حساب تو کردیں۔ موچی نے

کہا: بتاؤ۔ بہلول نے کہا: اگر اتنے درہم ہوں اور پھر اتنے درہم ہوں انہیں جمع کیا جائے اور اس کے ساتھ تمہارے ہاتھ کی اس بدبو کو جمع کیا جائے تو کل کتنی رقم بنے گی۔ یہ سن کر موچی ان کے پیچھے دوڑا مگر بہلول پہلے ہی دوڑ پڑے۔ (خزائن نراقی)

اللہ ہزار وسیلوں سے رزق پہنچاتا ہے

سید عبداللہ موسوی تحفۃ السنیہ کے حاشیہ پر رقم طراز ہیں کہ ابراہیم ادہم بلخ کے حاکم تھے ایک دفعہ اپنے لشکر سمیت کہیں جاتے ہوئے راستے میں انہوں نے پہاڑوں کے درمیان ایک پر فضا مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ کھانے کا وقت ہوا تو دستر خوان بچھایا گیا اور بکری کا تلا ہوا گوشت دستر خوان پر سجایا گیا۔ اسی اثناء میں ایک پرندہ آیا اس نے دستر خوان پر رکھے ہوئے گوشت پر جھپٹا مارا اور گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر اڑ گیا۔ ابراہیم ادہم نے اپنے فوجیوں سے کہا کہ اس کے تعاقب میں روانہ ہوں۔ وہ قریبی پہاڑ کے نزدیک جا اترا۔ جب فوجی وہاں پہنچے تو ان کی حیرت کی حد نہ رہی انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں اور وہ پرندہ گوشت کے ٹکڑے کرکے اپنی چونچ سے اس کے منہ میں ڈال رہا ہے۔ فوجی اس شخص کو اسی حالت میں اٹھا کر ابراہیم ادہم کے پاس لائے اور سارا واقعہ بیان کیا۔

پھر ابراہیم نے اس سے پوچھا: تمہارا کیا معاملہ ہے تو اس نے بتایا کہ میں ایک مسافر ہوں اور یہاں سے گزر رہا تھا کہ ڈاکوؤں نے میرا سامان لوٹ لیا اور میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر جنگل میں ڈال دیا تاکہ صحرائی جانور مجھے نوچ کر کھا جائیں اور میں اپنا دفاع تک نہ کر سکوں اور اس واقعہ کو پورے سات دن گزر چکے ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے زندہ رکھنا تھا تو اس نے اس پرندے کی ڈیوٹی لگادی کہ یہ صبح شام کہیں نہ کہیں سے کچھ کھانے کی چیزیں لے کر میرے پاس آتا ہے اور اپنی چونچ سے مجھے کھلاتا ہے اور روزانہ یہی پرندہ اپنی چونچ میں پانی بھر کر لاتا اور مجھے پلاتا ہے۔ ابھی یہ

پرندہ مجھے گوشت کھلا رہا تھا کہ آپ کے فوجی مجھے وہاں سے اٹھا کر لے آئے۔ ابراہیم نے اس کی رسیاں توڑیں اور رونے لگے اور رو کر کہا جب اللہ مخلوق کے رزق روزی کا ضامن ہے اور وہ اس حال میں بھی رزق پہنچاتا ہے تو میں یہ حکومت و سلطنت کا بوجھ کیوں اٹھائے پھرتا ہوں۔ چند دن بعد انہوں نے حکومت چھوڑ دی اور یاد خدا میں محو ہو گئے۔ (درحاشیہ روضات الجنات۔ ص ۳۹)

حرص سے رزق میں اضافہ نہیں ہوتا

عبداللہ بن عامر عراق کا گورنر مقرر ہوا۔ اس کے دو دوستوں نے سوچا کہ عراق جاکر اسے مبارک باد دینی چاہئے۔ شاید وہ مالی طور پر ہماری کچھ مدد کرے۔ ان میں سے ایک انصاری تھا اور دوسرا ثقفی تھا۔

کچھ دیر تک تو انہوں نے اکٹھے سفر کیا پھر انصاری نے ثقفی دوست سے کہا میں عراق نہیں جانا چاہتا۔ ساتھی نے ارادہ بدلنے کی وجہ پوچھی تو کہا: جو خدا عبداللہ بن عامر کو عراق کی گورنری دے سکتا ہے کیا وہ مجھے روزی نہیں دے سکتا؟ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ ثقفی سفر کرکے عراق گیا اور عبداللہ بن عامر سے ملاقات کی اور اسے انصاری کے واپس جانے اور اپنے آنے کا حال بھی سنایا تو عبداللہ بن عامر نے ثقفی کیلئے چار ہزار دینار اور انصاری کیلئے آٹھ ہزار دینار کا حکم دیا۔

یہ دیکھ کر ثقفی نے یہ شعر پڑھے ؎

فواللّٰہ ماحرص الحریص بنافع
فیغنی ومازھد القنوع بضائر

خدا کی قسم حریص کی حرص فائدہ مند نہیں کہ وہ اسے مستغنی کردے اور قناعت کرنے والے کا زہد نقصان دہ نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰؑ! جانتے ہو کہ میں

احمق کو روزی کیوں دیتا ہوں؟

موسیٰ نے عرض کی: نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس لئے احمق کو رزق دیتا ہوں کہ عقل مندوں کو معلوم ہو جائے کہ رزق کا تعلق عقل و دانش سے نہیں۔

بہ ناداں آں چناں روزی رساند
کہ عاقل اندراں حیراں بماند

(منظر ف، ج ا۔ ص ۷۹)

حرص بے وقوف بنا دیتی ہے

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے ایک چڑیا شکار کی۔ چڑیا نے شکاری سے پوچھا: مجھے پکڑ کر تجھے کیا حاصل ہوگا؟

اس نے کہا: میں تجھے ذبح کر کے تیرا گوشت کھاؤں گا۔ چڑیا نے کہا: میرے تھوڑے سے گوشت سے تو سیر تو نہیں ہو سکتا ہاں اگر البتہ تو مجھے آزاد کردے تو میں تجھے تین باتیں بتاؤں گی جن میں تیرا فائدہ ہوگا۔ پہلی بات اس وقت کہوں گی جب تیرے ہاتھ سے چھوٹوں گی اور دوسری بات دیوار پر بیٹھ کر کہوں گی اور تیری بات درخت کی چوٹی پر بیٹھ کر بتاؤں گی۔

شکاری نے کہا: مجھے منظور ہے اب تم اپنی پہلی بات بتاؤ۔

چڑیا نے کہا: پہلی بات تو یہ ہے کہ جو چیز تیرے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرنا۔ شکاری نے چڑیا کو چھوڑ دیا وہ دیوار پر جا کر بیٹھی اور کہا: دوسری بات یہ ہے کہ جو چیز عقلاً محال ہو اس کو کبھی تسلیم نہ کرنا اور تو نے بڑا سنہری موقعہ ہاتھ سے گنوادیا اگر تو مجھے ذبح کرتا تو میرے اندر دس دس مثقال کے دو موتی تھے۔ تو انہیں فروخت کر کے دولت مند بن سکتا تھا۔ پھر چڑیا اڑ کر درخت کی چوٹی پر جا بیٹھی۔

شکاری چڑیا کو آزاد کر کے پچھتانے لگا اور دل میں کہنے لگا کہ ہائے میری بد نصیبی اگر میں اسے ذبح کرتا تو موتیوں کی وجہ سے آج مالا مال ہو جاتا۔

شکاری درخت کے نیچے جا کر کھڑا ہوا اور چڑیا سے کہا کہ اب تم تیسری بات بتاؤ۔ چڑیا نے کہا: احمق شخص! جب میری پہلی نصیحتوں پر ہی تو نے عمل نہیں کیا تو تیسری بات پوچھ کر کیا کرے گا۔

اس شخص نے اصرار کیا۔ چڑیا نے کہا: بے وقوف آدمی! میں نے ابھی تجھے بتایا تھا کہ جو چیز عقلاً محال ہو اسے کبھی تسلیم نہ کرنا۔ اور اب تو بیس مثقال کے موتیوں کے جانے پر پچھتا رہا ہے۔ جب کہ پروں سمیت بھی میرا وزن دو مثقال سے زیادہ نہیں ہے تو نے بیس مثقال کے موتیوں کا یقین کیسے کر لیا؟ (کمال الدین اردو ترجمہ۔ ص ۵۷۳)

اگرچہ یہ داستان فرضی ہے مگر اس کا نتیجہ بالکل درست ہے، کہ حریص اپنی حرص کی وجہ سے فہم و فراست سے عاری ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات وہ ایسے اقدامات بھی کر بیٹھتا ہے جس سے اس کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

ابراہیم ادہم کی توبہ

ابراہیم ادہم کی توبہ کے متعلق مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں، جن میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابراہیم ادہم بلخ کے بادشاہ تھے اور ایک شب وہ اپنے محل کے دریچوں سے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا ایک فقیر ان کے محل کی دیوار کے پاس آکر بیٹھا اور اس نے اپنی گودڑی سے نان جویں کی خشک روٹی نکالی اور پانی میں بھگو کر اسے کھانے لگا پھر اس نے پانی پیا اور خدا کا شکر کر کے دیوار کے ساتھ لگ کر سو گیا۔

یہ منظر دیکھ کر ابراہیم ادہم کی آنکھیں کھل گئیں اور اپنے آپ سے کہا:

جب جو کی خشک روٹی پر بھی نفس انسانی کو تسکین میسّر آسکتی ہے تو میں تاج و تخت کا بوجھ کیوں اپنی گردن میں اٹھائے پھرتا ہوں جس کا نتیجہ سخت حساب کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

یہ سوچ کر انہوں نے تاج و تخت کو چھوڑ دیا اور بلخ سے چلے گئے۔

ان کے متعلق منقول ہے کہ ایک دن وہ پیوند زدہ کپڑے پہن کر ایک حمام پر گئے چاہتے تھے کہ حمام میں جاکر غسل کریں۔ لیکن حمام کے مالک نے جب ان کی حالت دیکھی تو سمجھ گیا کہ ان کے پاس نہانے کی رقم نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے انہیں حمام میں جانے کی اجازت نہ دی۔

ابراہیم ادہم نے کہا: مجھے فرزندان دنیا پر حیرت ہے جب ایک حمام والا رقم کے بغیر حمام میں داخل نہیں ہونے دیتا تو عمل صالح کے بغیر اللہ تعالیٰ جنت میں کیسے داخل ہونے دے گا۔

شفیق بلخی کہتے ہیں کہ ایک دن ابراہیم نے مجھ سے پوچھا کہ تم اپنی زندگی کیسے بسر کرتے ہو؟

میں نے کہا کہ میری عادت یہ ہے کہ اگر کچھ مل جائے تو کھا لیتا ہوں اور اگر کچھ نہ ملے تو صبر کرتا ہوں۔

یہ سن کر ابراہیم ادہم نے کہا: بلخ کے کتے بھی ایسا ہی کرتے ہیں انہیں کچھ مل جائے تو کھا لیتے ہیں اور اگر نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔

میں نے پوچھا: تو پھر آپ زندگی کیسے بسر کرتے ہیں؟

انہوں نے کہا: میرا اصول یہ ہے کہ کچھ مل جائے تو دوسروں کو اپنے پر مقدم رکھتا ہوں اور اگر کچھ نہ ملے تو شکر کرتا ہوں۔

ان دو میں سے بہتر کون ہے؟

ثقۃ الاسلام کلینی نے نوفلی سے روایت کی اس نے امام علی زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ جنگل سے گزر رہے تھے اور چند صحابی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے ایک شتربان کو دیکھا کہ وہ اونٹنیاں چرا رہا تھا۔

آپ نے اسے فرمایا: تم ہمیں کچھ دودھ پلا سکتے ہو؟

شتربان نے کہا: جو دودھ اس وقت میرے پاس برتن میں موجود ہے یہ شام کے وقت کام آئے گا اور جو دودھ اونٹنیوں کے تھنوں میں ہے وہ صبح کے وقت کام آئے گا۔ لہٰذا میں آپ کو دودھ نہیں پلا سکتا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیلئے دعا کی اور فرمایا: خدایا اسے وسیع مال و رزق عطا فرما اور اسے زیادہ اولاد عطا فرما۔

پھر یہاں سے آگے چلے ایک اور شتربان نظر آیا آپؐ نے اس سے فرمایا: کیا تم ہمیں کچھ دودھ پلا سکتے ہو؟

شتربان نے اونٹنیوں کو دوہا اور ان کے ساتھ بکریوں کو بھی دوہا پھر برتن پُر کر کے آپؐ کی خدمت میں لایا۔ آپؐ نے دودھ پیا اپنے صحابہ کو پلایا اور پھر دعا مانگی: بارالٰہا! اسے ضرورت کے مطابق رزق عطا فرما۔ آپؐ کی یہ دعا سن کر صحابہ نے تعجب سے پوچھا: یا رسول اللہ! جس شتربان نے آپؐ کو دودھ سے محروم رکھا آپؐ نے اس کیلئے کثرت مال و اولاد کی دعا کی اور جس نے ہم سے بھلائی کی ہمیں دودھ پلایا آپؐ نے اس کیلئے یہ دعا فرمائی۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: میں نے بالکل درست دعا مانگی کیونکہ "ماقل وکفی خیر مما کثروا الھی" تھوڑا اور ضرورت کے مطابق رزق اس رزق سے بہتر ہے جو زیادہ

ہو اور یاد الٰہی سے غافل کردے۔

آپؐ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے "اللھم ارزق محمد او ال محمد الکفاف" خدایا محمد و آل محمد کو بقدر کفایت رزق عطا فرما۔ (انوار نعمانیہ۔ ص ۳۴۲)

غرباء کے قاصد کو جواب

انس بن مالک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ غرباء نے ایک شخص کو اپنا قاصد بنا کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! میں غرباء کا قاصد اور ترجمان بن کر آپؐ کے پاس آیا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں تم اس گروہ کے نمائندے بن کر آئے ہو جنہیں میں دوست رکھتا ہوں۔

اس نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! غرباء کہتے ہیں کہ دولت مند تمام نیکیاں سمیٹ کر لے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ صاحبِ استطاعت ہیں لہٰذا وہ حج پر جاتے ہیں۔ ہمیں استطاعت نہیں ہے اسی لئے ہم حج کے ثواب سے محروم ہیں۔ ان کے پاس دولت ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اپنے لئے ذخیرہ آخرت تیار کرلیتے ہیں۔ جبکہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اسی لئے ہم توشہ آخرت تیار کرنے سے محروم ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: غرباء کو جاکر میرا یہ پیغام سناؤ کہ جو غریب صبر سے اپنی زندگی بسر کرے اللہ اسے تین امتیاز عطا فرمائے گا جو امراء کو نصیب نہ ہوں گے۔

۱۔ جنت میں خداوند عالم نے بلندی پر ایسے مکان تیار کئے ہیں جنہیں اہل جنت ایسے دیکھیں گے جیسے زمین والے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ جنت کے ان بالا خانوں میں یا تو غریب نبی جائیں گے یا غریب شہید یا غریب مؤمن ان میں داخل ہوں گے۔

۲۔ دولت مندوں سے آدھا دن پہلے غریب جنت میں جائیں گے اور آدھا دن بھی

پانچ سو سال کے برابر ہے۔

۳۔ جب کوئی دولت مند "سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر" کہے اور غریب بھی یہی تسبیح پڑھے تو دولت مند کو غریب جتنا ثواب اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک وہ ہر تسبیح کے ساتھ دس ہزار درہم اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے۔ اسی طرح سے باقی اعمال پر بھی اللہ تعالٰی غرباء کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔

قاصد نے غرباء کے پاس جاکر آپ کی گفتگو سنائی تو انہوں نے کہا ہم راضی ہیں۔ (انوار نعمانیہ۔ ص ۳۴۲، ہدیۃ الشیعہ)

حضرت عیسیٰؑ اور مردِ حریص

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک شاگرد کو ساتھ لے کر سفر پر نکلے۔ راستے میں ایک جگہ انہوں نے قیام کیا اور شاگرد سے پوچھا کہ تمہاری جیب میں کچھ ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں میرے پاس دو درہم ہیں۔

آپ نے اپنی جیب سے ایک درہم نکال کر اسے دیا اور فرمایا: یہ تین درہم ہوجائیں گے۔ قریب ہی آبادی ہے تم وہاں سے تین درہموں کی روٹیاں لے آؤ۔

شاگرد گیا اور تین روٹیاں لیں۔ راستے میں سوچنے لگا کہ مسیحؑ نے تو ایک درہم دیا تھا اور دو درہم میرے تھے۔ جبکہ روٹیاں تین ہیں ان میں سے آدھی روٹیاں مسیح کھائیں گے اور مجھے آدھی روٹیاں نصیب ہونگی۔ لہٰذا بہتر ہے کہ میں ایک روٹی پہلے ہی کھالوں۔ چنانچہ اس نے راستے میں ایک روٹی کھائی اور دو روٹیاں لے کر عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپؑ نے روٹی کھائی اور شاگرد سے پوچھا: تین درہم کی کتنی روٹیاں ملی تھیں؟

شاگرد نے جواب دیا: دو روٹیاں ملی تھیں ایک آپ نے کھائی اور ایک میں نے کھائی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں سے روانہ ہوئے راستے میں ایک دریا آیا۔

شاگرد نے حیران ہو کر کہا: ہم دریا عبور کیسے کریں گے جبکہ یہاں تو کوئی کشتی نظر نہیں آتی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مت گھبراؤ میں آگے چلوں گا تم میری عبا کا دامن پکڑ کر میرے پیچھے چلتے آؤ خدا نے چاہا تو ہم دریا پار کر لیں گے۔

چنانچہ جناب عیسیٰؑ نے دریا میں قدم رکھا اور شاگرد نے بھی ان کا دامن تھام لیا۔ باذن خدا آپؑ نے دریا کو عبور کر لیا ان کے پاؤں تک بھی گیلے نہ ہوئے۔

شاگرد نے یہ معجزہ دیکھ کر کہا: میری ہزاروں جانیں آپؑ پر قربان آپؑ جیسا صاحب اعجاز نبی آپؑ سے پہلے کوئی مبعوث ہی نہیں ہوا۔

آپؑ نے فرمایا: یہ معجزہ دیکھ کر تمہارے ایمان میں کچھ اضافہ ہوا؟

شاگرد نے کہا: جی ہاں میرا قلب نور سے بھر گیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: اگر تمہارا دل نورانی ہو چکا ہے تو بتاؤ روٹیاں کتنی تھیں؟

شاگرد نے کہا: حضرت روٹیاں بس دو ہی تھیں۔

پھر آپؑ وہاں سے چلے۔ راستے میں ہرنوں کا ایک ٹولہ گزر رہا تھا۔ آپؑ نے ایک ہرن کو اشارہ کیا، وہ آپؑ کے پاس چلا آیا، آپؑ نے ذبح کر کے اس کا گوشت کھایا اور شاگرد کو بھی کھلایا۔

جب دونوں گوشت سے سیر ہو گئے تو حضرت عیسیٰ نے اس کی کھال پر پاؤں کی ٹھوکر مار کر کہا "قم باذن اللہ" اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا۔

ہرن زندہ ہو گیا اور دوڑتا ہوا اپنے گروہ سے جا ملا۔

شاگرد یہ معجزہ دیکھ کر حیران ہو گیا اور کہنے لگا: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے آپ جیسا نبی اور معلم عنایت کیا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: یہ معجزہ دیکھ کر تمہارے ایمان میں کچھ اضافہ ہوا؟

شاگرد نے عرض کی: سبحان اللہ میرا ایمان پہلے سے دوگنا ہو چکا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: پھر یہ بتاؤ کہ روٹیاں کتنی تھیں؟

شاگرد نے کہا: حضرت روٹیاں دو ہی تھیں۔

دونوں راستہ چلتے گئے۔ ایک پہاڑی کے قریب سونے کی تین اینٹیں پڑی تھیں۔ آپؑ نے فرمایا: ایک اینٹ میری ہے اور ایک اینٹ تمہاری ہے اور تیسری اینٹ اس کی ہے جس نے تیسری روٹی کھائی۔

یہ سن کر شاگرد نے شرمندگی سے جواب دیا: حضرت تیسری روٹی میں نے کھائی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس حریص کو چھوڑ دیا اور فرمایا: تینوں اینٹیں تم لے جاؤ۔ یہ کہہ کر حضرت عیسیٰؑ روانہ ہو گئے اور حریص شخص اینٹوں کے قریب بیٹھا سوچنے لگا کہ انہیں کیسے گھر لے جائے۔

اسی اثناء میں تین ڈاکو وہاں سے گزرے انہوں نے دیکھا ایک شخص کے پاس سونے کی تین اینٹیں ہیں۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اور آپس میں کہنے لگے کہ اینٹیں تین ہیں اور ہم بھی تین ہیں لہٰذا ایک ایک شخص کو ایک ایک اینٹ حصہ میں آتی ہے۔ اتفاق سے وہ بھوکے تھے۔ انہوں نے ایک ساتھی کو پیسے دیئے اور کہا کہ شہر قریب ہے تم وہاں سے روٹیاں لاؤ اس کے بعد ہم اپنا حصہ جدا کریں گے۔ وہ شخص روٹیاں لینے گیا اور دل میں سوچنے لگا اگر میں روٹیوں میں زہر ملا دوں تو وہ دونوں ساتھ مر جائیں گے اور تینوں اینٹیں میری ملکیت بن جائیں گی۔ ادھر اس کے دونوں

ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر ہم اس ساتھی کو قتل کر دیں تو ہمارے حصہ میں سونے کی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ آئے گی۔

جب ان کا تیسرا ساتھی زہر آلود روٹیاں لے کر آیا توان دونوں نے منصوبہ کے مطابق اس پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر جب انہوں نے روٹی کھائی تو وہ دونوں بھی زہر کی وجہ سے مرگئے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا اس مقام سے گزر ہوا تو دیکھا کہ اینٹیں ویسی کی ویسی ہی رکھی تھیں مگر انکے پہلو میں چار افراد کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔آپؑ نے یہ دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری اور فرمایا: " هكذا تفعل الدنيا با هلها" دنیا اپنے چاہنے والوں سے یہی سلوک کرتی ہے۔ (انوار نعمانیہ۔ ص ۳۵۳)

قناعت کیا ہے؟

ابووائلؓ کہتے ہیں کہ میں ابوذر غفاریؓ کے ہمراہ سلمان فارسیؓ کے گھر گیا جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا: اگر رسول خدا نے تکلف سے منع نہ کیا ہوتا تو میں تمہیں پر تکلف دعوت دیتا۔ یہ کہہ کر حضرت سلمان روٹی اور نمک لے آئے۔

ابوذرؓ نے کہا: اگر اس کے ساتھ کچھ پودینہ ہوتا تو اچھا تھا۔ سلمان نے دوکاندار کے پاس اپنا لوٹا گروی رکھا اور پودینہ لائے۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو ابوذر غفاریؓ نے کہا: "الحمد الله الزی قنعنا" اس ذات کی حمد ہے جس نے ہمیں قناعت پسند بنایا۔

یہ سن کر سلمان فارسیؓ نے کہا: اگر تم قناعت پسند ہوتے تو میں اپنا لوٹا گروی نہ رکھتا۔ (کشکول بحرانی، ج ۲۔ ص ۱۳۷)

افزائشِ مال کی حرص

عبدالرحمٰن بن عوف ان چھ افراد میں سے ایک تھے جنہیں خلیفہ ثانی نے شوریٰ کے لئے نامزد کیا تھا اور اہل سنت کے قول کے مطابق وہ ان دس افراد میں سے تھے جنہیں رسول خدا نے جنت کی بشارت دی تھی۔ ان کے مال و دولت کے متعلق ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے جب ان کی وفات ہوئی تو انہوں نے ایک ہزار اونٹ، ایک سو گھوڑے، تین ہزار بکریاں چھوڑیں اور ان کے گھر سے اتنا سونا برآمد ہوا کہ اسے کلہاڑے سے کاٹا گیا اور کئی افراد کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے۔ بوقت وفات ان کی چار بیویاں تھیں اور ہر ایک بیوی کو اسی ہزار دینار میراث میں ملے۔

ان کی وفات کے بعد صحابہ میں ان کی بے اندازہ دولت کے متعلق بحث شروع ہوئی کچھ صحابہ نے کہا کہ ہمیں اس کی آخرت کا خطرہ ہے۔

کعب الاحبار (جو پہلے یہودی تھا اور بعد میں مسلمان ہوا تھا) نے کہا تمہیں اس کی آخرت کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے محنت سے یہ رزق حاصل کیا آبرو مندانہ زندگی گزاری اور باقی مال چھوڑ کر چلا گیا۔

حضرت ابو ذر غفاری کو کعب الاحبار کے اس تبصرہ کی اطلاع ملی تو سخت ناراض ہوئے اور اسے مارنے کیلئے چل پڑے۔

کعب الاحبار کو معلوم ہوگیا کہ ابو ذر اسے مارنا چاہتے ہیں تو وہ دوڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا اور ان کی پشت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اسے تلاش کرتے ہوئے حضرت ابوذر وہاں بھی پہنچ گئے اور فرمایا: یہودی کے بیٹے! تو یہ فتویٰ دینے والا کون ہوتا ہے کہ عبدالرحمان کی دولت کوئی عیب نہیں ہے۔ خدا کی قسم جنگ احد میں میں رسولؐ خدا کے ساتھ جارہا تھا تو آپؐ نے فرمایا: ابوذر! دولت مند قیامت کے دن فقیر و بے نوا ہوں گے۔ سوائے اس کے جو چاروں طرف

راہ خدا میں دولت خرچ کرے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ ابوذر! میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس کوہ احد جتنی دولت ہو اور میں اسے خدا کی راہ میں خرچ کروں اور مرتے وقت میرے پاس دو قیراط دولت باقی ہو۔

یہودی زادہ! رسول خدا تو مرتے وقت دو قیراط دولت اپنے گھر میں رکھنا پسند نہ کرتے تھے اور تو کہتا ہے کہ عبدالرحمان کی اس دولت کی اس سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی تو خوشامدی اور جھوٹا ہے۔

کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ ابوذرؓ کی بات کی تردید کرتا۔ (کلمہ طیبہ۔ ص ۱۷۷)

رسولؐ خدا ہمارے لئے کیسی زندگی پسند کرتے تھے؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کہ رسول خداؐ کا ایک صحابی تھا جس کا نام سعد تھا وہ انتہائی قلاش اور مفلس تھا اور وہ اصحابِ صُفّہ کا ایک فرد تھا۔

وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں تمام نمازیں ادا کرتا تھا۔ آپؐ سعد کی غربت سے بہت متاثر تھے اور ایک دن آپؐ نے اس سے فرمایا: جب بھی میرے ہاتھ کچھ رقم آئی تو میں تجھے بے نیاز کردوں گا۔

ایک عرصہ تک رسول کریم کے پاس کوئی رقم نہ آئی۔ آپؐ سعد کی غربت سے بہت پریشان ہوئے۔ ایک دن جبرئیل امین آئے اور عرض کی: اللہ تعالی آپ کو درود و سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپؐ سعد کی غربت دیکھ کر پریشان ہیں اور آپؐ اس سے وعدہ بھی کرچکے ہیں کہ اسے کچھ دیں گے۔ آپؐ یہ دو درہم لیں اور سعد کو دے کر کہیں کہ وہ ان سے تجارت کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو درہم لے لئے۔ نماز ظہر کا وقت ہوا تو سعد نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ آپؐ نے نماز سے فارغ ہوکر فرمایا: سعد! تجارت کرسکتے ہو؟ اس نے عرض کی: خدا کی قسم میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں بھلا تجارت کیسے کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے اسے

دو درہم دیئے اور فرمایا: جاؤ اس سے تجارت شروع کرو اللہ برکت دے گا۔ سعد نے دو درہم لئے اور اس سے خرید و فروخت شروع کی اللہ تعالی نے اس کی تجارت میں برکت دی وہ مٹی میں ہاتھ ڈالتا تو بھی اسے نفع حاصل ہوتا۔

آہستہ آہستہ اس کی مالی حالت بہتر ہونے لگی۔ اس نے مسجد کے دروازے پر ایک دوکان حاصل کرلی اس میں اپنا سامان رکھنے لگا۔ پھر نوبت یہاں تک آپہنچی کہ حضرت بلال اذان کہتے اور رسول مقبول اپنے گھر سے تیار ہوکر مسجد پہنچ جاتے لیکن سعد خرید و فروخت میں مصروف رہتا تھا گو کہ تجارت شروع کرنے سے پہلے وہ اذان سے بھی پہلے وضو کرکے مسجد میں پہنچ جایا کرتا تھا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سعد! دنیا نے تجھے مصروف کردیا ہے اور دولت نے تجھے نماز سے غافل کردیا ہے۔

سعد نے کہا: تو کیا میں اپنے مال کو ضائع کردوں؟ اس شخص کے ہاتھ میں نے جنس بیچی ہے ابھی اس سے قیمت لینی ہے اور اس شخص سے قیمت لے چکا ہوں لیکن اسے جنس دینی ہے۔

پیغمبر اسلام سعد کی دنیا طلبی کو دیکھ کر پریشان ہوئے۔ ایک مرتبہ جبرئیلؑ امین نازل ہوئے اور عرض کی اللہ تعالی فرماتا ہے کہ آپؐ سعد کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہیں۔ اگر آپؐ اس کی دولت مندی کو پسند کرتے ہیں تو ہم اسے دولت مند ہی رہنے دیتے ہیں، اگر آپؐ اس کی غربت و ناداری پسند کرتے ہیں تو ہم اسے سابقہ حالت پر لوٹائے دیتے ہیں۔

رسول کریمؐ نے فرمایا: پروردگار! سعد مجھے پیارا ہے لیکن یہ روز بروز دنیا کی دلدل میں پھنستا جارہا ہے۔ یوں اس کی آخرت تباہ ہورہی ہے اور میں اس کی آخرت یوں تباہ ہوتے ہوئے برداشت نہیں کرسکتا۔

جبرئیلؑ نے کہا: پھر آپؐ اس سے دو درہم جو آپ نے اسے دیئے تھے طلب فرمائیں۔ رسول خداؐ سعد کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: سعد! کیا تم ہمیں ہمارے دو درہم واپس نہیں کرو گے؟

سعد نے کہا: میں دو سو درہم دینے کے لئے تیار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں مجھے صرف دو درہم چاہئیں۔

سعد نے آپؐ کو دو درہم دیدیئے اس کے بعد اسے کاروبار میں مسلسل خسارہ اٹھانا پڑا چند دنوں بعد وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا۔ حیات القلوب، ج ۱۔ ص ۵۷۸

رزقِ حلال کی تلاش اور تلوار سے جنگ

ابو جعفر فزاری کہتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو جس کا نام مصادف تھا، بلایا اور فرمایا: میرے خاندان کے افراد زیادہ ہوگئے ہیں اسی لئے میں کچھ تنگی رزق محسوس کرتا ہوں۔ تم مجھ سے ایک ہزار دینار لو اور اس سے سامان تجارت خرید کر مصر جاؤ۔

مصادف نے سامان تجارت خرید کیا اور تاجروں کے ساتھ مصر روانہ ہوا۔ جب یہ کارواں مصر کے قریب پہنچا تو مصر سے آنے والے تاجروں کے کارواں سے ان کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے اپنے سامان کی قیمت کے متعلق ان سے تبادلہِ خیالات کیا۔

مصر سے آنے والے قافلہ نے بتایا کہ جو سامان تمہارے پاس ہے۔ مصر کے بازار میں یہ سامان اس وقت نایاب ہے۔ اس لئے تمہارا سامان فوراً بک جائے گا۔ تاجروں نے یہ سن کر آپس میں عہد کیا کہ ہم اپنے سامان کو دوگنی قیمت پر فروخت کریں گے، اس سے کم کسی صورت اپنا سامان نہیں بیچیں گے۔ چنانچہ تاجروں کا کارواں مصر میں گیا اطلاع کے مطابق وہاں بازار میں ان کے سامان کی قلت تھی لہذا

لوگوں نے دھڑا دھڑ سامان لینا شروع کیا اور تاجروں نے باہمی معاہدہ کے تحت دوگنی قیمت پر اپنا سامان فروخت کیا۔

چند دنوں کے بعد آپؑ کا غلام مصادف آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو تھیلیاں آپؑ کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کی یہ ایک ہزار دینار آپؑ کا اصل سرمایہ ہے اور دوسری تھیلی میں ایک ہزار دینار منافع ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: مگر یہ منافع تو بہت زیادہ ہے تم نے اتنا منافع کیسے کمالیا؟

غلام نے واقعہ کی پوری تفصیل سنائی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: "سبحان الله تحلفون علی قوم مسلمین الا تبیعوهم الاربح الدینار دینارا" سبحان اللہ تم مسلمان قوم کیلئے قسم کھاتے ہو کہ دینار کے بدلے دینار منافع حاصل کرو گے۔

پھر آپؑ نے اصل سرمایہ والی تھیلی اٹھالی اور دوسری تھیلی کو غرباء و مساکین میں تقسیم کردیا اور فرمایا: "مجادلة السیوف اهون من طلب الحلال" تلواروں کی لڑائی رزق حلال تلاش کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ (فروع کافی، ج ۵۔ ص ۱۶۱)

حقیقی بادشاہ

خلیل بن احمد عروضی کا تعلق خاندان عصمت کے دوستوں سے ہے۔ اور یہ وہی شخصیت ہے جس نے علم عروضی کی ابتداء کی۔

خلیل عروضی انتہائی بلند ہمت اور پارسا طبعیت کے مالک تھے۔ اور ان کی پوری زندگی غربت و تنگدستی میں بسر ہوئی۔

نضر بن شمیل کہا کرتا تھا کہ خلیل بصرہ کے محلات میں غربت کی زندگی بسر کرتا تھا جب کہ اس کے شاگرد اور اس کی خوشہ چین اس کی بدولت لاکھوں میں کھیلتے تھے۔

سلیمان بن علی عباسی اہواز کے گورنر تھے۔ انہوں نے خلیل کے پاس اپنا قاصد روانہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے بیٹے کو پڑھانے کیلئے اہواز تشریف لائیں۔

خلیل نے قاصد کے آگے جو کی خشک روٹی پیش کی اور کہا: آپ محسوس نہ کریں میرے گھر میں اس خشک روٹی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے ورنہ میں آپ کی بہتر خاطر تواضع کرتا۔

جب قاصد کھانا کھا چکا تو اس سے خلیل نے کہا کہ گورنر سے کہنا کہ جب تک یہ سوکھی روٹی مجھے مل رہی ہے میں کسی کے دروازے پر نہیں آسکتا۔

قاصد نے کہا بہتر ہے کہ آپ اپنا جواب لکھ کر میرے حوالے کردیں۔ تو خلیل نے یہ شعر لکھ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

ابلغ سلیمان انی عنه فی سعة
وفی غنی عنیرانی لست ذامال
شحابنفسی انی لااری احدا
یموت هزلا ولا یبقی علی حال
والفقر فی النفس لافی المال نعرفه
ومثل ذاك الغنی فی النفس لاالمال
فالرزق عن قدرلا العجزینقصه
ولا یزیدك فیه حول محتال

سلیمان سے کہو کہ میں اس سے بے نیاز ہوں اگرچہ میں دولت مند نہیں ہوں میں اپنے نفس کے متعلق حرص و آز کا شکار ہوں ورنہ آج تک کوئی لاغری سے کبھی نہیں مرا اور نہ ہی حالات یکساں رہتے ہیں۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ فقیر وہ ہے جس کا نفس فقیر ہے، مال نہ رکھنے والا فقیر نہیں ہے۔ اور دولت مند بھی وہی ہے جس کا نفس امیر ہو، دولت اکٹھی کرنے والا ہر شخص دولت مند نہیں ہوتا۔ رزق و روزی کے فیصلے ہو چکے ہیں کسی کی ناتوانی رزق میں کمی نہیں کرتی اور کسی عقل مند کی کوشش اس میں اضافہ نہیں کرتی۔

روایت ہے کہ جب اہواز کے گورنر کو خلیل کا جواب ملا تو اس نے خلیل کو خط لکھا اور خط کے ذریعہ پوچھا کہ تمہارے پاس ایسی کون سی دولت ہے جس نے تمہیں بے نیاز کردیا ہے؟

اس کے جواب میں خلیل نے یہ شعر لکھ کر بھیج دیئے۔

للناس مال ولی مالان مالهما
اذا اتحارس اهل المال حراس
مالی الرضا بالذی اصبحت املکه
ومالی الیأس عما حازه الناس

لوگوں کے پاس ایک مال ہے اور میرے پاس دو قسم کی دولت موجود ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ لوگ اپنی دولت پر پہرہ دیتے ہیں اور مجھے پہرہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

میری پہلی دولت میری رضا ہے جو کچھ میرے پاس ہے میں اس پر راضی ہوں اور میری دوسری دولت لوگوں کے مال سے مایوسی ہے۔

کیمیائی ترا بیا موزم
کہ در اکسیر و درصناعت نیست
روقناعت گزین کہ درعالم
ہیچ گنجی بہ از قناعت نیست

میں تمہیں ایک کیمیا کی تعلیم دینا چاہتا ہوں اور ایسا کیمیا کسی اکسیر و صنعت میں تمہیں نہیں ملے گا۔

جاؤ قناعت اختیار کرو کیونکہ دنیا میں قناعت سے بہتر کوئی خزانہ نہیں ہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری اور معاویہ

عظیم محدث شیخ عباس قمی اس داستان کے بعد لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیل بصری حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے پیروکار تھے۔ ان کے متعلق مسعودی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری معاویہ کے پاس دمشق گئے اور انہوں نے معاویہ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ کئی دن تک معاویہ نے ان سے ملاقات نہ کی۔ جب ان کی معاویہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا: کہ معاویہ! کیا تو نے پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث نہیں سنی "من حجب ذافاقة وحاجة حجبه الله تعالى يوم فاقته وحاجته" جو کوئی حاجت مند کو حاجت پیش کرنے سے روک دے تو قیامت کے دن اللہ اس کی حاجات کو پورا ہونے سے روک لیگا۔

یہ حدیث سن کر معاویہ ناراض ہوا اور کہا: میں نے یہ حدیث سنی ہے اور جابر! کیا تم گروہ انصار نے رسولؐ خدا کی اس حدیث کو بھلا دیا ہے "انكم ستلقون بعدى عثرة فاصبروا حتى تردوا على الحوض" میرے بعد تمہیں تکالیف اٹھانی پڑیں گی تم صبر کرنا یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر پہنچ جاؤ۔

جابر نے کہا: ہاں میں نے یہ حدیث سنی تھی تو معاویہ نے کہا: پھر تم نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے صبر کیوں نہ کیا؟

جابر نے کہا: معاویہ تو نے مجھے ایک بھولی ہوئی حدیث یاد دلائی ہے۔ پھر جابر اونٹ پر سوار ہوکر دربار معاویہ سے چلے گئے۔ معاویہ نے ان کیلئے چھ سو دینار سرخ روانہ کئے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیئے کہ میں جوانمردی پر دولت کو

ترجیح نہیں دوں گا اور معاویہ کے قاصد سے فرمایا: کہ تم جاکر معاویہ سے کہدو کہ اے ہندہ جگر خوار کے بیٹے! خدا کی قسم تو اپنے نامۂ اعمال میں ایسی نیکی کبھی نہیں دیکھے گا جس کا سبب میں ہوں۔ (سفینۃ البحار لفظ خلل)

ابوذر کا فقرِ غیوّر

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کہ حضرت عثمان نے دو غلاموں کے ہاتھ ابوذر غفاری کے پاس دو سو دینار روانہ کئے۔

غلاموں نے ابوذر سے کہا کہ عثمان تمہیں سلام کہتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ دو سو دینار آپ اپنی ضرورتوں میں خرچ کریں۔

حضرت ابوذر نے جواب دیا: مجھے یہ بتاؤ کہ کیا ہر مسلمان کو دو سو دینار خزانے سے مل چکے ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

ابوذر نے کہا: تو میں بھی ایک عام مسلمان ہوں جب دوسرے مسلمانوں کو کچھ نہیں ملا تو تم مجھے یہ رقم کیوں دینے آئے ہو؟

غلاموں نے کہا: عثمان کہتے ہیں کہ یہ رقم بیت المال کی نہیں ہے یہ میرے ذاتی مال میں سے ہے اور اس میں حرام کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔

ابوذر نے کہا: مجھے اس دولت کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں اس وقت آسودہ حال ہوں۔

غلاموں نے کہا: ہمیں تو آپ کے گھر میں کچھ دکھائی نہیں دیتا مگر اس کے باوجود آپ آسودہ حالی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

ابوذر نے ایک چادر اٹھائی اس کے نیچے دو خشک روٹیاں تھیں۔ غلاموں کو روٹیاں دکھا کر فرمایا: ابھی تک میرے گھر میں یہ روٹیاں اور نمک موجود ہے۔

اور میری سب سے بڑی دولت علیؑ اور اسکے خاندان کی محبت ہے جسنے مجھے ہر

چیز سے بے نیاز کردیا ہے۔ تم واپس چلے جاؤ مجھے عثمان کی دولت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں خدا کی عدالت میں اسے گھسیٹوں گا۔ (سفینۃ البحار درذیل لفظ قطع)

آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے بغداد کی جامع منصوری میں نماز پڑھی۔ پھر میں نے ایک نابینا شخص کو دیکھا جس نے پھٹا ہوا لباس پہنا ہوا تھا اور صدا دے کر کہہ رہا تھا: لوگو! مجھے خیرات دو۔ میں کل تک امیر المؤمنین تھا اور آج گداگر ہوں۔

میں نے پوچھا: یہ کون ہے تو لوگوں نے بتایا یہ قاہر باللہ عباسی ہے۔

کتاب اخبار الدول میں مرقوم ہے کہ مستکفی باللہ نے معزالدولہ دیلمی کو سند امارت لکھ کردی۔ اور اس کے نام سکہ جاری کرنے کا حکم دیا اور خطباء کو حکم دیا کہ وہ جمعہ اور عیدین میں معزالدولہ کے نام کا خطبہ پڑھیں۔

چند دن بعد معزالدولہ کو خبر ملی کہ مستکفی اسے امارت سے معزول کرنا چاہتا ہے، چنانچہ معزالدولہ بغداد آیا اور مستکفی کے دربار میں گیا۔ مستکفی کے ہاتھوں کو چوما اور مخصوص کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد دو دیلمی دربار میں آئے انہوں نے ہاتھ آگے بڑھائے مستکفی سمجھا کہ شاید یہ میرا ہاتھ چومنا چاہتے ہیں۔ لہذا اس نے بھی اپنا ہاتھ دراز کیا۔ انہوں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر تخت سے اتار لیا۔ شاہی خلعت اتارلی۔ اس کی گردن میں اس کی پگڑی ڈالدی اور اسے ذلیل کرکے دربار سے نکالا اور پھر اسی پر بس نہ کی بلکہ سلائی گرم کرکے اس کی آنکھوں میں پھیری گئی جس سے وہ نابینا ہوگیا اور پھر اسے خلافت سے معزول کردیا گیا۔

اس وقت بغداد میں تین معزول اور نابینا خلفاء موجود تھے۔ قاہر باللہ عباسی، متقی باللہ عباسی اور مستکفی باللہ عباسی۔ (تتمۃ المنتہیٰ۔ ص ۳۰۶)

چند روایات

عن ابی عبداللهؑ قال من صحة يقين المرء المسلم ان لايرضی الناس بسخط الله ولا يلومهم علی مالم يؤته الله فان الرزق لايسوقه حرص حريص ولا يرده كراهية كاره ولوان احدكم فرمن رزقه كمايفرمن الموت لادركه رزقه كما يدركه الموت ثم قال ان الله بعد له وقسطه جعل الروح والراحة فی اليقين والرضا وجعل الهمّ والحزن فی الشك والسخط.

(وسائل کتاب جہاد، ص ۔ ۴۹۶)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مرد مسلم کے یقین کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اللہ کو ناراض کرکے لوگوں کو راضی نہ کرے اور جو اللہ نے اسے عطا نہیں کیا اس پر لوگوں کو ملامت نہ کرے۔ کیونکہ حریص کا حرص رزق کے لانے کا سبب نہیں بنتا اور نہ لوگوں کی ناراضگی رزق کو دور کرسکتی ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص رزق اور موت سے بھاگنا چاہے تو بھی اسے رزق مل کر رہے گا اور موت آکر رہے گی۔ پھر آپؑ نے فرمایا: اللہ نے اپنے عدل و انصاف سے آرام و راحت کو یقین اور رضا میں قرار دیا اور غم و حزن کو شک اور عدم رضا میں رکھا۔

قال الصادقؑ لاتحرص علی شئ لوتركته لوصل اليك و كنت عند الله مستريحا محمودا بتركه ومذموما باستعجالك فی طلبه وترك التوكل عليه والرضا بقسمه فان الدنيا خلقها الله تعالیٰ بمنزلة ظلك ان طلبته اتعبك ولا تلحقه ابدا وان تركته يتبعك وانت مستريح منه.

(سفینۃ البحار۔ ص ۲۴۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایسی چیز کی حرص نہ کرو جسے تم چھوڑ دو تو وہ تم تک پہنچ جائے اور جس کے چھوڑنے کی وجہ سے تمہیں راحت نصیب ہو

اور جس کے چھوڑنے کی وجہ سے تم اللہ کے نزدیک لائق تعریف قرار پاؤ۔ اور جس کی جلد بازی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک تم قابل مذمت ٹھہرو۔ اور توکل کو ترک کرنے اور اللہ کی تقسیم پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے مذموم ہو۔ تمہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ نے دنیا کو تمہارے سایہ کی مانند قرار دیا ہے۔ اگر تم اپنے سایہ کے پیچھے دوڑو گے تو تھک جاؤ گے اور اسے کبھی پا نہیں سکو گے اور اگر تم اس سے منہ موڑ لو گے تو وہ تمہارے پیچھے آئے گا اور تمہیں راحت نصیب ہوگی۔

فی روایة قال النبیؐ الحریص بین سبع آفات صعبة فکر یضر ببدنه ولا ینفعه وهم لا یتم اقصاه وتعب لا یستریح منه الا عندالموت ویکون عندالراحة اشدّ تعبا و خوف لا یورثه الاّ الوقوع فیه وحزن قد کدر علیه عیشه بلا فائدة و حساب لا یخلصه من عذاب اللّه الا ان یعفو اللّه عنه و عتاب لا مفرله ولا حیلة۔

(مستدرک الوسائل، ج ۲۔ ص ۳۳۵)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حریص ہمیشہ سات آفات میں مبتلا رہتا ہے۔

۱۔ مسلسل فکر جو اس کے جسم کیلئے مضر ہے۔
۲۔ مسلسل کوشش جس کی انتہا نہیں ہے۔
۳۔ رنج و تھکاوٹ مرنے سے پہلے جس سے رہا ہونا اس کیلئے ممکن نہیں ہے، راحت کے وقت بھی اسے زیادہ رنج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
۴۔ بے جا خوف کہ نعمت و دولت کب زائل ہو جائے۔
۵۔ غم جو اس کی زندگی کو مکدر کئے رہتا ہے۔
۶۔ سخت حساب جس سے اللہ کی مہربانی اور بخشش کے سوا رہائی پانا ناممکن ہے۔
۷۔ وہ عذاب جس سے کوئی راہ فرار نہیں ہے۔

قال ابو جعفرؑ مثل الحریص علی الدنیا کمثل دودة القز کلما ازدادت علی نفسها لفا کان ابعد لها من الخروج حتی تموت غما۔

(وسائل کتاب جہاد۔ ص ۵۲۱)

امام ابو جعفر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دنیا کے حریص کی مثال ریشم کے کیڑے کی سی ہے وہ جتنا زیادہ ریشم میں لپٹتا ہے اتنا ہی اس کے نکلنے کی راہ مسدود ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی تکلیف کی وجہ سے جان دے دیتا ہے۔

باب ششم

حسد کی تباہ کاریاں

حاسد کا انجام

معتصم باللہ مشہور عباسی خلیفہ گزرا ہے۔ ایک بادیہ نشین سے اس کی دوستی ہوگئی اور دوستی اس قدر مستحکم ہوئی کہ وہ دیہاتی اجازت کے بغیر اسے ہر وقت مل سکتا تھا۔ اس دیہاتی کی عادت تھی وہ ہمیشہ یہ الفاظ کہا کرتا تھا: خدایا نیک کو جزا دے اور برے کو سزا دے۔

معتصم کا ایک وزیر نہایت تنگ نظر تھا۔ معتصم سے دیہاتی کی یہ دوستی اسے ایک آنکھ نہ بھاتی اور وہ دل میں سوچا کرتا کہ اگر اس دیہاتی کا اثر رسوخ مزید بڑھ گیا تو ممکن ہے کہ خلیفہ مجھے معزول کر کے میری جگہ اس دیہاتی کو ہی کہیں اپنا وزیر نہ بنالے۔

چنانچہ وہ اپنے ذہن میں ہمیشہ اس کو رسوا کرنے کے بہانے تراشا کرتا تھا۔

آخر کار اس نے دیہاتی سے دوستی کر لی اور اسے اپنی گھر دعوتِ طعام دے ڈالی۔

دیہاتی اس کے گھر گیا کھانا کھایا۔ سالن میں لہسن زیادہ ڈالا گیا تھا۔ جب دیہاتی کھانے سے فارغ ہوا تو وزیر نے اس سے پوچھا کہ اب وہ کہاں جائے گا۔

دیہاتی نے کہا: میں خلیفہ کے دربار جاؤں گا۔

وزیر نے اس سے کہا: تم نے جو سالن کھایا ہے اس میں لہسن زیادہ تھی اور

بادشاہ کو لہسن کی بو سے نفرت ہے لہذا جب تم دربار میں جاکر بیٹھو تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا۔

اس کے بعد وہ وزیر اس دیہاتی کے جانے سے پہلے خلیفہ کے پاس پہنچا اور کہا کہ آپ نے اس جاہل دیہاتی کو خواہ مخواہ سر پر چڑھایا ہوا ہے جبکہ اس کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگوں میں کہتا رہتا ہے کہ خلیفہ کے منہ سے ہر وقت بدبو آتی ہے اور میں اس بدبو سے بہت تنگ ہوتا ہوں۔ کچھ دیر بعد دیہاتی معتصم کے دربار میں داخل ہوا اور خلیفہ کے نزدیک ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ مگر آج اس نے خلافِ معمول منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ خلیفہ کو یہ دیکھ کر وزیر کی بات کا یقین آگیا۔

خلیفہ نے ایک رقعہ لکھ کر اسے لفافہ میں بند کیا اور اس پر اپنی مہر لگائی پھر وہ رقعہ اپنے دیہاتی دوست کو دے کر کہا: تم یہ رقعہ لے کر فلاں کے پاس چلے جاؤ۔

دیہاتی وہ رقعہ لے کر جارہا تھا کہ راستے میں وزیر سے ملاقات ہوئی۔ وزیر نے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو؟

اس نے بتایا کہ خلیفہ کا رقعہ لے کر فلاں حکومت کے کارندے کے پاس جارہا ہوں وزیر سمجھا کہ ہو نہ ہو اس رقعہ میں خلیفہ نے اس کیلئے انعام کی سفارش کی ہے۔ لہذا وزیر نے اس سے کہا: تم یہ رقعہ خود لے کر نہ جاؤ۔ یہ رقعہ مجھے دے دو میں تمہاری جگہ چلا جاتا ہوں۔

دیہاتی نے جتنا انکار کیا وزیر کا اصرار اتنا ہی بڑھتا گیا آخر کار وزیر نے دو ہزار دینار کے عوض اس سے رقعہ حاصل کر لیا۔

دیہاتی رقم لے کر اپنے گھر چلا گیا اور وزیر نے وہ رقعہ متعلقہ شخص کو پہنچادیا۔ رقعہ میں تحریر تھا کہ اس بے ادب کا سر قلم کردیا جائے۔

چنانچہ حکم کی فوری تعمیل ہوئی اور خلیفہ کے ملازم نے بے دریغ وزیر کا سر

قلم کر دیا خلیفہ کو وزیر چند روز تک جب دکھائی نہ دیا تو اس نے وزیر کے متعلق پوچھا کہ ہمارا وزیر کہاں ہے؟

درباریوں نے بتایا: آپ نے خود رقعہ لکھ کر اسے دیا تھا اور وہ قتل ہو گیا ہے۔

خلیفہ نے کہا: اس دیہاتی کا تمہیں کوئی پتہ ہے؟ تو انہوں نے بتایا: جی ہاں وہ شہر آیا ہوا ہے۔ خلیفہ نے کہا: اسے میرے سامنے پیش کیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد دیہاتی خلیفہ کی سامنے کھڑا تھا۔ خلیفہ نے اس سے واقعات کی تفصیل دریافت کی تو اس نے سارا قصہ سنایا۔ پورا واقعہ سن کر معتصم باللہ نے کہا: "قتل اللہ الحسد بدء بصاحبہ" خدا حسد کو برباد کرے اس نے حاسد سے ہی ابتداء کی۔

اسی لئے بزرگوں سے ایک ضرب المثل چلی آتی ہے۔

چاہ کندہ را چاہ درپیش

یعنی جو دوسرے کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ (ثمرۃ الاوراق لابن حجہ حموی)

امام علی نقی علیہ السلام سے حسد

متوکل عباسی کے جسم کے حساس مقام پر پھوڑا نکلا اور وہ پھوڑا کسی طرح سے پھٹنے میں نہ آیا۔ متوکل کو سخت درد محسوس ہوتا تھا اور درد کی وجہ سے اس کی چیخیں نکلتی تھیں۔

معالجین شاہی نے بڑے بڑے علاج کئے لیکن کسی طور سے بھی شفا نہ ملی۔

متوکل کی ماں کو امام علی نقیؑ سے ارادت تھی۔ اس نے ایک غلام کو امامؑ کی خدمت میں روانہ کیا اور امامؑ سے کسی مؤثر دوا کا سوال کیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کہ بکریوں کی وہ مینگنیاں جو ان کے اپنے پاؤں سے پامال ہوئی ہوں لے کر اس میں عرق گلاب اور بکریوں کے گھی کی آمیزش کر کے پھوڑے پر باندھ دیا جائے۔

جب معالجین نے یہ نسخہ سنا تو ہنسنے لگے اور کہا: یہ بھی کوئی دوا ہے۔

متوکل کی ماں نے معالجوں کو ہٹا دیا اور خود ہی یہ نسخہ تیار کر کے اپنے بیٹے کے پھوڑے پر باندھا۔ خدا کی قدرت سے درد تو اسی وقت رک گیا اور کچھ دیر بعد پھوڑا خود خود پھٹ گیا اور اس میں سے بکثرت فاسد مواد نکلا۔

چند دنوں میں متوکل صحت یاب ہو گیا۔ اس نے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں دس ہزار دینار کی مہر لگی ہوئی تھیلی بطور نذرانہ بھیجی۔

چند دنوں کے بعد حاسدوں نے متوکل سے کہا کہ آپ نے جو دس ہزار دینار امام علی نقی علیہ السلام کے پاس بھیجے تھے۔ امامؑ ان سے اسلحہ خرید رہے ہیں اور اپنی ایک فوج تیار کر رہے ہیں اور انہیں جیسے ہی موقع ملا وہ آپ کے خلاف خروج کر دیں گے۔

متوکل حاسدوں کی باتیں سن کر بدگمان ہو گیا۔

ایک رات اس نے وزیر دربار سعید کو بلا کر کہا کہ تم اس تاریکی میں اپنے ساتھ چند فوجی جوان لے کر امام علی نقی کے گھر داخل ہو جاؤ اور ان کے سارے گھر کی تلاشی لو اور اگر تمہیں کہیں اسلحہ نظر آئے تو فوراً میرے سامنے پیش کرو۔

سعید حاجب اپنے ساتھ فوجی دستہ لے کر چلا اور سیڑھی لگا کر امام کے صحن میں داخل ہو گیا۔ رات تاریک تھی اسے یہ فیصلہ کرنے میں دقت ہو رہی تھی کہ وہ پہلے کون سے کمرے کی تلاشی لے۔ اتنے میں امام علی نقی علیہ السلام کی آواز آئی: سعید وہیں رک جاؤ میں تمہارے لئے چراغ بھیجتا ہوں۔

یہ سن کر سعید متعجب ہوا کہ امام نے مجھے کیسے پہچان لیا۔ اتنے میں ایک غلام چراغ لئے ہوئے آیا، اس کے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا تھا۔ غلام نے کہا کہ امام فرمارہے ہیں تم پورے سکون سے میرے گھر کی تلاشی لو اور جتنے بھی تمہیں ہتھیار نظر آئیں وہ حاکم کے پاس روانہ کرکے آخر میں میرے پاس آجاؤ۔

غلام نے ایک ایک کرکے تمام کمروں کو کھولا۔ ان میں سے کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ آخر میں غلام سعید کو لے کر آپؑ کے مقام عبادت پر لے آیا۔ جہاں ایک پرانی چٹائی بچھی ہوئی تھی اور امام اس پر عبادت الٰہی میں مصروف تھے، آپؑ کے ایک پہلو میں ایک تلوار جو نیام میں بند تھی رکھی ہوئی تھی اور آپؑ کے دوسرے پہلو میں خلیفہ کی مہر لگی ہوئی تھیلی رکھی ہوئی تھی۔

امام علی نقیؑ نے فرمایا: سعید دیکھ لو اسباب سلطنت میں سے ہمارے پاس صرف ایک تلوار ہے اور ایک اشرفیوں کی تھیلی ہے جو چند روز قبل حاکم نے خود بھیجی تھی اور میں نے تو اس تھیلی کو ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا۔ تم یہ تھیلی اور تلوار لے کر حاکم کے پاس جاؤ اور اسے صورت حال سے آگاہ کرو۔

متوکل نے سعید کی زبانی تمام حالات سنے اور پھر اپنی بھیجی ہوئی تھیلی دیکھی جس کی مہر بھی ٹوٹی ہوئی نہ تھی تو بڑا شرمندہ ہوا اور حاسدین کو سزائیں دیں اور پھر اس تھیلی کے ساتھ ایک اور تھیلی بھی امام علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کی۔ (لطائف الطوائف۔ ص ۵۸)

حسد نے آدمؑ کو جنت سے بے دخل کیا

شیخ صدوق رحمتہ اللہ علیہ نے عیون اخبار الرضا میں ابوصلت ہروی سے روایت کی کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: آدمؑ و حواؑ کو جس درخت سے روکا گیا تھا وہ کون سا درخت تھا۔ کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ

گندم کا درخت تھا اور بعض لوگ اسے انگور کا درخت بتاتے ہیں اور بعض لوگ اسے شجرۂ حسد کہتے ہیں۔ اصل حقیقت سے مجھے آگاہ فرمائیں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: یہ سب باتیں درست ہیں۔

ابوصلت کہتے ہیں میں نے عرض کی: مولا! سب باتیں کیسے درست ہیں تو آپؑ نے فرمایا: ابوصلت! جنت کے درخت دنیا کے درختوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ ان میں ایسے درخت بھی ہیں جس پر دو طرح کا پھل لگتا ہے۔ جنت میں ایسے درخت ہیں جن پر بیک وقت گندم کا خوشہ اور انگور کا گچھا لگتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو عظمت عطا کی اور انہیں مسجود ملائک کا شرف عطا فرمایا تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھ سے بہتر اللہ نے کسی کو پیدا ہی نہیں کیا۔ اللہ نے آدمؑ کے خیال کو جان کر انہیں خطاب کیا: آدمؑ! اپنے سر کو بلند کرکے ساق عرش کی طرف نگاہ کرو۔ جب آدمؑ نے نگاہ کی تو ساق عرش پر یہ جملے لکھے ہوئے پائے۔ "لا اله الا الله محمد رسول الله علی بن ابی طالب امیر المؤمنین و فاطمة سیدة نساء العالمین والحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة من الخلق اجمعین"

اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، علیؑ ابن ابی طالب مؤمنوں کے امیر ہیں اور فاطمہؑ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؑ و حسینؑ تمام مخلوقات کے جوانان جنت کے سردار ہیں۔

آدم علیہ السلام نے پوچھا: خدایا! یہ کون ہیں؟

آواز قدرت آئی: یہ تمہاری نسل میں ہیں لیکن وہ تم سے اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ "لولاهم ماخلقتك ولا خلقت الجنة ولا النار ولا السماء ولا الارض فاياك ان تنظر اليهم بعين الحسد وتمنى منزلتهم"

اگر یہ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا اور جنت و دوزخ اور زمین و آسمان کو

پیدا نہ کرتا۔ خبردار انہیں حسد سے نہ دیکھنا اور ان کے مقام و منزلت کی تمنا نہ کرنا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: پھر آدم علیہ السلام نے انہیں اس نگاہ سے دیکھا جس نگاہ سے دیکھنا نہیں چاہئے تھا اور اپنے لئے ان کے مقام کی تمنا کی اسی لئے شیطان ان پر مسلط ہو گیا اور انہیں شجرۂ ممنوعہ کے قریب لے گیا اور انہوں نے اس کا پھل کھایا۔ ابلیس حوّا پر بھی مسلط ہو گیا پس انہوں نے خاتون قیامت کو نگاہ حسد سے دیکھا اور ان کے مقام کی تمنا کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنت سے نکال دیا اور زمین پر انہیں رہائش دی۔ (بحار الانوار، ج۱۱۔ طبع جدید۔ ص ۱۶۴)

حضرت عیسیٰؑ اور حاسد

داؤد رقی کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا آپؑ فرماتے تھے کہ حسد سے بچو ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں سیر و سیاحت کا حکم تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ایک کوتاہ قد شاگرد کو ساتھ لے کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں دریا آگیا۔

حضرت عیسیٰؑ نے "بسم اللہ بصحة یقین منه" اللہ کے نام کے سہارے اور اس پر یقین کی صحت کے سہارے کہہ کر دریا میں قدم رکھا اور لہروں پر چلنا شروع کر دیا۔

شاگرد نے بھی استاد کی تقلید میں "بسمہ اللہ بصحة یقین منه" کہہ کر دریا میں قدم رکھا اور لہروں پر چلتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کے قریب پہنچ گیا۔ پھر وہ دل میں سوچنے لگا کہ عیسیٰؑ بھی لہروں پر چلتے ہیں اور آج میں بھی تلاطم خیز لہروں پر چل رہا ہوں۔ مجھ میں اور عیسیٰ میں کیا فرق ہے؟

یہ سوچنے کی دیر تھی کہ غوطے کھانے لگا اور عیسیٰ کو مدد کیلئے پکارنے لگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے بازو کو پکڑا اور فرمایا: کہ تم نے کیا سوچا جس کی

وجہ سے تم ڈوبنے لگے؟

شاگرد نے کہا: میں آپ کے پیچھے لہروں پر چلتا ہوا آرہا تھا کہ دل میں سوچنے لگا کہ عیسیٰؑ کو مجھ پر کیا فضیلت حاصل ہے جبکہ ہم دونوں ہی لہروں پر چل رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: بندۂ خدا تو نے بلند پرواز شروع کر دی اور اپنے نفس کی تعریف کی اسی لئے تجھ پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ اللہ کے حضور توبہ کر تاکہ تجھے سابقہ مقام دوبارہ مل سکے۔ اس نے فوراً توبہ کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے چلنے لگا۔ پھر امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا سے ڈرو اور حسد سے پرہیز کرو اور یاد رکھو حسد کی بنیاد خود پسندی پر ہے۔

حسد میں کتنی قوت موجود ہے؟

موسیٰ ہادی کے عہد حکومت میں بغداد میں ایک دولت مند شخص رہتا تھا جس کا ہمسایہ ہمیشہ اس سے حسد کیا کرتا تھا۔ لیکن اس کے حسد کا دولت مند کی ذات پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

حاسد نے اپنے جذبۂ حسد کو تسکین دینے کیلئے ایک لڑکا بازار سے خریدا اس کی خوب تربیت کی یہاں تک کہ وہ جوان ہو گیا۔

ایک دن اس نے غلام کو بلا کر کہا: بیٹا میں نے تم سے ایک کام کرانا ہے بتاؤ سر انجام دو گے؟

غلام نے کہا: یہ بھی پوچھنے کی بات ہے آپ جو حکم کریں گے میں اس کی تعمیل کروں گا اگر آپ مجھے دریا یا آگ میں بھی چھلانگ لگانے کا حکم دیں تو بھی میں آپ کے فرمان کی تعمیل کروں گا۔

غلام کی وفاداری کو دیکھ کر اس نے اسے سینے سے لگایا، اس کی پیشانی کو چوما اور کہا: مجھے امید ہے کہ تم میرے کہنے پر عمل کرو گے۔

غلام نے کہا: آپ حکم تو کریں میں آپ کے حکم کی ہر حال میں تعمیل کروں گا۔

مالک نے کہا: ابھی اس حکم کا وقت نہیں آیا۔ ایک سال بعد میں تمہیں اپنا کام بتاؤں گا۔

ایک سال گزر گیا۔ تو اس نے غلام کو بلایا اور کہا: بیٹا میری تمنا یہ ہے کہ میرا یہ دولت مند ہمسایہ قتل ہونا چاہئے۔

غلام نے کہا: تو کوئی بات نہیں میں اسے قتل کردوں گا۔

مالک نے کہا: نہیں میں اسے تمہارے ہاتھوں قتل نہیں کرانا چاہتا۔ ممکن ہے کہ تم اسے قتل نہ کرسکو اور مجھ پر اس کا الزام آجائے گا۔ میں نے اسے قتل کرانے کا ایک اور منصوبہ سوچ رکھا ہے اور تم سے میری درخواست یہی ہے کہ تم میرے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرو۔

میں نے سوچا ہے کہ تم مجھے ہمسایہ کی چھت پر لے جاؤ اور وہاں مجھے قتل کردو اور جب میری لاش ہمسائے کی چھت سے برآمد ہوگی تو میرے ورثاء عدالت کے ذریعہ سے قصاص کا مطالبہ کریں گے اس طرح سے وہ شخص قتل ہونے سے نہیں بچ سکے گا۔

غلام نے جب یہ عجیب و غریب ترکیب سنی تو اسے سخت تعجب ہوا۔ اور مالک سے کہا کہ وہ اس تجویز سے باز آجائے جس میں اس کی اپنی ہلاکت تو لازمی ہے اور دوسرے کی ہلاکت غیر یقینی ہے۔

مگر وہ شخص اپنی اس تجویز پر جما رہا اور غلام کو مجبور کیا کہ وہ اس حکم پر عمل کرے۔ یہاں تک کہ اس نے غلام کو راضی کر لیا۔ رات کے پچھلے پہر اس نے غلام کو بیدار کیا اور تیز چھری اس کے ہاتھ میں تھمائی اور اسے لے کر ہمسایہ کی

چھت پر آگیا وہ چھت پر لیٹ گیا اور غلام نے چھری سے اس کا کام تمام کردیا اور چھت سے اتر کر گھر میں آکر سوگیا۔ صبح ہوئی تو گھر والوں نے اسے موجود نہ پاکر اس کی تلاش شروع کی۔ آخرکار ظہر کے وقت اس کی لاش دولت مند ہمسائے کی چھت سے برآمد ہوئی۔ انہوں نے قاضی کے پاس قتل کا مقدمہ دائر کیا۔ قاضی نے مالک مکان کو اپنی عدالت میں طلب کیا۔

مالک مکان نے صحت جرم سے انکار کردیا لیکن قاضی نے اسے جیل بھیج دیا۔

کچھ دنوں کے بعد غلام بغداد چھوڑ کر اصفہان چلا گیا۔ وہاں اسے اس کا ایک دوست ملا۔ اس نے چند گواہوں کے سامنے اس واقعہ کا اقرار کیا تو انہوں نے والی اصفہان کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ اصفہان کے والی نے غلام کو گرفتار کرکے بغداد بھیج دیا۔ جہاں اسے اس قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا جس کے پاس مقتول کا مقدمہ چل رہا تھا۔ قاضی نے غلام کے بیان کو سنا تو اس نے قیدی کو رہا کردیا اور غلام کو بھی آزاد کردیا۔

یوں ایک حاسد اپنے انجام کو پہنچا۔

دنیا میں پہلا قتل حسد کی وجہ سے ہوا

سلیمان بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق کی خدمت میں عرض کی: میں آپ پر قربان جاؤں لوگ گمان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی بیٹی سے کی تھی۔

آپ نے فرمایا: یہ جھوٹ ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر آدم نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بیٹے سے کی ہوتی تو میں بھی زینب کی شادی قاسم سے کردیتا اور آدم کی سنت سے روگردانی نہ کرتا۔

راوی کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ لوگ کہتے ہیں کہ قابیل نے ہابیل کو قتل اسی لئے کیا تھا کہ قابیل کی بہن بدصورت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ اس کی شادی

ہابیل کی بہن سے ہو جائے۔ اسی لئے ان کے درمیان جھگڑا ہوا تھا اور قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔

یہ سن کر امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں آدم علیہ السلام کی طرف اس فعل کی نسبت کرتے ہوئے حیا نہیں آتی؟

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا پھر قابیل نے ہابیل کو کس لئے قتل کیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: قابیل نے ہابیل کو جانشینی اور امتیاز الٰہی کی وجہ سے قتل کیا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو وحی فرمائی کہ وہ اسم اعظم اور اپنی وصایت کے لئے ہابیل کو مقرر فرمائیں۔

قابیل، ہابیل سے بڑا تھا اور جیسے ہی اسے معلوم ہوا کہ باپ کا جانشین میرا چھوٹا بن رہا ہے تو اسے بہت غصہ آیا اور کہا کہ میں بڑا ہوں اور میں ہی جانشینی کا زیادہ حق رکھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو وحی فرمائی کہ وہ اپنے بیٹوں کو قربانی کا حکم دیں۔ جس کی قربانی پر آسمانی آگ آجائے تو اس کی قربانی قبول ہے اور جس پر نہ آئے اس کی قربانی نامقبول ہے۔ ہابیل بھیڑیں چرایا کرتے تھے اور قابیل کاشت کاری کیا کرتا تھا۔

ہابیل نے اپنے ریوڑ میں سے موٹی تازی بھیڑ کا انتخاب کیا اور قابیل گندم کے چند بے کار سٹے لے کر آیا۔ دونوں نے اپنی قربانیوں کو ایک جگہ پر رکھا۔ تھوڑی دیر بعد آسمانی آگ ہابیل کی قربانی پر پڑی اور قابیل کی قربانی کو اللہ نے نامنظور کر دیا۔

یہ دیکھ کر قابیل کے سینہ میں آتشِ حسد بھڑکی اور ابلیس نے اسے مزید شعلہ ور کیا۔ اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ معاملہ تم دو بھائیوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ہابیل کی آنے والی نسل تمہاری نسل پر فخر و مباہات کرے گی اور تمہاری نسل کو ہمیشہ طعنے دیتی رہے گی۔

پھر ایک دن قابیل نے ہابیل کے گریبان کو پکڑا اور ایک پتھر سے اسے قتل کر دیا۔ قتل کے بعد پریشان ہوا کہ وہ بھائی کی لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے۔

آخر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جس نے آکر اسے دفن کرنے کی ترکیب بتائی۔ کوے کو دیکھ کر اس نے کہا: ہائے میری بدنصیبی میری پاس تو کوے جتنی بھی عقل نہ تھی کہ میں اپنے بھائی کو دفنا سکتا۔

پھر شیطان نے زمین پر بت پرستی کا پہلا کاشانہ تیار کیا اور قابیل سے کہا: تجھے معلوم ہے کہ تیری قربانی قبول کیوں نہ ہوئی؟ اس نے کہا: مجھے اس کا سبب معلوم نہیں ہے۔

شیطان نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے آج تک آگ کی تعظیم نہیں کی تھی۔ اگر تو اپنی قربانی کو منظور کرانے کا خواہش مند ہے تو پھر آتش پرستی اختیار کر۔ دنیائے انسانیت میں قابیل پہلا شخص ہے جس نے آتش پرستی کی۔ (نقل ازدو روایت بحار الانوار، ج ۱۱۔ ص ۲۲۸، ۲۴۵)

امام محمد تقیؑ کو حسد کی وجہ سے شہید کیا گیا

ذرقان، احمد بن ابی داؤد کا قریبی دوست تھا اور احمد بن ابی داؤد، معتصم عباسی کے دور میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھا۔

ذرقان کہتا ہے: میں ایک مرتبہ قاضی کے گھر بیٹھا ہوا تھا کہ قاضی دربار معتصم سے اس حالت میں واپس آیا کہ اس کا چہرہ غصہ کی وجہ سے سیاہ ہو چکا تھا اور آتے ہی کہنے لگا: کاش میں آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا اور مجھے یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

پھر قاضی نے کہا: آج دربار میں رضا کے فرزند محمد تقی نے مجھے رسوا کیا ہے۔

ذرقان کہتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ واقعہ کیا ہوا ہے؟

قاضی احمد نے بتایا کہ آج معتصم کے پاس ایک چور کو لایا گیا۔ شہادتیں مضبوط تھیں اور چور نے بھی چوری کا اقرار کرلیا تھا۔

معتصم نے دربار میں مجھ سے پوچھا کہ اس کی حد شرعی کیا ہے؟

میں نے کہا کہ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی کاٹ دی جائے معتصم نے کہا: تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟

میں نے کہا کہ چور کے متعلق حد شرعی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بیان کیا ہے "السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما" چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت تو ان کے ہاتھ کاٹ دو اور دیکھتے ہیں کہ لفظ "ید" ہاتھ کا اطلاق کہاں تک ہوتا ہے تو اس کے لئے آیت تیمم موجود ہے "فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه" تیمم میں چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو اور یہ بات مسلّم ہے کہ تیمم میں ہاتھ کی ہتھیلی پر ہی مسح کیا جاتا ہے، لہٰذا لفظ "ید" کا اطلاق ہاتھ کی ہتھیلی پر ہوتا ہے۔

دربار میں موجود بعض علماء نے مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے فتویٰ دیا کہ چور کا پورا بازو کندھے سے کاٹ دینا چاہئے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن مجید میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تعیین نہیں کی گئی اور کندھے سے لے کر انگلیوں تک پورے بازو کو ہاتھ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا پورے بازو کو چھوڑ کر صرف ہتھیلی کو کاٹنا درست نہیں ہے۔ دربار میں اس وقت امام محمد تقیؑ بھی موجود تھے۔ خلیفہ نے ان کی طرف رخ کرکے کہا کہ آپ ہمیں اپنے نظریہ سے آگاہ فرمائیں۔

امام محمد تقیؑ نے کہا: اس سلسلہ میں علماء اپنے خیالات کا اظہار کرچکے ہیں لہٰذا مجھ سے میرا نظریہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

خلیفہ نے کہا: میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس مسئلہ میں اپنا

نظریہ ضرور بیان کریں۔ تو امام جوادؑ نے کہا: تم نے اب جب کہ مجھے قسم دی ہے تو سنو علمائے اہل سنت نے جو حد شرعی بیان کی ہے اس میں انہیں اشتباہ ہوا ہے۔ چور کا ہاتھ نہ تو ہتھیلی سے کاٹا جائے اور نہ ہی اس کا مکمل بازو قلم کیا جائے بلکہ اس کی چار انگلیاں ہی کاٹی جائیں اس کی ہتھیلی اور انگوٹھے کو چھوڑ دیا جائے۔

خلیفہ نے پوچھا: آپ کے پاس اس کی دلیل کیا ہے؟

امام نے کہا: کوئی مسلمان چوری کرنے کے بعد کافر نہیں ہوجاتا۔ وہ بدستور مسلمان رہتا ہے۔ اور مسلمان پر نماز فرض ہے اور نماز کا اہم رکن سجدہ ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے۔ "السجود على سبعة اعضاء الوجه واليدين والركبتين والرجلين فاذا قطعت يدامن الكرسوع او المرفق لم يبق له يد يسجد عليها وقال الله تعالى ان المساجد لله

سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے۔ چہرہ، دو ہاتھ، دو گھٹنے، اور دو پاؤں اور جب تم کسی کے ہاتھ کو ہتھیلی یا کہنی سے قطع کروگے تو اس کے پاس ہاتھ ہی نہیں رہے گا، تو وہ سجدہ کیسے کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سجدہ کے مقامات اللہ کیلئے ہیں اور جو چیز ہے ہی اللہ کی تو اسے قطع نہیں کیا جاسکتا۔

معتصم نے جیسے ہی ان کا استدلال سنا تو وہ بے حد خوش ہوا اور امام جواد کے فتویٰ کے مطابق اس نے چور کی چار انگلیاں کاٹنے کا حکم دیا۔

ذرقان کہتا ہے کہ میں دیکھتا رہا کہ قاضی اپنے نظریہ کے ابطال پر سخت افسردہ رہا کرتا تھا۔ وہ تین دن کے بعد خلیفہ کے پاس گیا اور کہا کہ میں آپ کا نمک خوار ہوں اور نمک حلالی کو اپنے لئے فرض سمجھتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے آپ کی خیر خواہی نہ کی تو میں دوزخ کا ایندھن بن جاؤں گا۔

خلیفہ نے پوچھا: بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟ تو قاضی نے کہا کہ دربار میں جب

آپ کے پاس علماء فقہاء کی علمی نشستیں ہوتی ہیں تو اس وقت امراء و وزراء اور دیگر اعیان سلطنت بھی موجود ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہ نشستیں دربار میں ہی ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ ان کی بازگشت پورے ملک میں سنائی دیتی ہے۔ آپ نے تمام فقہاء کی رائے ٹھکرا کر اچھا نہیں کیا۔ کیونکہ اس سے محمد تقی کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہو گیا ہے اور آپ یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ انہیں پہلے ہی اپنا رہنما اور پیشوا سمجھتا ہے۔ اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ عنقریب باقی لوگ بھی ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو جائیں گے اور آپ کے خاندان سے خلافت ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جائے گی۔

بادشاہ حاسد قاضی کے الفاظ سے بہت متاثر ہوا اور کہا کہ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور خدا اس خیر خواہی کی تمہیں جزا دے گا۔

چوتھے دن اس نے اپنے ایک کاتب کو حکم دیا کہ تم ایک دعوت کا انتظام کرو جس میں فرزند رضا کو بھی شامل کیا جائے۔

دعوت تیار ہوئی اور اس کے لئے امام تقیؑ کو مدعو کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا: تم خوب جانتے ہو کہ میں اس طرح کی دعوتوں میں شریک نہیں ہوتا۔ لیکن امام علیہ السلام سے بار بار اصرار کیا گیا تو آپؑ اس دعوت میں شریک ہوئے۔ دستر خوان پر بیٹھے، آپؑ کے سامنے طعام پیش کیا گیا، آپؑ نے ایک لقمہ توڑ کر کھایا تو زہر کا احساس ہوا، چنانچہ آپؑ اٹھ کر جانے لگے۔ صاحبِ خانہ نے کہا کہ آپ اتنی جلدی کیوں واپس جا رہے ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: میں جتنی جلد تمہارے گھر سے چلا جاؤں اتنا ہی بہتر ہے۔

اسی زہر کی وجہ سے ایک روز بعد آپؑ کی شہادت واقع ہو گئی۔

عورتوں میں حسد

ابن ابی لیلیٰ اہل سنت کے مشہور قاضی گزرے ہیں۔ ایک دن وہ منصور دوانقی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ منصور نے کہا: بعض اوقات قاضیوں کے پاس بڑے دلچسپ مقدمے دائر ہوتے ہیں، اگر تمہارے پاس کبھی کوئی دلچسپ مقدمہ آیا ہو تو مجھے سناؤ۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: جی ہاں بعض اوقات ہمارے پاس دلچسپ مقدمات آتے ہیں میں آپ کو ایک عجیب و غریب مقدمہ کا حال سناتا ہوں۔

ایک دن ایک بوڑھی اور بد صورت عورت میرے پاس آئی اور رو رو کر کہا کہ قاضی صاحب آپ مجھے انصاف دلائیں۔

میں نے پوچھا کہ تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟

بوڑھیا نے کہا: مجھ پر میری بھتیجی نے ظلم کیا ہے۔ آپ اس کے ظلم کا ازالہ کر کے مجھے انصاف فراہم کریں۔

میں نے عدالت میں اس کی بھتیجی کو بلایا اور وہ انتہائی خوبصورت عورت تھی، میرا خیال ہے کہ جنت کی حوریں اس سے زیادہ حسین نہیں ہوں گی۔

میں نے اس خاتون کو دفاع کا حق دیتے ہوئے پوچھا کہ اصل واقعات کیا ہیں؟

اس نے بتایا کہ میں اس بوڑھیا کی بھتیجی ہوں اور یہ میری پھوپھی ہے۔

میں بچپن میں ہی یتیم ہو گئی تھی اور مجھے میری اس پھوپھی نے ہی پالا پوسا جب میں جوان ہوئی تو میری پھوپھی نے میرا نکاح ایک زرگر سے کر دیا۔ وہاں میں ہر طرح سے راضی خوشی زندگی بسر کرنے لگی۔ مگر میری یہ خوشی میری پھوپھی کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ کیونکہ اس کی اپنی ایک کنواری بیٹی گھر میں بیٹھی تھی اور میری پھوپھی

یہ چاہنے لگی کہ کسی طرح سے اس کی بیٹی کی شادی میرے شوہر سے ہو جائے۔

اس نے اپنی بیٹی کو بناؤ سنگھار کر کے زرگر کو پھانسنے کا حکم دیا اور وہ آخر کار اس کی زلف کا اسیر ہو گیا۔ پھر میرے شوہر نے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا تو اس نے کہا: میں اس شرط پر اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گی کہ تم اپنی پہلی بیوی کی طلاق کا حق مجھے تفویض کرو۔

میرا شوہر جو کہ اس کی بیٹی کا کشتۂ ناز تھا، اس نے میری طلاق کا حق میری پھوپھی کو تفویض کر دیا۔

اس کی بیٹی کی شادی کو ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ میری پھوپھی نے مجھے طلاق دے دی۔ اور میں روتی دھوتی شوہر کے گھر سے پھوپھی کے گھر آ گئی۔

پھر میں نے اپنی پھوپھی سے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ جب اس کا شوہر گھر میں آتا تو میں بھی خوب بن سنور کر اس کے سامنے جاتی آہستہ آہستہ وہ میرا عاشق زار بن گیا اور اس نے مجھ سے نکاح کی درخواست کی۔ میں نے نکاح کے لئے ایک شرط عائد کی کہ اگر وہ اپنی پہلی بیوی یعنی میری پھوپھی کا حق طلاق مجھے تفویض کر دے تو میں اس سے نکاح کر لوں گی پس میری پھوپھی کے شوہر نے بے چون و چرا مجھے اپنی بیوی کا حق طلاق تفویض کر دیا۔

پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا اور دوسرے دن اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے میں نے اپنی پھوپھی کو طلاق دے دی۔ اور یوں میری پھوپھی بڑھاپے میں بے آسرا ہو گئی۔ پھر قضائے قدرت سے چند ماہ بعد میرا یہ شوہر وفات پا گیا۔ اور میں بیوہ ہو گئی۔ عدت کے ایام گزرنے کے بعد میرے پہلے شوہر یعنی زرگر نے مجھ سے پھر رابطہ کیا اور نکاح کی دعوت دی۔ میں نے اس سے یہی شرط لگائی کہ اگر وہ اپنی موجودہ بیوی کی طلاق کا حق مجھے تفویض کر دے تو میں اس سے نکاح کر لوں گی۔

میرے سابق شوہر نے مجھے اپنا حق شرعی استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا اور چند دنوں کے بعد میں نے اپنی سوکن کو طلاق جاری کر دی۔

یہ تمام واقعات سنا کر اس عورت نے مجھے کہا کہ قاضی صاحب! اب آپ خود فیصلہ کریں کہ میں نے کونسا جرم کیا ہے۔ میں اپنی پھوپھی کے بے جا حسد کا شکار ہوئی تھی اور میں نے اس کی تلافی کی ہے۔ (اعلام الناس۔ اقلیدی۔ ص ۴۴)

حضرت علی علیہ السلام کا فیصلہ

ایک یتیم بچی کسی شخص کے گھر میں پرورش پاتی تھی۔ گھر کا مالک اکثر اوقات سفر پر رہتا تھا۔ آخر کار بچی سن بلوغ پر پہنچی۔ خدا نے اسے حسن و ادا سے مالا مال کیا تھا۔ گھر میں خاتون خانہ نے سوچا کہ ممکن ہے اسے دیکھ کر میرے شوہر کی نیت بدل جائے۔ لہٰذا اس کا پہلے سے سدباب کرنا چاہئے۔

اس نے چند محلّہ دار عورتوں کو اپنے پاس بلایا اور لڑکی کو شراب پلا کر انگلی سے اس کی بکارت زائل کر دی۔

کچھ عرصہ کے بعد اسکا شوہر گھر آیا اور بیوی سے یتیم بچی کا احوال دریافت کیا۔

عورت نے کہا: آپ اس کے متعلق کچھ نہ پوچھیں اس نے اپنی عصمت تباہ کر لی ہے اور اپنی بکارت زائل کر چکی ہے۔

گھر کے مالک نے بچی کو بلا کر سوال کیا تو اس نے قسمیں کھا کر اپنی پاکدامنی کی گواہی دی۔

عورت چند ہمسائی عورتوں کو اپنے شوہر کے پاس لائی جنہوں نے اس لڑکی کے گناہ گار ہونے کی گواہی دی۔

آخر کار مقدمہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں جا پہنچا۔ اور وہ بھی کوئی فیصلہ نہ

کرسکے۔ مرد نے تقاضا کیا یہ مسئلہ مولا علیؑ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ جب مولا علیؑ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپؑ نے عورت سے فرمایا: تمہارے پاس اپنے دعویٰ کے گواہ موجود ہیں؟

عورت نے کہا: جی ہاں میرے پاس بہت سی ہمسائی عورتیں بطور گواہ موجود ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے پاس تلوار رکھی اور فرمایا: ایک ایک گواہ کو علیحدہ علیحدہ پیش کیا جائے۔

پہلی گواہ عورت پیش ہوئی۔ آپ نے اس کا بیان سنا اور بیان سننے کے بعد اسے ایک علیحدہ کمرے میں بھیج دیا۔

پھر آپ نے دوسری گواہ عورت کو طلب کیا۔ جب عورت حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا: مجھے پہچان کر گواہی دینا اور یہ بھی دیکھ لو کہ میرے پاس تلوار رکھی ہوئی ہے۔ تمہاری ساتھی پہلی عورت نے مجھے پوری صورت حال بتادی ہے۔ اگر تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بہت ہی خطرناک ہوگا۔

عورت نے رو کر کہا: مولا! اصل حقیقت تو ہماری ساتھی گواہ آپ کو بتا ہی چکی ہے۔ لڑکی بالکل بے گناہ ہے خاتونِ خانہ نے اسے اپنی انگلی سے داغدار کیا ہے تاکہ اس کا شوہر اس کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔ اور جب خاتونِ خانہ اس کی بکارت زائل کر رہی تھی تو ہم نے لڑکی کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔

حضرت علیؑ نے صدائے تکبیر بلند فرمائی اور کہا: "انا اول من فرق بین الشهود الا دانیال" دانیال کے بعد میں پہلا شخص ہوں جس نے گواہوں میں جدائی ڈالی۔ پھر آپؑ نے حکم دیا کہ خاتونِ خانہ کو حد قذف کے طور پر اسی کوڑے مارے جائیں اور آپؑ نے اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان جدائی کرادی۔ شوہر نے

اسے طلاق دے دی اور آپ نے ہر ایک عورت پر چار سو درہم جرمانہ عائد کیا پھر آپؑ نے اس مرد سے اس یتیم بچی کا نکاح کر دیا اور اسے حق مہر کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے درخوات کی کہ آپ ہمیں دانیال پیغمبر علیہ السلام کے فیصلہ سے آگاہ فرمائیں۔

آپ نے فرمایا: دانیال ماں باپ دونوں کی طرف سے یتیم تھے اور بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی عورت کے ہاں پرورش پاتے تھے۔ اس زمانہ میں بنی اسرائیل پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا، اس کے پاس دو قاضی تھے۔ اسی زمانہ میں ایک نیک شخص بھی رہتا تھا جو کہ دونوں قاضیوں کا دوست تھا اور کبھی کبھی بادشاہ کے دربار میں بھی جایا کرتا تھا۔

بادشاہ کو سفارت کیلئے کسی امین شخص کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے قاضیوں سے مشورہ کیا کہ آپ مجھے کسی امین شخص کا پتہ بتلائیں تاکہ میں اسے اپنا قاصد بنا کر ایک جگہ روانہ کرسکوں۔

دونوں قاضیوں نے اس مردِ صالح کا نام پیش کیا۔ بادشاہ نے اس شخص کو قاصد بنا کر روانہ کیا تو اس نے روانہ ہوتے وقت دنوں قاضیوں سے درخواست کی کہ آپ میری عدم موجودگی میں میرے گھر کا دھیان رکھیں۔

وہ شخص روانہ ہوگیا۔ دونوں قاضی گاہے بگاہے اس کے گھر آتے اور اس کی بیوی سے گھر کی ضروریات کا پتہ کرتے۔ آہستہ آہستہ دونوں قاضیوں کی نیت خراب ہوگئی۔ عورت حسین تھی۔ دونوں قاضیوں نے عورت کو گناہ کی دعوت دی لیکن عورت نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

قاضیوں نے عورت سے کہا: اگر تو ہمارے کہنے پر عمل نہ کرے گی تو ہم تجھ پر زنا کا الزام لگائیں گے اور بادشاہ تیری سنگساری کا حکم جاری کردے گا۔

قاضیوں کی دھمکی سن کر بھی عورت نے ان کی بات نہ مانی۔

پھر قاضیوں نے اس پر زنا کا الزام عائد کردیا۔ اور بادشاہ کے پاس گواہی دی کہ ہم نے اس عورت کو نا مشروع فعل کرتے ہوئے دیکھا۔

بادشاہ نے قاضیوں سے کہا کہ میں آپ کی گواہی رد نہیں کر سکتا لیکن حدِ شرعی تین دن کے بعد نافذ کروں گا۔ پھر بادشاہ نے پورے شہر میں منادی کرادی کہ چوتھے دن فلاں عورت کو نا مشروع کام کی وجہ سے سنگسار کیا جائے گا۔

تیسرے دن بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ وزیر! قاضیوں کی گواہی بھی معتبر ہے لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ عورت بے گناہ ہے۔

وزیر نے کہا: بادشاہ سلامت! میرا اپنا دل بھی عورت کو بے گناہ قرار دیتا ہے۔ پھر وزیر شہر کی طرف گیا۔ دیکھا ایک سڑک کے کنارے بچے کھیل رہے ہیں اور ان میں دانیالؑ بھی موجود ہیں۔ دانیالؑ نے بچوں کو کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ میں بادشاہ ہوں اور یہ دو میرے قاضی ہیں اور یہ وہ عورت ہے جس پر قاضیوں نے الزام لگایا ہے۔ اب میں فیصلہ کروں گا۔

جب وزیر نے بچوں کا یہ کھیل دیکھا تو وہ وہیں رک گیا اور دلچسپی سے عدالت کی کارروائی دیکھنے لگا۔

بچوں نے مٹی کا ڈھیر اکٹھا کیا جس پر دانیالؑ اپنا تخت قرار دے کر بیٹھ گئے اور لکڑی کی ایک تلوار اپنے پاس رکھی پھر حکم دیا کہ ایک قاضی کو عدالت میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ ایک بچہ کو ان کے پاس لایا گیا۔ دانیالؑ نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ جب تم نے اس عورت کو دیکھا تو اس کے ساتھ فعل حرام کرنے والا مرد کون تھا؟ اور وقت کیا تھا اور دن کون سا تھا؟ اور تم اس کے گھر کے کس دروازہ سے داخل ہوئے تھے؟

بچے نے جو قاضی بنا ہوا تھا، تمام سوالات کے جوابات دیئے۔ پھر دانیالؑ نے

کہا: اس قاضی کو دوسرے قاضی سے نہ ملنے دیا جائے اور دوسرے قاضی کو میری عدالت میں پیش کیا جائے۔

دوسرا بچہ جو کہ قاضی بنا ہوا تھا، عدالت میں پیش ہوا اور دانیالؑ نے تلوار دکھا کر کہا: دیکھو تمہارا ساتھی مجھے تمام واقعات کی صحیح تفصیل بتا کے گیا ہے، اگر تم نے جھوٹ بولا تو میں تمہیں قتل کردوں گا۔ دوسرا گواہ فوراً گھگھیانے لگا اور اپنے جھوٹ کا اقرار کرلیا۔

دانیالؑ نے نعرۂ تکبیر بلند کرکے کہا قاضی جھوٹے ہیں اور عورت سچی ہے ان دونوں قاضیوں کو قتل کردیا جائے۔

وزیر نے جیسے ہی دانیالؑ کی عدالت کی کارروائی دیکھی تو دوڑتے ہوئے بادشاہ کے پاس گیا اور اسے ساری عدالتی کارروائی کی خبر دی۔

بادشاہ نے اسے اپنے لئے اشارۂ غیبی سمجھا اور دونوں قاضیوں کو اپنے دربار میں بلایا اور دونوں سے علیحدہ علیحدہ بیان لئے۔ تو قاضیوں کا جھوٹ کھل کر سامنے آگیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ قاضیوں کو قتل کردیا جائے۔ (بحار الانوار، ج۹۔ ص ۱۷۵، شرح قصیدۂ ابی فراس۔ ص ۳۶)

غیر محتاط خوشامدی

خالد بن صفوان کہتا ہے کہ میں عباسی خلیفہ سفاح کے دربار میں گیا۔ جب دربار میں خلوت ہوئی تو میں نے کہا: اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو ایک مشورہ دوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس دوران کوئی یہاں آنے نہ پائے۔

سفاح نے دربانوں کو حکم دیا کہ فی الحال کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ پھر سفاح نے مجھ سے پوچھا کہ اب بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت عطا کی ہے جس کے لئے برسا

برس تک آپ کو تحریک چلانا پڑی۔ آپ نے بڑی قربانیاں دیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں، کہ آپ نے خلافت سے ذرہ برابر بھی استفادہ نہیں کیا۔

سفاح نے کہا: تو میں کیا کرتا؟

میں نے کہا کہ آپ نے بس ایک بیوی پر قناعت کرلی ہے ورنہ کئی سیمیں پیکر آپ کے عقد میں آنے کے لئے تیار ہیں۔

اس نے کہا کہ واقعی تم نے صحیح کہا ہے، آج تک میں نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی تھی۔

خالد کے جانے کے بعد سفاح کی بیوی امّ سلمہ آئی تو اس نے دیکھا کہ اس کا شوہر ہاتھ میں قلم لے کر دوات پر زور سے مار رہا ہے۔

بیوی نے پوچھا: خیریت تو ہے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟

سفاح نے کہا: دراصل بات یہ ہے کہ خالد بن صفوان نے مجھے ایک مشورہ دیا ہے اور میں اسی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔

بیوی نے پوچھا: اس نے کیا مشورہ دیا ہے؟

خلیفہ نے بیوی کے سامنے اس کی ساری تجویز رکھ دی۔ امّ سلمہ نے کہا: تو آپ نے اس حرامزادہ کو کیا جواب دیا؟

سفاح نے کہا: اس نے میری بھلائی کی بات کی تھی اور تم نے اسے گالیاں دینی شروع کردیں۔

ام سلمہ خلیفہ کے پاس سے اٹھ کر آئی اور غلاموں کے ایک دستہ کو بلا کر کہا: میں نے آج کے دن کے لئے تمہیں پرورش کیا ہے۔ تم جاؤ جہاں بھی خالد ملے اسے خوب زدوکوب کرو لیکن دیکھو اسے جان سے مارنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔ امّ سلمہ کے بھیجے ہوئے غلام بازار آئے تو انہیں خالد بازار ہی میں مل گیا۔ انہوں نے اس

کی خوب ٹھکائی کی۔ خالد کئی دن تک گھر میں بستر پر پڑا رہا۔

چند دنوں کے بعد تھوڑا سا چلنے کے قابل ہوا تو خلیفہ کا ایک غلام اس کے پاس آیا اور کہا خلیفہ تجھے دربار میں یاد کرتا ہے۔

ڈرتے اور کانپتے ہوئے خالد دربار میں گیا۔ پردے کے پیچھے اسے کسی کے وجود کا احساس ہوا دل میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ محترمہ جو پس پردہ موجود ہے خلیفہ کی بیوی ہے۔

خلیفہ نے پوچھا: خالد! کئی دن سے تم نظر نہیں آئے خیریت تو تھی؟

خالد نے کہا: جی ہاں میں چند دن قبل بیمار ہوگیا تھا اسی لئے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔

خلیفہ نے کہا: تم نے ایک دن مجھے ایک مشورہ دیا تھا میں چاہتا ہوں کہ دوبارہ وہی بات کہو۔

خالد نے کہا کہ اس دن میں نے کہا تھا کہ عربی میں سوکن کو "ضرۃ" کہتے ہیں اور یہ لفظ ضرر سے مشتق ہے، تو گویا سوکن دراصل انسان کے لئے ضرر ہی ضرر ہے، دو بیویاں رکھنے سے بڑا نقصان اور کوئی نہیں ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا گھر میں کنیز رکھنا بھی خالی از خطرہ نہیں ہے، دو بیویوں کے شوہر کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص دو انگاروں کے درمیان لیٹا ہوا ہو، کبھی اس طرف کے انگارے کی تپش برداشت کرتا ہے اور کبھی دوسری طرف کے انگارے کی تپش برداشت کرنی پڑتی ہے۔

سفاح نے کہا: نہیں اس دن تو نے یہ بات نہیں کہی تھی۔

خالد نے کہا: کیوں نہیں اس دن میں نے کہا تھا کہ چار بیویاں دردِ سر ہیں۔

خلیفہ نے کہا: نہیں تو نے اس دن یہ بات نہیں کہی تھی۔

خالد نے کہا: جناب چار بیویاں انسان کے لئے مسلسل غم واندوہ اور درد والم

کی موجب ہیں۔ جس شخص کی چار بیویاں ہوں وہ شخص بڑا ہی مظلوم ہے۔ یا تو ان کے مطالبات پورے کرے ورنہ سخت آزمائش کے لئے تیار رہے۔ اگر ایک بیوی سے ہنس کر بولے تو تین بیویاں اس پر ناراض ہو جائیں گی۔ سانپ انسان کے لئے اتنا خطرناک نہیں جتنی کہ چار بیویاں خطرناک ہیں۔

سفاح نے کہا: نہیں تم نے اس دن یہ باتیں نہیں کی تھیں۔

خالد نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا تھا کہ پورے عرب میں بنی مخزوم ممتاز قبیلہ ہے اور اس قبیلہ میں آپ کی بیوی امّ سلمہ مہکتا ہوا پھول ہے۔ گویا بوستان بنی مخزوم میں آپ کی بیوی گل نورستہ ہے۔ میں نے تو اس دن کہا تھا کہ ایسی بیوی کو عطیہ خداوندی سمجھیں اور اس کی موجودگی میں دوسری بیوی کا دل میں خیال تک نہ لائیں۔

سفاح نے یہ سن کر کہا: تو بڑا ہی جھوٹا ہی اور تجھ سا جھوٹا دوبارہ پیدا ہونا محال ہے۔

خالد نے فوراً کہا: خلیفہ صاحب! آپ خود ہی انصاف کریں جھوٹ بولنا بہتر ہے یا آپ کی بیوی امّ سلمہ کے نوکروں سے قتل ہونا بہتر ہے؟

یہ سن کر سفاح ہنستے ہنستے پشت کے بل زمین پر جاگرا اور امّ سلمہ کے قہقہوں کی آواز بھی باہر تک سنائی دی۔

خالد اپنے گھر واپس آیا تو سفاح کی بیوی نے ہزار ہزار درہم کی پانچ تھیلیاں اس کے گھر بھجوائیں۔ (تحفۃ الیمن۔ ص ۴۹)

ابلیس فرعون کے دروازہ پر

بیان کیا جاتا ہے کہ جب فرعون نے خدائی دعویٰ کیا تو ایک دفعہ ابلیس نے اس کے دروازہ پر دستک دی۔ فرعون نے پوچھا: کون؟ تو ابلیس نے کہا: جھوٹے تو

کیسا خدا ہے کہ تجھے پتہ ہی نہیں کہ تیرے دروازے پر کون آیا ہے؟ میں تیرا استاد ابلیس ہوں۔

پھر فرعون اور ابلیس اکٹھے بیٹھے۔ فرعون نے کہا کہ میں بہت بڑا مجرم ہوں اور تو بھی بہت بڑا نمک حرام ہے۔ تیرا مشاہدہ بہت وسیع ہے، تجھے مجھ سے اور اپنے سے برا بھی کوئی نظر آیا۔

ابلیس نے کہا: جی ہاں حاسد ہم دونوں سے برا ہے۔ اسی حسد نے تو مجھے شیطان رجیم بنایا ہے اور اسی حسد نے تجھے ملعون بنایا ہے۔

چند روایات

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ذات يوم لاصحابه. ألاانه قددب اليكم داء الامم من قبلكم وهوالحسد ليس بحالق الشعرلكنه حالق الدين ينجى فيه ان يكف الانسان يده ويحزن لسانه ولايكون ذاغمز على اخيه المؤمن.

(وسائل کتاب جہاد نفس۔ ص ۵۱۷)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ سے کہا: متوجہ ہو جاؤ، تمہارے اندر پچھلی امتوں کی ایک بیماری سرایت کر گئی ہے اور اس بیماری کا نام حسد ہے۔ اس سے بال نہیں گرتے بلکہ یہ انسان کے دین کو تباہ کر دیتی ہے اس سے بچنے کی یہی راہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھ کو روکے رکھے اور زبان کی حفاظت کرے اور اپنے مؤمن بھائی کو طعنہ نہ دے۔

قال الصادق عليه السلام لابى جعفر ابن النعمان الاحول ان ابغضكم الى المترأسون المشاؤن بالنمائم الحسدة لاخوانهم ليسوا منى ولا انامنهم انما اوليائى الذين سلموا لامرنا واتبعوا اثارنا واقتدوا بنا فى كل امورنا ثم قال لو

قدم احدکم ملا الارض ذهبا علی الله ثم حسد مؤمنا لکان ذلك الذهب مما یکویٰ به فی النار۔

(سفینۃ البحار، ج ۱۔ ص ۲۵۲)

امام صادق علیہ السلام نے ابو جعفر بن نعمان احول سے کہا: تم میں سے سب سے زیادہ مجھے ان لوگوں سے نفرت ہے جو بزرگ منش بنتے ہیں اور جو چغل خوری کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے حسد کرتے ہیں۔ ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی میرا ان سے کوئی واسطہ ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: میرے دوست تو وہ لوگ ہیں جو ہمارے امر کو تسلیم کریں اور ہمارے نقش قدم پر چلیں اور ہمارے تمام امور میں ہماری پیروی کریں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر تم میں سے کوئی شخص روئے زمین کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کردے پھر کسی مؤمن سے حسد کرے تو وہ سونا دوزخ میں تپا کر اسے اس سے داغا جائے گا۔

قال الصادق علیه السلام الحاسد یضر بنفسه قبل ان یضر بالمحسود کابلیس ادرث بحسده اللعنة ولا دم الاجتباء والهدی والرفع الی محل حقائق العهد و الاصطفاء فکن محسودا ولا تکن حاسدا فان میزان الحاسدا بدا خفیف بثقل میزان المحسودو الرزق مقسوم فماذا ینفع الحسد الحاسد، وماذا یضر المحسود الحسد. والحسد اصله من عمی القلب والجحود لفضل الله تعالی وهما جناحان للکفروبالحسدوقع ابن ادم فی حسرة الابدوهلك مهلك لاینجومنه ابدا.

(مستدرک الوسائل، ج ۲۔ ص ۳۲۷)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حاسد، محسود سے پہلے اپنا نقصان کرتا ہے جیسا کہ ابلیس کو حسد کی وجہ سے لعنت ملی اور آدمؑ کو مقام اجتباء و ہدایت اور مقام

عہد و اصطفا ملا۔ اسی لئے محسود ہو اور حاسد نہ ہو۔ کیونکہ حاسد کا میزان ہمیشہ ہلکا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نیکیاں محسود کے نامئہ اعمال میں منتقل ہوجاتی ہیں۔ اور رزق اللہ کی طرف سے تقسیم ہوچکا ہے پس حاسد کا حسد اسے کیا فائدہ دے گا اور محسود کو حسد کیا نقصان دے گا۔

حسد کی جڑ دل کا اندھا پن اور نعمات الٰہی کا انکار ہے اور یہ دونوں صفتیں کفر کے لئے دو پر ہیں۔ اسی حسد نے ہی آدمؑ کے بیٹے کو ابدی حسرت میں ڈالا تھا اور حسد نے اسے ایسا ہلاک کیا کہ جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

عن هشام ابن الحکم عن الکاظم علیه السلام قال یا هشام افضل ماتقرب به العبد الی الله بعد المعرفة الصلوة و بر الوالدین و ترك الحسد و العجب والفخر.

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہشام بن حکم سے فرمایا: معرفت و خدا شناسی کے بعد جو چیز انسان کو اللہ کے قریب کرسکتی ہے وہ نماز اور والدین سے نیکی اور حسد اور خود پسندی اور فخر کو چھوڑنا ہے۔

عن ابی عبدالله علیه السلام قال ثلاثة لم ینبج منها بنی فمن دونه، التفکرفی الوسوسة فی الخلق والطیرة والحسدالاان المؤمن لایستعمل حسده.

(وسائل جہاد نفس۔ ص ۵۱۷)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن سے نبی بھی بچ نہیں سکے دوسروں کی کیا بات ہے۔ خلقت و پیدائش کے وساوس میں غور و فکر کرنا۔ فالِ بد لینا اور حسد۔ مگر مؤمن اپنے حسد کو استعمال نہیں کرتا۔

باب ہفتم

صبر و تحمل

صبر و تحمل کامیابی کی کلید ہے

اصمعی ادبیات عرب کے بلند پایہ عالم گزرے ہیں وہ اپنی داستان سنایا کرتے تھے کہ میں زمانہ طالب علمی میں بہت ہی قلاش اور مفلس تھا۔ میں روزانہ جب پڑھنے کیلئے جاتا تو راستے میں ایک سبزی فروش کی دکان پڑتی تھی جس کا مالک ایک بے حیا شخص تھا۔ وہ مجھے کتابیں بغل میں اٹھائے ہوئے دیکھتا تو کہتا کہ احمق! اس فضول تعلیم کو چھوڑ کر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرلے تاکہ تجھے دو وقت کی روٹی نصیب ہو سکے۔ ایک دن تو اس نے بدتمیزی کی حد کردی مجھے کتابیں اٹھائے دیکھ کر اس نے کہا: بیوقوف آدمی! یہ کاغذ اور کتابیں کسی گڑھے میں ڈال کر پانی لگا دے تاکہ یہ سر سبز ہو جائیں۔

میں روزانہ اس کی کڑوی کسیلی باتیں سنتا اور خاموشی سے حصول تعلیم میں لگا رہا آخر کار میں حصول علم میں کامیاب ہوگیا۔ مگر اس کے باوجود میرے پاس پہننے کے لئے ڈھنگ کے کپڑے تک نہ تھے۔

ایک دن میں اپنے گھر سے نکل کر بازار جانے لگا تو میں نے ایک ہمسایہ کو دیکھا کہ اس نے گلی میں ہی اپنے لئے ہوادار چھپر بنالیا ہے جس سے گلی تنگ ہوگئی ہے اور سوار آدمی کے لئے گزرنا مشکل ہوگیا ہے۔

یہ حرکت دیکھ کر میں نے ہمسایہ سے کہا: بندۂ خدا! اس گلی پر میرا بھی کچھ حق ہے تمہیں یہ چھپر گلی میں نہیں بنانا چاہئے تھا۔

ہمسایہ نے کہا: جب آپ عماری میں بیٹھ کر یہاں سے گزریں تو بے شک میرا چھپر گرادینا۔ اس کی یہ بات سن کر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ امیر بصرہ کے قاصد نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھے امیر بصرہ کا پیغام دیا کہ آپ ہمارے پاس آئیں اور ہم آپ کو خلیفہ ہارون کے بیٹوں امین اور مامون کا اتالیق بنا کر بغداد بھیجیں گے۔

میں نے قاصد سے کہا: کہ میرے پاس تو پہننے کے کپڑے نہیں ہیں اور میں اس لباس کے ساتھ امیر کے پاس حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔

کچھ دیر بعد قاصد میرے لئے قیمتی لباس لایا اور اس کے ساتھ ایک ہزار مثقال سونا بھی ساتھ لایا۔ میں نئے کپڑے پہن کر امیر بصرہ کے پاس گیا۔ اس نے کہا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ان کے فرزندوں امین اور مامون کی تعلیم کے لئے بغداد روانہ کروں۔

میں بغداد گیا۔ جب امین اور مامون نے تعلیم کی ابتداء کی تو خلیفہ کی طرف سے سونے کے سکوں کے کئی طبق لٹائے گئے۔ اس دن میں نے اتنا سونا جمع کیا جس کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا اس کے علاوہ ہر ماہ مجھے دس ہزار تنخواہ دی جاتی تھی۔

ایک عرصہ کے بعد ہارون نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ منبر پر بیٹھ کر تقریر کریں۔ میں نے ہارون کو بتایا تھا کہ میں نے اس کے دونوں بیٹوں کو فن تقریر میں طاق کردیا ہے۔ جمعہ کا دن تھا امین نے حاضرین سے خطاب کیا تو حاضرین نے بے تحاشا دولت لٹائی۔ ہارون نے بھی مجھے بہت سا انعام دیا۔

اس دن ہارون نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں تم نے

میرے بچوں کو تعلیم دی ہے کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔

میں نے کہا کہ آپ نے مجھے اتنا کچھ عطا کیا ہے جس کے بعد کچھ مانگنے کی حسرت ہی نہیں رہی۔ میں چند دنوں کیلئے اپنے شہر بصرہ جانا چاہتا ہوں۔ ہارون نے مجھے جانے کی اجازت دی اور میری روانگی سے پہلے والیِ بصرہ کو خط لکھا کہ وہ اعیانِ سلطنت کو لے کر میرا پرتپاک استقبال کرے اور ہر ہفتہ میں دو دن میرے مکان پر حاضری دے۔ چنانچہ میں جیسے ہی بصرہ پہنچا تو والی بصرہ نے میرا شایانِ شان استقبال کیا۔ بصرہ میں ایک زرنگار ہودج میری سواری کے لئے موجود تھا۔ میں اس ہودج میں سوار ہوکر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ گلی میں میرے ہمسائے کا چھپر موجود تھا۔ جس کی وجہ سے ہودج کا وہاں سے گزرنا مشکل تھا۔ میں نے چھپر گرانے کا حکم دیا جس کی فوری تعمیل ہوئی۔ شہر کے لوگ جوق درجوق میری ملاقات کے لئے آئے ان ملاقاتیوں میں وہ سبزی فروش بھی شامل تھا جو مجھے روزانہ طعنہ دیا کرتا تھا۔ اس نے مجھے مبارک باد دی تو میں نے کہا: تم نے دیکھ لیا کہ کاغذ و قلم کس طرح سے سرسبز ہوتے ہیں اور ان پر کیسا ثمر آیا ہے۔

سبزی فروش بہت ہی شرمندہ ہوا اور مجھ سے معافی مانگی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ (خزائن نراقی۔ ص۳۷۹)

حصولِ آرزو کیلئے صبر وتحمل کی ضرورت ہے

مولانا جلال الدین رومی نے مثنوی شریف میں ایک داستان بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ پر تصویر بنوانے کیلئے ایک نقاش کے پاس گیا جو ہاتھوں پر مختلف اشیاء کی تصویریں بناتا تھا۔

اس نے جاکر نقاش سے کہا کہ میں چاہتا ہوں میرے بازو پر ایک شیر کی تصویر بناؤ۔ نقاش نے سوئی لے کر گودنا شروع کیا۔ اسے سوئی کی وجہ سے تکلیف

محسوس ہوئی۔ نقاش سے پوچھا: یہ کیا بنارہے ہو؟ اس نے کہا: میں شیر کی دم بنارہا ہوں۔ تو اس نے کہا: دم بڑی تکلیف دے رہی ہے تم دم کے بغیر شیر بناؤ۔

نقاش نے پھر گودنا شروع کیا لیکن سوئی کی چبھن کی وجہ سے اسے پھر تکلیف ہونے لگی تو پوچھا: اب کیا بنارہے ہو؟

نقاش نے کہا: میں شیر کا سر بنارہا ہوں۔

اس نے کہا: سر سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ تم سر کے بغیر ہی شیر بنادو۔

نقاش نے پھر سوئی اٹھائی اور بازو کو گودنے لگا۔ اسے پھر تکلیف ہوئی اور پوچھا کہ اب کیا بنارہے ہو تمہاری سوئی کی چبھن مجھے بے چین کئے دیتی ہے۔

اس نے کہا: اب میں شیر کا پیٹ بنارہا ہوں۔

اس شخص نے کہا: پیٹ کو جانے دو۔ تم ویسے ہی شیر بناؤ۔ تو نقاش نے جل کر کہا: بے وقوف! ایسا شیر تو اللہ نے بھی نہیں بنایا جس کی نہ دم ہو، نہ سر ہو، نہ پیٹ ہو، تو میں ایسا شیر کیسے بنا سکتا ہوں۔ جب تم سوئی کی چبھن ہی برداشت نہیں کرسکتے تو شیر کی تصویر کی خواہش ہی کیوں کرتے ہو؟

برزمین زد سوزن آن دم او ستاد
گفت در عالم کسی را این فتاد
شیر بی دم سر و اشکم که دید
این چنین شیری خدا هم نافرید
چون نداری طاقت سوزن زدن
از چنین شیر ژیان پس دم مزن

نوشیروان اور لکڑہارا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نوشیروان بادشاہ شکار سے واپس آرہا تھا کہ راستے میں اس کی نظر ایک بوڑھے لکڑ ہارے پر پڑی۔ جس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا اور دھوپ کی وجہ سے اس کا تمام بدن پسینہ میں شرابور تھا۔ اس کے پاؤں میں جوتا تک نہ تھا۔ راہ چلتے اچانک اس کے پاؤں میں ایک ہڈی لگی جس سے اس کے پاؤں سے خون بہنے لگا۔ اس نے مٹی اٹھا کر زخم کے مقام پر ڈالی اور چل پڑا۔ نوشیروان بادشاہ کو اس لکڑہارے پر ترس آیا۔ گھوڑا دوڑا کر اس کے پاس گیا اور اس سے کہا: تو بوڑھا آدمی ہے یہ تیرے آرام کرنے کا وقت ہے اس بڑھاپے میں تو اتنی محنت کیوں کر رہا ہے؟

بوڑھے نے کہا: میری بیوی فوت ہو چکی ہے اور میرے گھر میں چار بیٹیاں ہیں میں روزانہ ایک گٹھا لکڑیوں کا بازار جا کر فروخت کرتا ہوں جس سے مجھے روزانہ ڈیڑھ درہم مل جاتا ہے۔ ایک درہم کا آٹا لے کر کھانا پکاتا ہوں اور آدھے درہم کی روئی خرید کر جمع کرتا رہتا ہوں۔ جب اچھی خاصی روئی جمع ہو جاتی ہے تو اس سے میری بیٹیوں کے کپڑے تیار ہوتے ہیں۔ اگر میں محنت نہ کروں تو ہم سب بھوکے رہ جائیں گے۔

نوشیروان نے کہا: تمہارا گھر کہاں ہے؟

بوڑھے نے جواب دیا: میرا گھر اسی بستی میں ہے۔ نوشیروان نے کہا: تو میں یہ بستی تمہارے حوالہ کرتا ہوں۔ اس بستی کا تمام تر خراج اور لگان آج سے تمہارا ہوگا اور نشانی کے لئے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔

بوڑھا انگوٹھی لے کر شہر کے سردار کے پاس گیا اور اس نے اس علاقہ کا تمام لگان اسکے حوالہ کر دیا۔ چند دنوں بعد اس کا شمار دولت مند افراد میں ہونے لگا۔

پھر ایک مدت کے بعد نوشیروان بادشاہ شکار کے لئے نکلا اور اپنے ساتھیوں

سے جدا ہو گیا اور اتفاق سے اسی بستی میں پہنچ گیا۔

اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ گاؤں کس کا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ گاؤں ایک لکڑہارے کا ہے جس پر بادشاہ نے رحمدلی کرتے ہوئے یہ گاؤں عطا کیا تھا۔

بادشاہ کو گزرا ہوا زمانہ یاد آیا اور لوگوں سے پوچھا کہ اس کا گھر کہاں ہے؟

لوگوں نے اس کے گھر کی نشان دہی کی۔ جب نوشیروان وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ملازمین کی ایک فوج اس کے دروازہ پر کھڑی پہرہ دے رہی ہے۔

نوشیروان نے ملازمین سے پوچھا: تمہارا مالک کہاں ہے؟

انہوں نے بتایا کہ آج ان کی طبیعت ناساز ہے اسی لئے وہ آج آرام کر رہے ہیں۔

بادشاہ نے پوچھا: ان کی طبیعت کی خرابی کی وجہ کیا ہے؟

ملازمین نے بتایا: آج ہمارا سردار اپنے باغ کی سیر کرنے گیا تو سیر کی وجہ سے ان کی طبیعت میں کچھ سستی سی پیدا ہو گئی اسی لئے آج وہ آرام فرما رہے ہیں۔ یہ سن کر نوشیروان کو ہنسی آگئی اور کہا کہ تم اپنے مالک سے کہو کہ ایک مہمان اسے ملنا چاہتا ہے۔

بوڑھے نے ملاقات کی اجازت دی تو نوشیروان اس کے کمرہ میں داخل ہوا اور دیکھا کہ بوڑھا اطلس و کمخواب کے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ بادشاہ کو دیکھ کر بستر سے اٹھا اور اس کی تعظیم بجا لائی۔

بادشاہ نے کہا: تم مجھے ایک سوال کا جواب دے دو پھر میں چلا جاؤں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ آج سے چند برس قبل تمہارے پاؤں میں ہڈی چبھی تھی تو تمہیں اس وقت تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی اور آج باغ کی سیر سے تمہاری طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

بوڑھے نے کہا: بادشاہ سلامت! مرد کو سختیوں پر صبر کرنا چاہئے تاکہ عزت واقبال کے وقت دل کھول کر آرام کرسکے۔

بادشاہ کو بوڑھے کا یہ جواب پسند آیا اور اس نے ایک اور دیہات بھی اس کے حوالے کردیا۔

تکالیف پر صبر وتحمل

منصور دوانقی نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے حسنی سادات کو گرفتار کرکے تنگ و تاریک زندانوں میں ڈالا تھا۔ ان قیدیوں میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے فرزند ارجمند علی بن الحسن المثلث بھی شامل تھے۔ ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے انہیں علی خیر اور علی عابد کہا جاتا تھا۔ آپ اپنے دور میں عبادت اور ذکر الٰہی میں اپنی مثال آپ تھے۔ حسنی سادات کا قید خانہ اتنا تاریک تھا کہ دن رات کا پتہ نہ چلتا تھا اور اوقاتِ نماز کا علم نہ ہوتا تھا۔

سید علی عابد نے قرآن مجید پڑھنے کے اوقات اس طرح سے متعین کئے تھے کہ باقی قیدیوں کو اوقات نماز کا ان سے علم ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ان کے بھتیجے سید عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے ان سے اپنی قید وبند کی شکایت کرتے ہوئے کہا: چچا جان اس تنگ و تاریک قید خانہ کو آپ دیکھ رہے ہیں اور اس پر طوق و زنجیر کا بوجھ بھی ہے آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائے۔ سید علی عابد نے کہا: چچا کی جان! اللہ نے جنت میں ہمارے لئے ایک درجہ مقرر کیا ہے اور ہم ان آزمائشوں پر صبر کئے بغیر اس درجہ کو حاصل نہیں کرسکتے۔ اور منصور کے لئے بھی اللہ نے دوزخ میں ایک سخت ترین مقام بنایا ہے اور وہ دوزخ کے اس مقام پر تبھی پہنچ سکتا ہے جب وہ ہمیں اس طرح کی تکالیف دے۔ اگر آپ ان مصائب و آلام پر صبر کریں تو آپ کے آرام کا وقت آنے والا ہے کیونکہ

ہماری موت قریب آچکی ہے۔ اور اگر اس قید خانہ سے نجات چاہتے ہو تو میں دعا مانگتا ہوں جس کے بعد تم رہا ہوجاؤ گے لیکن یہ یاد رکھو کہ منصور دوزخ کے اس عذاب سے بچ جائے گا۔

یہ سن کر سید عبداللہ نے کہا: چچا جان پھر ہم صبر کریں گے۔

تین دن بعد سید علی بن حسن مثلث کی زندان میں حالت سجدہ میں وفات ہوگئی۔ سید علی عابد کو جب سجدہ میں سر رکھے کافی دیر ہوئی تو عبداللہ نے سمجھا کہ شاید انہیں نیند آگئی ہے۔ بیدار کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرچکی ہے۔ (مقتل خوارزمی، ج ۲۔ ص ۱۰۸، تتمہ المنتہیٰ۔ ص ۱۳۴)

غربت پر صبر کرنا شہادت سے بھی بہتر ہے

دین حق کے پرچم کی سربلندی اور کلمۂ توحید کیلئے جن سرفروشوں نے اپنی جان قربان کی اور شہادت کے عظیم رتبہ پر فائز ہوئے، انہیں حق تعالیٰ کی طرف سے جنت میں داخل ہونے کا حکم ملے گا۔ اور جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ایک گروہ ان سے بھی پہلے جنت میں موجود ہوگا۔ اس وقت شہداء بارگاہ احدیت میں عرض کریں گے: خدایا! ہم نے تیرے دین کے لئے اپنی جان کی قربانی دی اور اپنے بچوں کو یتیم کیا اس کے بدلہ میں تونے ہمیں جنت میں بھیجا لیکن یہ کون لوگ ہیں جو ہم سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوئے ہیں۔

تو اس وقت انہیں ندائے قدرت سنائی دے گی۔ یہ غریب ومسکین سادات ہیں۔ تم تو اپنی زندگی صرف ایک بار کفار کی تیغ ستم سے شہید ہوئے لیکن یہ روزانہ متعدد بار غربت وافلاس کی تلوار سے ذبح ہوتے تھے۔ اسی لئے تمہارے مرتبہ سے ان کا مرتبہ زیادہ ہے۔ (خلاصۃ المنہج تفسیر سورۂ الزمر)

جلد بازی اور رزقِ حرام

ایک دن امیر المؤمنین علیہ السلام نے مسجد میں داخل ہوتے وقت ایک شخص کے ہاتھ میں گھوڑے کی لگام دی اور فرمایا: میرے واپس آنے تک میرے گھوڑے کا خیال رکھنا۔ جب آپ علیہ السلام مسجد سے باہر نکلے تو آپ کے ہاتھ میں دو درہم تھے۔ جو آپ اس شخص کو اجرت کے طور پر دینا چاہتے تھے جسکے حوالے آپ نے گھوڑا کیا تھا لیکن آپؑ نے باہر نکل کر دیکھا تو اس شخص کا کہیں اتاپتا نہیں تھا اور گھوڑے کی لگام بھی غائب تھی۔ آپؑ نے غلام کو دو درہم دے کر فرمایا: جاؤ بازار سے لگام لے کر آؤ۔ غلام گیا تو آپ کے گھوڑے کی لگام ایک دکان پر لٹکی ہوئی تھی۔ غلام نے پوچھا: یہ لگام تمہیں کون دے گیا ہے؟

دوکاندار نے کہا: ابھی چند لمحات قبل ایک نوجوان یہ لگام میرے پاس دو درہم میں بیچ کر گیا ہے۔

غلام نے دوکاندار کو دو درہم دیئے اور لگام واپس لے لی۔

جناب امیر المؤمنین نے فرمایا: وہ خود ہی بدبخت تھا میرا تو ارادہ تھا کہ میں اسے دو درہم دوں گا لیکن اس نے جلد بازی کر کے رزقِ حلال کو رزقِ حرام میں تبدیل کر لیا اور مقدر سے زیادہ اسے کچھ بھی نہ ملا۔ (زہر الربیع)

مصیبت پر صبر کرنے کا اجر

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میرا سابق شوہر ابو سلمہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے اٹھ کر گھر آیا تو کہا کہ میں نے آج پیغمبر خداؐ سے ایک بات سنی ہے جو مجھے بہت پسند آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: جب کبھی کسی مسلمان پر مصیبت آئے تو اسے چاہئے کہ "انا اللہ وانا

الیہ راجعون" کہے اور اس کے بعد یہ دعا مانگے، "الھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا" خدایا مجھے اس مصیبت کا اجر دے اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ انسان کو اجر دیتا ہے اور فوت شدہ سے بھی بہتر نعمت عطا فرماتا ہے۔

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے اس دعا کو یاد کر لیا اور جب میرے شوہر ابو سلمہ کی وفات ہوئی تو میں نے یہ دعا پڑھی لیکن دل میں سوچا کہ ابو سلمہ سے بہتر انسان مجھے کیسے مل سکتا ہے؟

میری عدت کے دن پورے ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے غریب خانہ پر تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں اس وقت ایک کھال کو رنگ رہی تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ دھوئے اور رسول خداؐ کے لئے میں نے ایک گدا بچھایا، جس میں کھجور کے پتے تھے۔ آپؐ اس گدے پر بیٹھ گئے اور آپؐ نے مجھ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا۔ تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ ناممکن ہے کہ مجھے آپؐ کی جانب رغبت نہ ہو لیکن میں غیور عورت ہوں، ڈرتی ہوں کہ مجھ سے کہیں کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوجائے جس کی وجہ سے اللہ مجھے عذاب دے اور علاوہ ازیں میں بچوں والی ہوں اور بوڑھی ہوں۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک تمہارے بچوں کا تعلق ہے تو وہ میرے بچے ہیں اور جہاں تک تمہارے بوڑھے ہونے کا تعلق ہے تو میں بھی جوان نہیں ہوں۔ میں بھی تمہاری طرح سے بوڑھا ہوں۔

پھر میں نے نکاح پر رضامندی ظاہر کی۔ اس طرح سے خدا نے مجھے ابو سلمہ سے بہتر رسولؐ خدا جیسا شوہر عطا کیا۔ (بحار الانوار، ج ۶۔ ص ۷۲۶)

جوان بیٹے کی موت پر صبر

عبدالرحمٰن بن غنمہ کہتے ہیں کہ ہم چند افراد معاذ کے فرزند کی عیادت کیلئے گئے۔ ہم نے دیکھا کہ معاذ اپنے بیٹے کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا اور جوان پر نزع کی حالت طاری تھی۔ یہ دیکھ کر ہم سے صبر نہ ہو سکا بے اختیار ہمارے آنسو ٹپکنے لگے اور ہمارے رونے کی صدا بلند ہوئی۔ معاذ نے ہمیں سختی سے روک دیا اور کہا: خاموش ہو جاؤ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس مصیبت پر صبر کرنا مجھے ان غزوات کی شرکت سے زیادہ عزیز ہے جو میں نے پیغمبر خداؐ کے ساتھ مل کر کی ہیں۔ میں نے پیغمبر اسلامؐ سے سنا آپؐ نے فرمایا: جس شخص کا کوئی بیٹا ہو اور وہ اسے بہت پیارا ہو اگر وہ بیٹا مر جائے اور باپ صبر کرے اور اللہ کی تقدیر کا شکوہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ مرنے والے کو پہلے گھر سے اچھا گھر دے گا اور مصیبت زدہ فرد کو اپنی رحمت، مغفرت اور رضوان کا مستحق قرار دے گا۔ تھوڑی دیر بعد اذان کی صدا بلند ہوئی۔ لڑکے کی وفات ہو گئی اور ہم نماز ادا کرنے کیلئے باہر چلے گئے اور جب ہم واپس آئے تو ہم نے دیکھا کہ لڑکے کو غسل و کفن مل چکا ہے اور لوگ اس کا جنازہ اٹھائے قبرستان جا رہے ہیں۔ ہم جنازہ میں شامل ہوئے اور ہم نے معاذ سے کہا: خدا تجھ پر رحم فرمائے کم از کم تو اتنا صبر تو کرتا کہ ہم اپنے بھتیجے کے غسل و کفن میں شریک ہو سکتے۔

معاذ نے کہا: ہمیں پیغمبر خدا کا حکم ہے کہ تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے اور جب کوئی فوت ہو جائے تو اسے جلدی سے دفن کر دیا جائے۔ پھر معاذ نے قبر میں داخل ہو کر اپنے بیٹے کو دفنایا۔

جب معاذ قبر سے نکل رہا تھا تو میں نے سہارے کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو اس نے میرے ہاتھ کا سہارا لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے اس لئے تمہارے ہاتھ کے سہارے کا انکار نہیں کیا کہ میں زیادہ طاقت ور ہوں۔ بلکہ میں نے اس لئے سہارا

لینا پسند نہیں کیا کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھ لے کہ بیٹے کی موت کی وجہ سے میں بے حال ہو گیا ہوں۔

پھر معاذ اپنے گھر آیا سر میں تیل ڈالا آنکھوں میں سرمہ لگایا اور لباس تبدیل کیا اور اس دن باقی ایام کی بہ نسبت زیادہ مسکرایا۔

اور کسی کسی وقت کہتا تھا "انا للہ و انا الیہ راجعون" فوت شدہ چیز کا نعم البدل اس کے پاس ہے اور اس کی راہ میں ہر مصیبت آسان ہے اور نقصان کی وہی تلافی کرنے والا ہے۔ (انوار نعمانیہ۔ ص ۳۲۳)

شہادت حمزہؓ و صبر پیغمبرؐ

جب جنگ احد ختم ہوئی تو رسولؐ کریم نے دریافت فرمایا: میرے چچا حمزہؓ کے متعلق کسی کو کوئی علم ہے؟

حارث بن صمت نے کہا: میں نے ان کا مقامِ شہادت دیکھا ہے۔ آپؐ نے اسے بھیجا کہ جا کر دیکھو میرے چچا کی لاش کس حالت میں ہے۔

حارث نے امیر حمزہ کی لاش کی حالت دیکھی تو رسولؐ خدا کو بتانے پر آمادہ نہ ہو سکا۔

پھر رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ جاؤ اپنے چچا حمزہ کا پتہ کرو۔

جب علیؑ نے حمزہ کی لاش کا حال دیکھا تو وہ بھی رسولؐ خدا کو بتانے پر آمادہ نہ ہو سکے بعد ازاں پیغمبر اکرم حمزہؓ کو تلاش کرنے کے لئے خود اٹھے۔ جب آپ حمزہؓ کی لاش پر پہنچے تو لاش کا مثلہ ہو چکا تھا یعنی ناک اور کان کاٹ لئے گئے تھے اور ان کا شکم چیر کر کلیجہ نکال کر چبایا جا چکا تھا۔

اپنے چچا حمزہؓ کی یہ مظلومیت دیکھ کر آپؐ رونے لگے اور فرمایا: "لك الحمدو انت المستعان والیك المشتکیٰ ثم قال لن اصاب بمثل حمزة ابدا"

اللہ تو ہی حمد کے لائق ہے اور تو ہی ہمارا ناصر و مددگار ہے ظالموں کا شکوہ ہم تیرے حضور ہی کرتے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: مجھ پر حمزہ کی مصیبت جیسی اور مصیبت کبھی وارد نہ ہوگی۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اگر اللہ نے مجھے قریش پر تسلط عطا کیا تو میں ان کے ستر افراد کا مُثلہ کروں گا۔ اس وقت جبرئیلؑ امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعو قبتم به ولئن صبر تم فهو خير للصابرين"

اگر تم بدلہ لو تو اتنی ہی سزا دو جتنی سزا تمہیں ملی ہے اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کیلئے بہتر ہے۔

آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: میں صبر کرتا ہوں۔ پھر آپؐ نے حضرت حمزہؓ کی لاش پر اپنی چادر ڈالی۔ اگر چادر سے سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ آپؐ نے چادر سے امیر حمزہؓ کا سر ڈھانپا اور پاؤں پر اذخر نامی گھاس ڈالی گئی۔

اسی جنگ میں شیطان نے آواز دی تھی ص"الا قدقتل محمد" محمد قتل ہوگئے۔ یہی آواز مدینہ پہنچی تو مدینہ کی خواتین سراسیمہ ہوکر گھروں سے نکل کر میدان احد کی طرف آئیں۔ ان خواتین میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا اور حضرت صفیہ خواہر حمزہؓ بھی شامل تھیں۔ یہ دیکھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اپنی پھوپھی صفیہ کا خیال رکھنا اور انہیں ان کے بھائی حمزہ کی لاش پہ نہ جانے دینا اور فاطمہؑ کو میرے پاس آنے دینا۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا نے اپنے والد کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ خون میں تر ہے تو حضرت فاطمہؑ رونے لگیں اور کہا: اللہ کا ان پر سخت غضب ہو جنہوں نے آپؐ کو لہولہان کیا۔

جب رسول خداؐ مدینہ واپس تشریف لائے تو انصار کے ہر گھر سے خواتین کے رونے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ اپنے شہدا پر بین کر رہی تھیں۔ رسول خداؐ کے آنسو جاری ہوئے اور فرمایا: ہائے آج حمزہؓ پر گریہ کرنے والیاں کوئی نہیں۔

سعد بن معاذ نے آپؐ کے یہ الفاظ سنے تو انصار سے کہا کہ ہر عورت اپنے مقتول پر گریہ کرنے سے پہلے حضرت فاطمہ زہراؑ کے پاس جائے اور ان کے ساتھ مل کر حمزہؓ پر گریہ کرے۔ (بحار الانوار غزوۂ احد)

ہر تکلیف مؤمن کیلئے باعثِ اجر ہے

یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ وہ بدن ملعون ہے جو ہر چالیس دن میں کوئی تکلیف اور بیماری نہ دیکھے۔

یونس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: کیا صرف اسی وجہ سے بدن ملعون بن جاتا ہے؟

امام نے فرمایا: جی ہاں۔ امام علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ بات مجھے گراں گزر رہی ہے۔ تو فرمایا: یونس! ہر خدشہ یا خراش یا اپنے منہ پر تھپڑ مارنا یا ٹھوکر کھا کر گرنا یا کسی شخص کی طرف سے توہین کا ہونا حتیٰ کہ جوتی کا پھٹ جانا بھی مصیبت میں شمار ہوتا ہے۔

یونس! یاد رکھو اللہ کے نزدیک مؤمن کا بڑا مقام ہے اسی لئے اللہ اس پر چالیس دن ایسے نہیں گزرنے دیتا جس میں اس کے گناہوں کا ازالہ نہ ہو۔ خدا کی قسم وہ تمہیں کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور دیتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات انسان رقم گن رہا ہوتا ہے تو وہ اسے کم سمجھتا ہے اسے افسوس ہوتا ہے لیکن جب دوسری بار وہی رقم دوبارہ گنتا ہے تو رقم پوری ہوتی ہے۔ اور یہ افسوس بھی اس کے گناہوں کے ازالہ کا سبب بن جاتا ہے۔

یونس! وہ شخص ملعون ہے جو اپنے ہمسائے کو ستائے اور وہ شخص ملعون ہے کہ اس کا بھائی اس سے صلح کرنے آئے اور وہ صلح سے انکار کردے۔

یہ روایت طویل ہے اس میں پندرہ قسم کے لوگوں پر امام نے لعنت فرمائی ہے تفصیل کے خواہش مند حضرات روضات الجنات کے صفحہ ۶۷۱ کا مطالعہ فرمائیں۔

بیماری خدائی تحفہ ہے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کی خواستگاری کی۔ لڑکی کے باپ نے اپنی بیٹی کی خصوصیات گنوانی شروع کردیں۔ ان میں سے ایک خصوصیت اس نے یہ بتائی کہ جب سے یہ پیدا ہوئی ہے کبھی بیمار نہیں ہوئی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ایسے جسم میں کوئی برکت نہیں جو گورخر کی طرح بیمار نہ ہوتا ہو۔ بیماری درحقیقت خدا کی طرف سے بندہ کیلئے تحفہ ہے تاکہ اگر وہ یاد خدا سے غافل ہو تو متنبہ ہو کر خدا کو یاد کر سکے۔

امام صادق علیہ السلام کا خط

اسحاق بن عمار کہتے ہیں جب منصور دوانقی نے عبداللہ بن حسن اور ان سے وابستہ افراد کو قید کرکے زندان بھیجا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کی تسلی کیلئے انہیں یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط خلف صالح اور ذریت پاک کی طرف ان کے بھتیجے اور ابن عم کی طرف سے ہے۔

عبداللہ! اگر ظالم آپ کو زندان لے گئے تو انہوں نے مجھے بھی شریک کیا آپ کو جو دل میں کوفت و مصیبت محسوس ہوئی تو اس میں آپ اکیلے نہیں، میں بھی آپ کی طرح محزون و مغموم ہوں۔ اس مصیبت و تکلیف کیلئے اگر آپ خدا کی طرف رجوع کریں اور اس کی کتاب سے رہنمائی حاصل کریں تو اللہ آپ کو صبر اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ "فاصبر ولا تکن کصاحب الحوت" پس صبر کرو اور مچھلی والے (یونسؑ) کی طرح نہ ہو۔ (آپ نے صبر کے متعلق دس قرآنی آیات تحریر فرمائیں جنہیں ہم بغرض اختصار ترک کر رہے ہیں)۔

چچا جان! دنیاوی نقصان کی مؤمنین کیلئے کوئی اہمیت نہیں ہے اور اہل ایمان کی نظر میں مصائب و حوادث پر صبر سے زیادہ کسی چیز کی اہمیت نہیں ہے۔ اگر حقائق اسکے برعکس ہوتے تو دشمنانِ خدا کبھی دوستانِ خدا کو قتل نہ کرسکتے اور انہیں کبھی بھی خوف زدہ نہ کرسکتے۔ دنیا کی نالائقی کی مثال کیلئے زکریاؑ و یحییٰؑ کی شہادت ہی کافی ہے۔ اور تمہارے دادا علیؑ بن ابی طالب اور امام حسینؑ کی شہادت بھی اس کی مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ کافروں کو مہلت دیتا ہے اور اس کی نظر میں دنیاوی دولت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے "لولا ان یکون الناس امة واحدة لجعلنا لمن یکفر بالرحمان لبیوتھم سقفا من فضة ومعارج علیھا یظھرون" اگر لوگوں کے کفر کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم کافروں کے مکانوں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو سونے چاندی کی بنا دیتے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "أیحسبون انما نمدھم به من مال وبنین نسارع لھم فی الخیرات بل لایشعرون" کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں مال و دولت اور اولاد دے کر ان کی نیکیوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ درحقیقت انہیں شعور نہیں ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے اگر مؤمن غمگین نہ ہوتے تو کافر کیلئے لوہے کی ایسی پٹی بنائی جاتی کہ اسے کبھی درد سر تک نہ ہوتا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں کہا گیا کہ اگر دنیا کی اللہ کے نزدیک مکھی کے پر کے برابر بھی حیثیت ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں کہا گیا کہ اللہ جب کسی انسان یا قوم سے محبت کرتا ہے تو ان پر مسلسل آزمائشیں نازل کرتا ہے وہ جب بھی ایک غم سے نکلتے ہیں تو انہیں دوسرے غم میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں بتایا گیا خدا کو دو رنج بڑے پسند ہیں۔ پہلا رنج جب مؤمن کسی پر ناراض ہوتا ہے تو اسے معاف کردیتا ہے اور دوسرا جب مؤمن پر کوئی رنج و غم وارد ہوتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے۔

اسی لئے اصحاب رسول کا وطیرہ تھا کہ جب کوئی ان پر ظلم کرتا تو وہ اسے طول عمر، صحت بدن اور مال و اولاد کی کثرت کی دعا دیتے تھے۔ اور پیغمبرؐ خدا کا اصول تھا کہ آپؐ جسے پسند کرتے تو اسے شہادت کی دعا دیتے تھے۔

لہٰذا اے برادران و عموزادگان! تمہیں صبر سے کام لینا چاہئے اور اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے اور اس کی قضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو صبر کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں ہر قسم کی ہلاکت و تباہی سے محفوظ رکھے۔ وہ سننے والا اور ہمارے قریب ہے اور بے حد و حساب درود ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی پاک آل پر۔ (بحار الانوار، ج ۱۱۔ ص ۱۲)

در مسلخ عشق جز نکو را نکشند

لاغر صفتان زشت خو را نکشند

گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز

مردار بود ہر آنکہ او را نکشند

مقتلِ عشق میں صحت مند کے علاوہ کسی کو ذبح نہیں کیا جاتا۔ کمزور اور بدخو جانوروں کو ذبح نہیں کیا جاتا۔

اگر تو سچا عاشق ہے تو قتل ہونے سے مت گھبرا۔ کیونکہ جسے ذبح نہ کیا جائے وہ مردار ہوتا ہے۔

صحرائی خاتون کا صبر

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں اپنے دوست کے ساتھ ایک صحرا کی سیر کو گیا۔ اتفاق سے ہم راستہ بھول گئے۔ دور سے ہمیں ایک خیمہ نظر آیا۔ ہم اس خیمہ کی طرف گئے تو وہاں ایک خاتون بیٹھی تھی۔ ہم نے اسے سلام کیا، اس نے ہمیں جواب دیا اور پھر خاتون نے ہم سے پوچھا: آپ کون ہیں؟

ہم نے بتایا کہ ہم راہ سے بھٹکے ہوئے مسافر ہیں۔ آپ کے خیمہ پر نظر پڑی تو ادھر چلے آئے تاکہ راستہ معلوم کرسکیں۔ خاتون نے ہمارے لئے ایک چٹائی بچھادی اور کہا کہ آپ یہاں بیٹھیں۔ کچھ دیر بعد میرا بیٹا آنے والا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کچھ کھاپی کر یہاں سے جائیں۔

اس کے بیٹے کو آنے میں دیر ہوگئی، خاتون باربار دامن خیمہ اٹھا کر بیٹے کا راستہ دیکھتی رہی۔ دور سے ایک شخص اونٹ پر سوار ہوکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ خاتون نے اونٹ کو آتا دیکھ کر کہا: خدا خیر کرے اونٹ تو میرے بیٹے کا ہے لیکن سوار کوئی اور ہے۔ اتنی میں شتر سوار قریب آیا اور خاتون کو خبر سنائی کہ اس کا بیٹا فوت ہوچکا ہے۔

خاتون نے یہ سن کر پوچھا کہ واقعی تم سچ کہہ رہے ہو؟

شتر سوار نے کہا: جی ہاں اونٹ بے قابو ہوگیا تھا جس کی وجہ سے تمہارا بیٹا

کنویں میں گر کر ہلاک ہو گیا۔

خاتون نے خبر لانے والے شخص سے کہا: پھر اونٹ سے اتر آؤ اور میری مدد کرو۔ میرے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں ان کیلئے یہ گوسفند ذبح کر دو۔ اس شخص نے گوسفند ذبح کیا۔ عورت نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا اور ہم سے پوچھا کہ تمہیں قرآن کی کچھ آیات یاد ہیں؟ ہم نے کہا: جی ہاں۔ پھر میں نے "وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انالله و انا الیه راجعون اولئك علیھم صلوات من ربھم و رحمة واولئك ھم المھتدون" کی تلاوت کی۔

ترجمہ: "اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو، جب ان پر مصیبت وارد ہوتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہماری بازگشت بھی اسی کی جانب ہے۔ ان لوگوں پر اللہ کی طرف سے درود اور رحمت ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"

عورت نے یہ سن کر کہا: تجھے خدا کی قسم واقعی قرآن میں ایسا ہی لکھا ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔ تو وہ عورت اٹھی اور چند رکعت نماز پڑھی اور دستِ نیاز کر کے دعا مانگی "اللھم انی قدفعلت ما امرتنی به فانجزلی ماوعدتنی به" پروردگار! جو تو نے کہا میں نے اس پر عمل کیا۔ اور جو تو نے وعدہ کیا ہے اس کی میرے لئے وعدہ وفائی فرما۔

پھر اس عورت نے کہا: اگر کسی کو ہمیشہ کی زندگی ملی ہوتی تو میں اپنے بیٹے کیلئے ہمیشہ کی زندگی طلب کرتی لیکن جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس دنیا سے چلے گئے تو امت کیسے ہمیشہ رہ سکتی ہے۔

جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

دو صابر خواتین کا موازنہ

ابو طلحہ انصاری، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر

صحابی تھے۔ جنگ احد میں وہ رسول خداؐ کے لئے سپر بن کر آپؐ کے آگے کھڑے ہو گئے تھے اور کفار کی طرف تیر اندازی کرتے رہے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی وقت اپنے پاؤں کی انگلیوں پر کھڑے ہو کر ان کے ہدف کو دیکھتے تو ابو طلحہ آپؐ سے عرض کرتے میرا سینہ آپؐ کے لئے سپر ہے اور جو تیر آپؐ کی جانب آئے گا میں اسے اپنے سینہ پر لوں گا۔

ابو طلحہ انصاری کا ایک بیٹا تھا جو اسے بہت پیارا تھا۔ وہ بچہ بیمار ہوا تو اس کی والدہ ام سلیم جو کہ اسلام کی جلیل القدر خاتون تھیں، نے ابو طلحہ کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس دوران بچہ فوت ہو گیا۔ ام سلیم نے اس کی لاش چادر میں لپیٹ کر مکان کے ایک کونے میں رکھ دی اور ابو طلحہ کے لئے کھانا تیار کیا اور اپنے شوہر کے استقبال کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا، خوشبو لگائی اور اچھے کپڑے پہنے، ابو طلحہ دربار نبوت سے واپس آئے تو بچہ کی خیریت دریافت کی۔ بیوی نے بتایا بچہ اس وقت سو رہا ہے۔

ابو طلحہؓ نے کہا: گھر میں اگر کھانا موجود ہے تو لے آؤ۔ بیوی نے شوہر کو کھانا کھلایا پھر اس کی جنسی پیاس بجھائی۔ تب اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ چند دن قبل ایک شخص نے میرے پاس امانت رکھی تھی اور آج وہ اپنی امانت لے گیا ہے تمہیں اس کا کوئی رنج تو نہیں ہے؟

ابو طلحہ نے کہا: اس میں رنج ہونے کا کیا سوال ہے۔ صاحبِ امانت کو حق ہے وہ جب چاہے اپنی امانت لے لے۔

بیوی نے شوہر سے کہا: اللہ نے تمہیں ایک بیٹا بطور امانت دیا تھا اور آج اس نے اپنی امانت سنبھال لی ہے۔

ابو طلحہ نے کہا: جب تو ماں ہو کر اتنا صبر کر رہی ہے، تو میں بھی صبر کروں

گا اور اللہ کی تقدیر پر راضی رہوں گا۔ پھر ابو طلحہ نے اٹھ کر غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بیوی کی داستان بیان کی۔ پیغمبر اسلامؐ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: خدا تمہاری آج کی ملاقات میں برکت دے۔

پھر آپ نے فرمایا: میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میری امت میں بھی اللہ نے بنی اسرائیل کی صابر خاتون جیسی خاتون پیدا کی ہے۔

لوگوں نے دریافت کیا بنی اسرائیل کی خاتون نے کیا کیا تھا؟

رسول کریمؐ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک خاتون تھی۔ اس کے شوہر نے اسے آکر بتایا کہ ہمارے ہاں چند مہمان آئے ہوئے ہیں ان کیلئے کھانا تیار کرو۔

عورت مہمانوں کیلئے کھانا تیار کرنے لگی اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو کھیل رہے تھے۔ کھیلتے کھیلتے وہ دونوں ایک کنویں میں گر گئے۔ عورت نے اپنے بچوں کے بے جان لاشے کنویں سے نکالے اور انہیں چادر میں لپیٹ کر دوسرے کمرے میں رکھ دیا۔ اس کے شوہر نے مہمانوں کو کھانا کھلایا۔ مہمانوں کے جانے کے بعد عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے لئے آراستہ کیا اور اس کی جنسی پیاس بجھائی۔ شوہر نے بیوی سے بچوں کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ ساتھ والے کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔

شوہر نے بچوں کو آواز دی تو بچے دوڑتے ہوئے باہر آگئے۔ عورت نے کہا: خدا کی قسم دونوں بچے مر چکے تھے لیکن اللہ نے میرے صبر کی وجہ سے انہیں زندہ کر دیا۔

ابو طلحہ کی بیوی بنی ہاشم کی ایک جلیل القدر خاتون تھیں۔ جب ابو طلحہ انصاری نے اس کی خواستگاری کی تھی تو اس نے کہا تھا بے شک تو میرا کفو ہے اور

تیرے جیسے انسان کی درخواست کو رد کرنا مناسب نہیں ہے لیکن تو کافر ہے اور میں مسلمان ہوں۔ اسی لئے ہمارا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگر تو اسلام قبول کر لے تو میں تیرے اسلام کو اپنے لئے حق مہر قرار دوں گی۔ ابو طلحہ مسلمان ہو گئے اور ان کی شادی ام سلیم سے ہو گئی۔

ثابت (روایت کا راوی) کہتا ہے میں نے اس سے زیادہ قیمتی اور پر برکت نکاح اور کہیں نہیں دیکھا۔

چند روایات

عن ابی عبداللهؑ قال الحر حر علی جمیع احواله ان نابت نائبة صبرلها وان تداکت علیه المصائب لم تکسره وان اسرو قهر و استبدل بالیسر عسرا کما کان یوسف الصدیقؑ لم یضرر حریته ان استعبد و قهر و اسر ولم یضرره ظلمة الجب ووحشته وما ناله ان من الله علیه فجعل الجبار العاتی عبدا له بعد اذکان مالکا فارسله و رحم الله به امه و کذلك الصبر یعقب خیرا فاصبروا و وطنوا انفسکم من الصبر.

(سفینۃ البحار، ج ۲۔ لفظ صبر)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مرد آزاد ہر حالت میں آزاد ہی ہوتا ہے۔ اگر اس پر مصیبت آجائے تو وہ اس کا مقابلہ صبر سے کرتا ہے۔ اور اگر اس پر مشکلات و مصائب کا سیلاب آئے تو اس کی شخصیت کو پارہ پارہ نہیں کرتا۔ مرد آزاد چاہے کسی کی غلامی میں کیوں نہ چلا جائے یا کسی کا زیر دست ہو جائے اور اس پر رزق کی تنگی بھی ہو جائے تو بھی وہ ان تمام حالات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا ہے اور اپنی حریت کو کسی طور بھی قربان نہیں کرتا۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے باوجودیکہ غلام بنے، لوگوں کے زیر دست ہوئے اور زندان میں گئے، پھر بھی انہوں نے اپنی

حریت و مردانگی کو قائم رکھا۔ اور اللہ نے انہیں انعام یہ دیا کہ ان کا مالک ان کا غلام بن گیا اور اللہ نے ان کی امت پر رحم کیا۔ ہمیشہ صبر کا نتیجہ بھلائی کی صورت میں بر آمد ہوتا ہے۔ لہٰذا تم بھی صبر کرو اور اپنے اندر صبر کرنے کی صلاحیت پیدا کرو۔

عن الاصبغ قال قال امیر المؤمنینؑ الصبر صبران صبر عندا لمصیبة حسن جمیل و احسن من ذلك الصبر عند ماحرم الله علیك والذكر ذكران.

ذكر الله عندالمصیبة وافضل من ذلك ذكر الله عند ماحرم علیك فیكون حاجزا.

سفینة البحار، ج ۲۔ ص ۶

اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: صبر دو طرح کا ہے۔ (۱) مصیبت پر صبر کرنا بہتر ہے۔ (۲) اور اس سے بھی زیادہ بہتر صبر یہ ہے کہ حرام چیزوں سے صبر کیا جائے، اور ذکر بھی دو طرح کا ہے۔ (۱) مصیبت کے وقت اللہ کو یاد کرنا۔ (۲) اور اس سے بہتر ذکر یہ ہے کہ انسان فعل حرام کا ارادہ کرتے وقت اللہ کو یاد کرے اور وہ یاد الٰہی اس کو فعل حرام سے روک دے۔

قال امیر المؤمنینؑ الصبر من الایمان بمنزلة الرأس من الجسد ولا ایمان لمن لاصبرله وقال انا وجدنا الصبر علی طاعة الله الیسرمن الصبر علی عذابه وقال اصبروا علی عمل لاغنی لکم عن ثوابه واصبروا عن عمل لا طاقة لکم علی عقابه.

(ارشاد القلوب۔ ص ۱۷۲)

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: ایمان کے اندر صبر کو وہی مقام حاصل ہے جو مقام بدن میں سر کو حاصل ہے۔ اور آپ نے مزید فرمایا: اللہ کے عذاب پر صبر کرنے سے ہم نے اللہ کی اطاعت پر صبر کرنے کو آسان پایا اور آپؑ نے فرمایا:

اس عمل پر صبر کرو جس کا ثواب کے بغیر تمہارا گزارا نہیں ہو سکتا اور اس عمل کی ادائیگی سے صبر کرو جس کا عذاب برداشت کرنے کی تم میں طاقت نہ ہو۔

قال الصادقؑ ان العبد لیکون له عند الله الدرجة لا یبلغها بعمله فیبتلیه الله فی جسده اویصاب بماله اویصاب فی ولده فان هوصبر بلغه الله ایاها.

(سفینة البحار، ج ۲۔ ص ۵)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: بندہ کا اللہ کے ہاں درجہ ہوتا ہے جسے وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی جسمانی آزمائش کرتا ہے یا اس کی مالی آزمائش کرتا ہے۔ یا اسے اولاد کے ذریعہ سے آزمایا جاتا ہے۔ اگر وہ صبر کرتا ہے تو اللہ اسے اس درجہ پر فائز کرتا ہے۔

عن علیؑ قال الصبر صبران صبر علی ماتحب و صبر علی ماتکره ثم قال ان ولی محمدؐ من اطاع الله و ان بعدت لحمته وان عدو محمدؐ من عصی الله وان قربت قرابته.

(وسائل جہاد نفس۔ ص ۵۰۰)

علی علیہ السلام نے فرمایا: صبر کی دو قسمیں ہیں۔ اس حرام سے صبر کرنا جو تمہیں پسند ہو اور ان حوادث پر صبر کرنا جو تمہیں ناپسند ہوں۔

پھر آپؑ نے فرمایا: محمدؐ کا دوست وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرے اگرچہ وہ ان کا رشتہ دار نہ ہو اور محمدؐ کا دشمن وہ ہے جو خدا کی نافرمانی کرے اگرچہ پیغمبر کا رشتہ دار کیوں نہ ہو۔

باب ہشتم

خوش اخلاقی کے فوائد اور بد اخلاقی کے مفاسد

اخلاقِ پیغمبرؐ کا ایک نمونہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انصار کی ایک کنیز وہاں آئی اور آپ کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور چپکے سے حضور اکرمؐ کی عبا کو پکڑا۔ آپؐ نے سمجھا کہ یہ کنیز کسی کام کے سلسلہ میں مجھے اٹھانا چاہتی ہے۔ آپؐ فوراً کھڑے ہوگئے۔ مگر کنیز نے منہ سے کچھ بھی نہ کہا آپؐ پھر بیٹھ گئے۔ کنیز نے دوبارہ آپؐ کی عبا کو پکڑا آپؐ پھر کھڑے ہوئے مگر اس بار بھی اس نے منہ سے ایک جملہ تک نہ نکالا اس نے تیسری دفعہ ایسا کیا آپؐ پھر کھڑے ہوئے مگر وہ منہ سے کچھ بھی نہ بولی۔

پھر اس نے آپؐ کی عبا میں سے ایک ٹکڑا پھاڑا اور چلی گئی۔ آپ کے اصحاب نے اسے روک کر کہا: تو نے یہ کیا حرکت کی ہے؟ کنیز نے کہا کہ ہمارے گھر میں ایک آدمی بیمار ہے۔ مالکوں نے مجھے بھیجا کہ تو رسولؐ خدا کی چادر میں سے ایک ٹکڑا لے آ تاکہ ہم اسے بیمار کے گلے میں باندھیں اور وہ عبا کا ٹکڑا باعث شفا ہو۔ لیکن میں نے جب بھی آپؐ کی عبا کو پکڑا تو آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے آخر کار چوتھی مرتبہ میں

نے عبا میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ لیا۔ (بحار، ج ۱۶۔ ص ۲۶۴ نقل از کافی)

کیا اخلاق پیغمبرؐ کی گنتی ممکن ہے؟

ایک شخص نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق گنائیں۔

آپ نے فرمایا: تم دنیا کی نعمتیں گن کر سناؤ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق تمہیں گن کر سناؤں گا۔ اس شخص نے کہا یہ ناممکن ہے کیونکہ دنیاوی نعمات اتنی زیادہ ہیں کہ میں انہیں گن نہیں سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها" اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو نہیں گن سکو گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: دنیا کی نعمات کو اس کثرت کے باوجود بھی قلیل کہا گیا ہے اور اللہ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا: "قل متاع الدنیا قلیل" کہہ دو کہ سامان دنیا قلیل ہے۔ اور اخلاق پیغمبرؐ کے متعلق اللہ کا فرمان ہے۔ "وانک لعلٰی خلق عظیم" بے شک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

جب تم قلیل کو شمار نہیں کر سکتے تو میں عظیم کو کیسے شمار کر سکتا ہوں۔

پیغمبر اسلام کے اخلاق کے متعلق تم یہی سن لو کہ انبیاء کے تمام اخلاق کی تکمیل پیغمبر اسلام کے ذریعہ سے ہوئی۔ حضورؐ اکرم سے پہلے جتنے بھی نبی آئے وہ ایک ایک اخلاق کا نمونہ تھے۔ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اخلاق عالیہ کا بلند پایہ نمونہ تھے اسی لئے آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" مجھے مکارمِ اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا۔

روضۃ الاخیار میں محمد بن قاسم لکھتے ہیں ایک مرتبہ بچوں کا ایک گروہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کھڑا ہو گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم سے عرض کی کہ آپؐ ہمیں بھی حسنؑ اور حسینؑ کی طرح اپنی کندھوں پہ اٹھائیں۔ آپؐ نے بلال سے فرمایا: جاؤ میرے گھر کچھ ہو تو لے آؤ تاکہ میں اپنی ذات کو بچوں سے خرید سکوں۔

بلال گئے اور کچھ دیر بعد آٹھ اخروٹ لائے۔ آپ نے بچوں میں اخروٹ تقسیم کئے اور فرمایا: اللہ میرے بھائی یوسف پر رحم کرے بھائیوں نے اسے چند سکوں کے عوض بیچا تھا اور ان بچوں نے مجھے آٹھ اخروٹوں کے بدلے میں بیچا ہے۔

آپؐ کا اخلاق موجب جسارت بھی بنا

ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں کہ نعیمان بن عمرو انصاری بزرگ صحابی تھے انہیں جنگ بدر میں شمولیت کا بھی شرف حاصل تھا۔ انہیں مزاح کی بڑی عادت تھی۔ ان کی طرف بہت سے واقعات منسوب ہیں ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک اعرابی رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا اونٹ مسجد کے پیچھے بٹھایا۔ بعض صحابہ نے نعیمان سے کہا:

اگر تم اس اونٹ کو نحر کرو تو ہم اس کا گوشت آپس میں تقسیم کریں گے۔ اور رسول خدا اعرابی کو اس کے اونٹ کی قیمت ادا کردیں گے اور اسے خوش کردیں گے نعیمان نے اونٹ کو نحر کیا۔ اسی اثنا میں اعرابی باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ اس کا اونٹ نحر کیا جاچکا ہے وہ چیختے ہوئے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور انصاف طلب کیا۔ یہ دیکھ کر نعیمان بھاگ گیا۔ رسولؐ کریم مسجد سے باہر نکلے تو آپ نے دیکھا کہ اعرابی کا اونٹ نحر ہوچکا تھا۔

آپؐ نے پوچھا: یہ حرکت کس سے سرزد ہوئی؟

لوگوں نے بتایا کہ یہ کام نعیمان کا ہے۔ آپؐ نے ایک شخص کو اس کی تلاش کیلئے روانہ کیا۔ نعیمان مقداد بن اسود کے گھر آئے ان کی بیوی ضباعہ دختر زبیر بن

عبدالمطلب تھیں۔

نعیمان نے ضباعہ سے چھپنے کیلئے کوئی موزوں جگہ پوچھی تو ان کے گھر میں ایک گڑھا موجود تھا انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور اوپر گھاس ڈالدی۔

تلاش کرنے والا شخص واپس آیا اور عرض کی: یارسول اللہؐ! نعیمان کو میں نے کہیں نہیں دیکھا البتہ میں نے سنا ہے کہ وہ ضباعہ اور مقداد کے گھر میں چھپا ہوا ہے۔

رسول خداؐ مقداد کے گھر تشریف لائے اور کسی نے آپؐ کو گڑھے کا اشارہ کیا آپ گڑھے کے کنارے آن کھڑے ہوئے اور گھاس ہٹائی تو نعیمان برآمد ہوئے۔ تازہ گھاس کی وجہ سے نعیمان کی پیشانی اور رخسار رنگین ہوچکے تھے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: تجھے کس نے اونٹ نحر کرنے کو کہا تھا؟

نعیمان نے کہا: جو آپ کو یہاں تک لائے ہیں انہوں نے ہی مجھے ایسا کرنے کو کہا تھا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر ہنسنے لگے اور اپنی دستِ مبارک سے اس کی پیشانی اور رخساروں کو صاف کیا۔ اس کے بعد اونٹ کے مالک کو آپؐ نے قیمت دے کر راضی کیا۔ (لطائف الطوائف۔ ص ۲۷)

آپؐ کو اعلیٰ اخلاق کتنا پسند تھا؟

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: کہ ایک دفعہ نماز فجر کے بعد رسول کریمؐ نے حاضرین سے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا ہے جو تین اشخاص سے جاکر لڑے جنہوں نے "لات" کی قسم کھا کر مجھے قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اور وہ اس کام کیلئے اپنے گھروں سے بھی روانہ ہوچکے ہیں۔

آپؐ کا فرمان سن کر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ علی بن ابی طالب تمہارے درمیان موجود نہیں ہے۔

عامر بن قتادہ نے عرض کی: یارسول اللہ! رات علیؑ کی طبیعت بہت خراب تھی اس لئے وہ صبح کی نماز جماعت میں شامل نہیں ہوسکے۔ اگر آپؐ حکم دیں تو میں علیؑ کو بلا لاتا ہوں۔ آپؐ نے کہا: ہاں تمہیں اجازت ہے۔

عامر بن قتادہ نے علیؑ کو خبر سنائی۔ خبر سنتے ہی علیؑ کی تمام بیماری رخصت ہوگئی وہ فورا پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور کریم سے حالات دریافت کئے۔

آپؐ نے فرمایا: کہ تین افراد میرے قتل کے ارادہ سے گھر سے نکلے ہیں اور لات کی قسم کھا کر یہ عزم لے کر مدینہ آنا چاہتے ہیں۔ اور مجھے رب کعبہ کی قسم وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہوں گے۔

علی علیہ السلام نے عرض کی: میں اکیلا ان کا مقابلہ کروں گا اور انہیں آپؐ سے دور کروں گا۔ آپؐ اجازت دیں میں گھر جاکر لباس تبدیل کروں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کیلئے تمہیں اپنے گھر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے لئے میری تلوار، لباس اور زرہ اور عمامہ موجود ہے۔

آپؐ نے اپنے ہاتھوں سے علیؑ کو جنگی لباس پہنایا اور اپنے ہاتھ سے ان کی کمر میں تلوار آویزاں کی اور اپنے گھوڑے پر علیؑ کو سوار کیا۔

تین دن گزر گئے اس دوران نہ تو جبرئیلؑ تشریف لائے اور نہ ہی کسی ذریعہ سے علیؑ کی اطلاع ملی۔ جناب سیدہؑ پریشان ہوئیں اور حسنؑ اور حسینؑ کو ساتھ لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: میرا گمان ہے کہ میرے بیٹے یتیم ہوگئے ہیں۔ بیٹی کی زبانی یہ بات سن کر آپؐ رو دیئے اور فرمایا: جو شخص مجھے علیؑ کی آمد کی اطلاع دے گا تو میں اسے جنت کی بشارت دوں گا۔ چنانچہ لوگ علیؑ کی تلاش کیلئے روانہ ہوگئے۔

عامر بن قتادہ نے آپ کو علیؑ کے آنے کی خبر سنائی۔ اسی وقت جبرئیلؑ امین نے آکر رسول خداؐ کو تمام واقعہ کی تفصیل سنائی۔

علیؑ اس حال میں وارد ہوئے کہ ان کے پاس ایک شخص کا سر تھا اور دو قیدی، تین اونٹ اور تین گھوڑے ان کے ہمراہ تھے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: علیؑ! واقعات کی تم خبر دو گے یا میں خبر دوں؟

یہ سن کر منافقین ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ابھی تک تو اسے علیؑ کی کوئی خبر تک نہیں تھی اور اب تمام حالات سنانا چاہتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی تم خود ہی واقعات کی تفصیل بیان کرو۔ علی علیہ السلام نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! جب میں اس وادی میں پہنچا تو میں نے ان تین افراد کو اونٹوں پر سوار دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: تو کون ہے؟

میں نے بتایا۔ کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابن عم علی بن ابی طالب ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے کہا: ہم کسی اللہ کے رسول کو نہیں جانتے ہاں تجھے تقدیر کھینچ کر ہمارے پاس لائی ہے۔ ہمارے لئے تو اور محمدؐ دونوں برابر ہیں۔

جس شخص کا سر میں لایا ہوں اس نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے اس سے لڑائی شروع کردی اسی اثنا میں سرخ ہوا کا ایک بگولہ آیا اور میں نے آپؐ کی آواز سنی کہ میں نے تمہارے لئے اس کی بند زرہ کھول دی ہے اس کے کندھے پر تلوار چلاؤ۔ میں نے تلوار چلائی مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر زرد ہوا کا ایک بگولہ نمودار ہوا اور اس میں سے مجھے آپؐ کی آواز سنائی دی کہ میں نے اس کی ران سے زرہ ہٹائی ہے لہذا تم اس کی ران پر حملہ کرو۔ میں نے اس کی ران پر حملہ کیا اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ یہ گھوڑے سے نیچے گرا تو میں نے اس کا سر جدا کردیا۔ اس کے قتل کے بعد اس کے

ان دو ساتھیوں نے مجھ سے کہا: ہمارے قتل میں آپ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں ہم نے سنا ہے کہ محمدؐ بڑے رحم دل اور کریم ہیں آپ ہمیں محمدؐ کے پاس لے جائیں۔ آپ نے ہمارے جس ساتھی کو قتل کیا ہے وہ ہزار سوار کے مقابلہ میں اکیلا جنگ کرنے والا تھا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے جو پہلی آواز سنی وہ جبرئیلؑ امین کی تھی اور دوسری آواز میکائیلؑ کی تھی۔

پھر آپؐ نے ایک قیدی کو بلایا اور اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا: کوہ ابوقبیس کو اٹھانا میرے لئے اسلام قبول کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

رسول کریمؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ اسے قتل کردو۔ پھر دوسرے قیدی کو آپؐ نے بلا کر دعوتِ اسلام دی تو اس نے کہا کہ مجھے میرے ساتھی سے ملادو۔

آپؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ اسے بھی قتل کردو۔ اتنے میں جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور عرض کی یارسول اللہؐ! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور سلام کے بعد کہتا ہے کہ اس شخص کو قتل نہ کریں کیونکہ یہ شخص خوش خلق اور سخی ہے۔

آپؐ نے حضرت علیؑ کو اس کے قتل سے منع کردیا اور فرمایا: جبرئیلؑ یہ خبر لائے ہیں کہ یہ شخص سخی اور خوش خلق ہے۔ لہٰذا اسے چھوڑ دو۔

کافر نے یہ سن کر کہا: جبرئیلؑ آپ کے پروردگار کی طرف سے میرے لئے یہ پیغام لایا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ تو اس شخص نے کہا: جبرئیلؑ نے آپؐ کو صحیح خبر سنائی ہے۔ میں نے ہمیشہ مہمان نوازی کی ہے اور غریب پروری کی ہے اور اسی وجہ سے میں

قلاش ہوگیا ہوں اور میں حلیم الطبع شخص ہوں میں کسی پر ناراض نہیں ہوتا حتیٰ کہ میں جنگ میں بھی کسی پر ناراض نہیں ہوتا۔ اب میں اپنے دل کی خوشی سے اسلام قبول کرتا ہوں پھر اس نے کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہوگیا۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "هذا حسن جره حسن خلقه وسخائه الى جنات النعيم" اس شخص کی سخاوت اور حسن خلق نے اسے جنت النعیم کا راستہ دکھایا ہے۔ (امالی صدوق)

بدخلقی فشارِ قبر کا سبب ہے

ابن سنان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سعد بن معاذ کی موت کی اطلاع ملی تو آپؐ اصحاب کی ایک جماعت کے ہمراہ اس کے گھر گئے۔ آپؐ نے اسے غسل دینے کا حکم دیا۔ غسل وکفن کے بعد جب اس کا جنازہ اٹھا تو رسولؐ خدا اس کی مشایعت میں بغیر عبا اور پابرہنہ روانہ ہوئے۔ کبھی آپؐ سعد کی چارپائی کو دائیں طرف سے اور کبھی بائیں طرف سے کندھے دیتے رہے۔ سعد کو دفن کرنے سے پہلے آپؐ خود اس کی لحد میں داخل ہوئے اور اپنے ہاتھ سے اس کی قبر کو بلند کیا۔ جب قبر بند ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ یہ اینٹیں بوسیدہ ہوجائیں گی لیکن اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندہ جب بھی کوئی کام کرے تو اسے مضبوط اور صحیح طریقہ سے سرانجام دے۔

سعد کی ماں بیٹے کے جنازہ کے ساتھ قبرستان میں موجود تھی۔ سعد کی قبر کے کنارے کھڑے ہوکر اس نے کہا: "یا سعد هنیئالك الجنة" سعد تمہیں جنت مبارک ہو۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: سعد کی ماں! خدا کی طرف سے اتنی یقین سے خبر نہ دو۔ سعد کو فشار قبر ہوا ہے۔

پھر رسول خداؐ قبرستان سے واپس تشریف لائے تو صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہؐ! آج آپؐ نے سعد کے جنازہ پر وہ کچھ کیا جو اس سے پہلے آپؐ نے کسی کے جنازہ پر نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے ردا تک نہیں پہنی اور پابرہنہ آپؐ نے جنازہ میں شرکت کی اور کبھی چارپائی کو دائیں کبھی بائیں طرف سے آپؐ نے اٹھایا۔

رسول کریمؐ نے فرمایا: میں کیسے پاؤں میں جوتا ڈالتا اور ردا کیسے پہنتا جب کہ میں دیکھ رہا تھا کہ فرشتے پابرہنہ اور ردا کے بغیر سعد کے جنازہ کی مشایعت کر رہے تھے۔ اور مشایعت کے وقت جبرئیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا کبھی وہ چارپائی کے داہنی جانب کندھا دیتے اور کبھی بائیں جانب کندھا دیتے تھے۔

صحابہ نے کہا: یارسول اللہؐ! آپؐ نے سعد کی نماز جنازہ پڑھی اور آپؐ نے اسے اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا۔ اس کے باوجود آپؐ نے یہ بھی فرمایا: کہ سعد کو فشار قبر ہوا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

آپؐ نے فرمایا: سعد اسلام کا جانباز مجاہد تھا اسی لئے میں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے اسے لحد میں اتارا۔ مگر سعد اپنے اہل خانہ سے بد خلقی سے پیش آتا تھا اسی لئے اسے فشار قبر ہوا ہے۔ (بحارالانوار، ج ۶۔ طبع جدید ص ۲۲۰)

جب آقا بد خلق ہو تو غلام بھی بد خلق ہوتے ہیں

عبداللہ بن طاہر کہتا ہے کہ میں ایک دن مامون الرشید کے پاس بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اس وقت کوئی غلام موجود نہ تھا۔ خلیفہ نے غلام کو آواز دے کر کہا: غلام غلام! تو کافی دیر کے بعد ایک کونہ سے ایک ترکی غلام آیا اور بڑے غصہ سے کہا کہ غلاموں کے کچھ اپنے کام بھی ہوتے ہیں۔ غلام بھی انسان ہیں انہیں بھی کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود تم چیخنا شروع کر دیتے ہو غلام غلام۔ بتاؤ غلام بچارے کہاں جائیں؟ عبداللہ کہتا ہے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ آج اس کی شامت آگئی۔

مامون اسے ابھی قتل کرا دے گا۔ لیکن مامون نے کچھ دیر سر جھکایا اور مجھ سے کہا کہ غلام کی بد خلقی پر تعجب نہ کرو۔ "ان الرجل اذا حسنت اخلاقه ساء ت اخلاق خدمه" جب آقا بد خلق ہو تو اس کے غلام بھی بد خلق ہو جاتے ہیں۔ لیکن عمر کے اس حصہ میں اپنے آپ میں خوش خلقی پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی لئے میرے غلام بھی بد خلق اور بد تمیز ہیں۔

علیؑ نے مذاق اڑانے والے سے کیا سلوک کیا؟

مقدس اردبیلی کشف الغمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا قد میانہ تھا آپ نہ تو بلند قامت تھے اور نہ کوتاہ قامت کے تھے۔ آپ کا جسم کمال اعتدال کا نمونہ تھا۔ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بلند قامت شخص مسجد میں آیا اور اسے حضرت علیؑ سے مذاق کی سوجھی۔ اس نے آپ کی نعلین اٹھا کر ستون مسجد پر رکھ دیں اور خود ستون کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔

جب وہ تشہد کے لئے بیٹھا تو امیر المؤمنین نے مسجد کے ستون کو اپنے ہاتھ سے بلند کیا اور اس کی قمیض کا دامن ستون میں دے دیا اور ستون کو اس کی جگہ پر دوبارہ کھڑا کر دیا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو بلند کیا ستون کے اوپر سے اپنی نعلین اتاری اور مسجد سے جانے لگے۔ اس شخص نے نماز ختم کی تو دیکھا کہ اس کا دامن ستون میں پھنسا ہوا ہے۔ تو اس نے بڑی چیخ و پکار کی لیکن کسی سے بھی ستون اٹھنے میں نہ آیا۔ آخر کار مولا علیؑ نے مسکراتے ہوئے ستون کو بلند کیا تو اس کی قمیض ستون سے آزاد ہوئی۔

آپ نے فرمایا: آج میں اس شرط پر تیری قمیض آزاد کر رہا ہوں کہ آئندہ یہ فضول حرکت کبھی نہ کرنا اور بے ادبی کی دوبارہ جسارت نہ کرنا۔ (لطائف الطوائف۔ ص ۲۷)

ایک اعرابی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مالی امداد کا سوال کیا۔ آپؐ نے بقدر کفایت اس کی مدد کی اور پوچھا: کیا میں نے احسان کیا ہے؟ تو اعرابی نے کہا: بالکل نہیں احسان تو دور کی بات ہے آپؐ نے مجھ سے کوئی اچھائی تک بھی نہیں کی۔

اعرابی کی بے ادبی کی وجہ سے صحابی اسے مارنے کیلئے کھڑے ہوگئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اشارہ کر کے منع کیا اور اعرابی کو اپنے ساتھ اپنے مکان پر لے گئے اور اسے مزید کچھ عطا کیا۔ پھر اعرابی سے فرمایا: کہ اب بتاؤ میں نے احسان کیا؟

اعرابی نے کہا: بے شک آپؐ نے احسان کیا اور اللہ تعالیٰ آپؐ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

پھر آپؐ نے اعرابی سے فرمایا: تو نے میرے صحابہ کے سامنے غلط بات کی جس کی وجہ سے میرے صحابی تجھ پر ناراض ہوگئے مناسب یہی ہے کہ میرے صحابہ کے سامنے اچھی بات کہہ دے تاکہ وہ بھی تجھ سے راضی ہوجائیں۔

بعد ازاں آپ اسے لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا کہ پہلے یہ اعرابی ناراض تھا میں نے اسے کچھ مزید دیا ہے جسکی وجہ سے اب یہ راضی ہوگیا ہے۔

پھر آپؐ نے اعرابی کی طرف منہ کر کے فرمایا: ایسا ہی ہے؟

اعرابی نے کہا: خداوند عالم آپؐ کو اور آپؐ کے خاندان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: اس شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کا اونٹ بے قابو ہوگیا تھا لوگ چاروں طرف سے اس کے اونٹ کو پکڑنے کے لئے

دوڑے۔ لیکن جب اونٹ نے لوگوں کی کثرت کو دیکھا تو وہ اور زیادہ دوڑنے لگا۔

اونٹ کے مالک نے لوگوں سے کہا: خدارا آپ پیچھے ہٹ جائیں میں اکیلا ہی اسے رام کرلوں گا۔ میں تمہاری بہ نسبت اپنے اونٹ کو بہتر جانتا ہوں اور اسے سدھانے کے گُر مجھے بخوبی یاد ہیں۔ پھر اس نے آرام سے اپنی اونٹ کو تھپکیاں دینی شروع کی۔ اونٹ آہستہ آہستہ ٹھہر گیا۔ اس شخص نے اس پر پالان رکھا اور سوار ہوکر چلا گیا۔ اسی طرح سے اگر میں اس وقت اس کی سرزنش کیلئے آزاد چھوڑ دیتا تو یہ اور زیادہ بدک جاتا تم اسے قتل کردیتے اور یہ بے چارہ دوزخ کا ایندھن بن جاتا۔ (سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۴۱۶)

پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنے عمل سے تبلیغ کی

علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے پیغمبر اسلامؐ سے چند دینار لینے تھے۔ ایک دن اس نے آپؐ سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہودی نے کہا کہ میں جب تک قرض وصول نہ کرلوں آپ سے جدا نہ ہوں گا۔

آپؐ نے فرمایا: پھر میں تیرے ساتھ یہاں بیٹھ جاتا ہوں۔ آپؐ یہودی کے ساتھ اتنی دیر تک وہاں بیٹھے رہے کہ پانچوں نمازیں آپؐ کو وہیں ادا کرنی پڑیں۔

آپؐ کے اصحاب نے یہودی کو دھمکیاں دیں تو آپؐ نے فرمایا: تم یہ کیا کر رہے ہو؟

صحابہ نے کہا: یارسولؐ اللہ! کتنی عجیب بات ہے کہ ایک یہودی نے آپؐ کو روک لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو آخر میں اس کا مقروض ہوں اور میں اپنے حلیفوں پر ظلم نہیں کرسکتا۔

دوسرے دن دوپہر تک آپؐ یہودی کے ساتھ بیٹھے رہے۔ یہودی نے آپؐ

کے اخلاق سے متاثر ہو کر کہا: اشهد ان لا اله الا الله واشهدان محمداً الرسوله میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد اس کے رسول ہیں۔

پھر اس نے کہا: میں نے اتنی دیر تک آپؐ کو اس لئے نہیں روکا کہ میں آپؐ پر جسارت کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ میں نے آپؐ کو اتنی دیر اس لئے روکے رکھا کہ میں آپؐ کی ان صفات کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا جو کہ تورات میں مذکور ہوئی ہیں۔

ہم نے تورات میں پڑھا ہے محمدؐ بن عبداللہ اللہ کا آخری نبی ہوگا وہ مکہ میں پیدا ہوگا اور مدینہ ہجرت کرے گا۔ درشت خو اور بداخلاق نہ ہوگا۔ بلند آواز سے گفتگو نہ کرے گا۔ ناسزا باتیں کرنے والا نہ ہوگا اور وہ بدزبان نہ ہوگا۔ میں اتنی دیر تک آپ کو روک کر آپ کے کردار کا مشاہدہ کرتا رہا۔ چنانچہ اب مجھے یقین ہوگیا کہ تورات میں جس نبی کے آنے کی خبر دی گئی ہے وہ نبی آپؐ ہی ہیں۔

پھر یہودی نے کہا: میں اپنا تمام مال آپؐ کے حوالہ کرتا ہوں، آپؐ جیسا مناسب سمجھیں اس میں تصرف کریں۔ (بحارالانوار، ج ۱۶ ۔ ص ۲۱۶ نقل از امالی صدوق)

فرزندانِ اسلام سے دردمندانہ گزارش

اس باب کے اختتام پر ہم فرزندانِ اسلام سے بالعموم اور موالیان حیدر کرار سے بالخصوص دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ خدارا آپ اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور اپنی بد خلقی اور بدعملی سے اسلام و مسلمین کی بدنامی کا ذریعہ نہ بنیں۔

جناب رسالت مآب اور ہادیان دین علیہم السلام نے ہمیشہ اپنے کردار سے اسلام کی تبلیغ کی اور آج دنیا آپ کے عمل کو دیکھ رہی ہے۔

آج کا دور جو کہ الیکٹرانک میڈیا اور پریس کی بے تحاشا قوت کا دور ہے دنیا

اپنے ذرائع ابلاغ سے آپ کی بداعمالیوں کو نمایاں کر رہی ہے اور آپ کی بدعملی اسلام کی نشر و اشاعت میں رکاوٹ بن رہی ہے۔

اگر آج امریکہ یا یورپ سے ایک عیسائی کسی مسلم ملک میں آئے تو وہاں اسے بازار میں ملاوٹ نظر آئے گی، یورپ کی بہ نسبت اسے زیادہ رشوت نظر آئے گی غرض کہ مسلم ممالک میں اسے ہر طرح کی بے ضابطگی دیکھنے میں آئے گی: ذرا اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر خود ہی فیصلہ کریں کہ وہ شخص آپ کے کردار کو دیکھ کر متاثر ہوگا یا اسلام اور مسلمین سے متنفر ہوگا؟

ہم اپنے تمام قارئین سے التماس کریں گے کہ وہ اپنے عمل سے اسلام کے مبلغ بنیں اور اقوامِ عالم کا جو شخص بھی انہیں دیکھے تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ یہ محمدؐ کی تعلیمات کا اثر ہے۔ اور اگر خدانخواستہ آپ اسلام کی پیش رفت کا ذریعہ نہیں بن سکتے تو کم از کم اسلام و مسلمین کی بدنامی کا ذریعہ تو نہ بنیں۔

آج ہر شخص اپنی خود ساختہ مصروفیت میں اس قدر پھنس چکا ہے کہ اس کے پاس وقت ہی نہیں ہے کہ وہ قرآن و سنت سے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرے آج کا انسان اسلام کو سمجھنے کے لئے مسلمان کے کردار کو دیکھتا ہے اور اس کے کردار کو ہی اسلام کی تعلیمات کا عکس قرار دیتا ہے۔ لہٰذا خدا کیلئے آپ اپنے کردار پر نظر کریں اور اسلام کی تبلیغ اپنے کردار و عمل سے کریں مبادا قیامت کے روز رسول کریمؐ اگر آپ سے یہ پوچھ لیں کہ جس دین کی تبلیغ کیلئے میں نے بازاروں میں پتھر کھائے تم نے اپنے عمل سے لوگوں کو اس دین سے متنفر کیوں کیا؟

چند روایات

عن ابی عبداللہؑ قال مایقدم المؤمن علی اللہ عزوجل لعجل بعد الفرائض احب الی اللہ، من ان یسع الناس بخلقه۔

(بحار الانوار، ج ۱۵۔ ص ۲۲۶ نقل از کافی)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی نظر میں فرائض کی ادائیگی کے بعد خوش خلقی کے برابر مؤمن کا کوئی عمل نہیں ہے۔

عن ابی عبداللہؑ قال ان اللہ تبارك و تعالیٰ لیعطی العبد من الثواب علی حسن الخلق کما یعطی المجاهد فی سبیل اللہ یغدوو یروح۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: حسن خلق پر اللہ تعالیٰ بندہ کو وہی ثواب عطا کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں صبح و شام جہاد کرنے والے کو عطا کرتا ہے۔

(بحار، ج ۱۵۔ ص ۲۲۶ نقل از کافی)

عن علاء بن کامل قال قال ابو عبداللہؑ اذا خالطت الناس فان استطعت ان لاتخالط احدا من الناس الاکانت یدك العلیا فافعل فان العبد یکون فیه التقصیر من العبادة و یکون له خلق حسن فبلغه اللہ بخلقه درجة الصائم القائم۔

(بحار الانوار، ج ۱۵ نقل از کافی)

علاء بن کامل کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں سے بایں طور معاشرت قائم کرو کہ تمہارا ان پر احسان ہو کیونکہ کبھی انسان کے عمل میں کوتاہی ہوتی ہے۔ اور اگر اس کے پاس حسن خلق کا جوہر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے خلق کی وجہ سے روزہ دار اور شب زندہ دار کا درجہ عطا فرماتا ہے۔

عن ابی جعفرؑ قال: قال رسول اللہؐ ایها الناس واللہ انی لاعلم انکم

لاتسعون الناس باموالکم ولکن سعوهم بالطلاقة وحسن الخلق قال وسمعته یقول رحم اللہ کل سهل طلق۔

(بحار الانوار، ج ۱۵)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: لوگو! خدا کی قسم تم اپنی دولت کے ذریعہ سے لوگوں کو مستفید نہیں کر سکتے اور اپنی دولت کی وجہ سے انہیں ممنون احسان نہیں بنا سکتے۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ اپنی کشادہ روئی اور خوش خلقی سے انہیں مستفید کرو۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام باقر علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اللہ آسانی پسند کرنے والے کشادہ رو پر رحم فرمائے۔

قال علیؑ لابی ایوب الانصاری یا ابا ایوب مابلغ من کرم اخلاقك قال لا اوذی جارا فمن دونه ولا امنعه معرونا اقدر علیه ثم قال مامن ذنب الاوله توبة وما من تائب الاوقد تسلم له توبته ماخلا سیئی الخلق لا یکاد یتوب من ذنب الاوقع فی غیره اشدمنه۔

(مستدرک الوسائل جہاد نفس۔ ص ۷ ۳۳)

حضرت علی علیہ السلام نے ابو ایوب انصاری سے فرمایا: اخلاقی اعتبار سے تم کس مقام پر پہنچ چکے ہو؟

ابو ایوب نے کہا کہ میں ہمسایہ کو کوئی اذیت اور تکلیف نہیں دیتا اور تاحد امکان اس سے بھلائی کرتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ہر گناہ کی توبہ ہوتی ہے اور تائب کی اکثر اوقات توبہ سلامت رہتی ہے سوائے بد خلق کے۔ کیونکہ بد خلق اگر ایک گناہ سے توبہ بھی کرے تو اس سے بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

عن النبیؐ قال ان الخلق الحسن یذیب الذنوب کما تذیب الشمس الجمد وان الخلق السیئ یفسد العمل کما یفسد النحل العسل و عنہؐ قال حسن الخلق یزید فی الرزق۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خوش خلقی گناہوں کو اس طرح سے پگھلا دیتی ہے جیسے سورج برف کو پگھلا دیتا ہے اور بد خلقی عمل کو ایسے ہی خراب کرتی ہے جیسا کہ سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ اور آپؐ فرماتے تھے کہ خوش خلقی سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔

قالت ام سلمة لرسول اللهؐ بابی انت وامی المرأة یکون لها زوجان فیموتان فید خلان الجنة لمن تکون قالت فقال یا ام سلمة تخیر احسنهما خلقا و خیر هما لاهله یام سلمة ان حسن الخلق ذهب بخیر الدنیا والاحرة.

(وسائل۔ ص ۲۸۵)

حضرت ام سلمہؓ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہؐ! ایک عورت نے اپنی زندگی میں دو شوہروں سے نکاح کیا اور مرنے کے بعد وہ دونوں جنت میں چلے جائیں اور عورت بھی جنت میں چلی جائے تو یہ بتائیں کہ یہ عورت ان دو شوہروں میں سے کس کو ملے گی؟

آپؐ نے فرمایا: اسے اختیار دیا جائے گا اور وہ اس شوہر کا انتخاب کرے گی جس کا اخلاق بہتر ہوگا اور جو اپنے اہل خانہ کیلئے بہتر ہوگا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ام سلمہ! خوش خلقی سے دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوتی ہے۔

باب نہم

پیرویِ نفس کا نتیجہ

جب اطاعتِ نفس شرمندگی میں تبدیل ہوئی

محمد بن عبدالعزیز کہتا ہے کہ میں اور رشید بن زبیر اکثر اکٹھے رہتے تھے۔

(واضح ہو کہ رشید بن زبیر شاعر تھے اور شکل و صورت کے لحاظ سے انتہائی بد صورت تھے جنہیں دیکھنے سے طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا تھا)۔

ایک دن رشید ابن زبیر کافی تاخیر سے آئے تو میں نے پوچھا کہ آپ کہاں گئے تھے تو انہوں نے کہا: بھائی آج میں بہت ہی ذلیل و رسوا ہوا ہوں۔

میں نے رسوائی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ آج میں بازار میں کھڑا تھا کہ ایک نقاب پوش عورت آئی اور اس نے آنکھ کے اشارہ سے مجھے بلایا اور پھر وہ آگے چلنے لگی۔ میں بھی اس کے عشق میں مسحور ہو کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔

اس نے دو تین گلیاں عبور کیں۔ پھر ایک مکان کے دروازے پر پہنچی اور وہ دروازہ کھول کر مکان میں چلی گئی اور مجھے آواز دے کر اندر بلایا۔ جیسے ہی میں اندر داخل ہوا تو اس نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو معلوم ہوا کہ ابر ہٹا کر چاند نکلا پھر اس نے آواز دی۔ بیٹی بیٹی! آواز سن کر ایک چھوٹی سی بچی جو کہ حسن و زیبائی میں اپنی ماں کی تصویر تھی، آئی۔

عورت نے بچی سے کہا: اگر تو نے دوبارہ بستر میں پیشاب کیا تو یہ قاضی

تجھے کہا جائے گا۔ پھر میری طرف رخ کر کے کہا: محترم! آپ کا شکریہ میں نے آپ کا قیمتی وقت لیا اس کیلئے میں معذرت خواہ ہوں۔ (روضات الجنات)

خواہشیں مجسم ہوگئیں

خواجہ نظام الملک کہتے ہیں کہ میں ایک شب سویا تو خواب میں دیکھا چند مکروہ اور بد صورت شکلیں نمودار ہوئیں اور میرے قریب بیٹھ گئیں۔ ان کی شکلیں دیکھ کر مجھے خوف آتا تھا اور ان کے جسم سے بدبو کے بھبکے اٹھتے تھے۔ یہ ڈراؤنا خواب دیکھ کر میں بیدار ہوگیا، خواب کی دہشت مجھ پر اتنی طاری تھی کہ میرا جسم کپکپا رہا تھا اور میرا پورا وجود پسینہ میں تر بتر تھا۔

میں نے اپنا خواب کسی کے سامنے بیان نہیں کیا۔ دوسری رات جب میں سویا تو پھر وہی بد صورت چہرے اور ہولناک صورتیں دوبارہ نظر آئیں۔ میں پھر خواب سے بیدار ہوگیا اور پھر پوری رات دہشت کی وجہ سے میری آنکھ نہ لگ سکی۔ تیسری رات میں نے عہد کیا کہ میں آج رات نہیں سوؤں گا۔

کافی دیر تک جاگتا رہا، لیکن آخر انسان تھا آنکھ لگ گئی۔ جیسے ہی آنکھ لگی تو وہی منظر دوبارہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ مگر آج رات اور پچھلی دو راتوں کے خواب میں یہ فرق تھا کہ میں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر بعد خوبصورت چہرے ظاہر ہوئے۔ جیسے ہی ایک خوبصورت چہرہ نمودار ہوتا تو ایک کریہہ المنظر چہرہ چلا جاتا۔ کچھ دیر بعد تمام خوفناک تصویریں گم ہوگئیں اور ان کی جگہ خوبصورت اور دلفریب صورتوں نے لے لی۔

میں نے خواب میں پوچھا کہ تم کون ہو؟

ان تصاویر نے جواب دیا: ہم تمہارے نیک اعمال ہیں اور اس وقت مجسم ہو کر تمارے پاس آئے ہیں۔ میں نے دوسرا سوال کیا کہ وہ کریہہ شکل و صورت کن

لوگوں کی تھی؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ تمہارے برے عمل تھے جو مجسم ہو کر تمہارے پاس آئے تھے۔ پھر میں نے خوبصورت چہروں سے کہا کہ خدارا آپ مجھ سے جدا نہ ہوں اور ہمیشہ میرے پاس رہیں۔

جواب آیا: تم نیک عمل کرو تو ہم تمہارے ساتھ رہیں گے ورنہ برے عمل مجسم ہو کر تمہیں پریشان کریں گے۔

خواہشات کی پیروی نے زلیخا کو کتنا ذلیل کیا

جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بنے تو کچھ عرصہ بعد عزیزِ مصر کی وفات ہوگئی اس وقت پورے مصر میں قحط چھایا ہوا تھا۔ زلیخا کو بھی غربت و افلاس نے اپنے دامن میں لے لیا۔ نظر ختم ہوگئی، شوہر مر گیا اور غربت دامن گیر ہوگئی تو راستہ پر بیٹھ کر بھیک مانگنے لگی۔

کچھ لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ تم یوسفؑ کے پاس جاؤ وہ تمہاری سابقہ خدمات کے عوض تم پر رحم کریں گے اور یوں تمہیں لوگوں سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

لیکن کچھ لوگوں نے اس مشورہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ تم یوسفؑ کے پاس ہرگز نہ جانا کیونکہ تمہاری وجہ سے یوسفؑ کو زندان جانا پڑا اور مصائب و آلام کا شکار ہوا اگر تم اس کے پاس گئیں تو وہ تمہیں سخت سزا دے گا۔

زلیخا نے کہا: میں جس یوسفؑ کو جانتی ہوں وہ اتنا مہربان ہے کہ اگر میں اس کے پاس چلی جاؤں تو وہ میری دلجوئی کرے گا۔ وہ انتقام پر یقین رکھنے والا نہیں ہے۔

پھر ایک دن زلیخا یوسف کے راستہ میں آکر بیٹھ گئی۔ یوسفؑ اپنے دربار سے برآمد ہوئے تو امراء و وزراء کی سواریاں ان سے پہلے گزریں۔ جب زلیخا نے یوسفؑ کی خوشبو محسوس کی تو ان کی سواری کے قریب آئی اور آکر کہا: "سبحان من جعل

الملوک عبیدالمعصیتهم والعبید ملوکا بطا عتهم" پاک ہے وہ ذات جس نے نافرمانی کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنادیا اور اطاعت کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہ بنادیا۔

یوسفؑ نے پوچھا: ضعیفہ تو کون ہے؟

اس نے کہا: میں وہی ہوں جس نے دل و جان سے تمہاری خدمت کی اور زندگی کے کسی بھی لمحہ میں تمہاری یاد سے غافل نہیں رہی اور آج مجھے میرے اعمال کی سزا مل چکی ہے اور نفس پرستی کا انجام میں نے دیکھ لیا ہے۔ آج میں دو وقت کی روٹی کیلئے لوگوں سے سوال کرتی ہوں۔ کچھ تو مجھ پر رحم کرتے ہیں اور کچھ منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی مجھ پر گزرا کہ میں ملکہ تھی اور آج مصر کی ذلیل ترین فرد ہوں۔ واقعی گناہ گاروں کی یہی جزا ہے۔ یہ سن کر یوسف علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا: کہ کیا اب بھی تمہارے دل میں میرے لئے عشق و محبت کے جذبات باقی ہیں؟

زلیخا نے کہا: مجھے اب بھی آپ سے اتنا عشق ہے کہ اگر ساری زمین سونے چاندی کی بھری ہوئی ہو تو میں وہ ساری زمین آپ کے دیدار پر قربان کرسکتی ہوں۔

یوسفؑ نے فرمایا: زلیخا آخر تم مجھ سے اتنا عشق کیوں کرتی ہو؟

زلیخا نے کہا: آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے۔ تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو محمدؐ کو دیکھ لے جو کہ مجھ سے زیادہ حسن و جمال کے مالک ہیں اور مجھ سے زیادہ سخی ہیں، تو پھر تیرے دل کی کیا حالت ہوگی؟

زلیخا نے کہا: آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا: جب تو نے انہیں دیکھا تک نہیں تو تم نے میری تصدیق کیسے کردی؟

زلیخا نے کہا: آپ نے جیسے ہی محمدؐ کا نام لیا ان کی محبت میرے دل میں

ٹھاٹھیں مارنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کو وحی فرمائی کہ زلیخا سچ کہتی ہے اور چونکہ اس نے ہمارے حبیب محمدؐ اور آپ سے محبت کی ہے لہٰذا آپ زلیخا سے شادی کریں۔

حضرت یوسفؑ نے زلیخا سے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تم سے شادی کرسکتا ہوں۔

زلیخا نے کہا: آپ مجھ سے مذاق فرمارہے ہیں جب میں جوان اور خوبصورت تھی تو آپ میری جانب متوجہ نہ ہوئے تھے اور آج جب کہ میں بوڑھی اور اندھی اور بے نوا ہوچکی ہوں آپ مجھ سے کیسے شادی کرنا گوارا کریں گے۔

جناب یوسفؑ نے زلیخا سے شادی کرلی۔ شب عروسی حضرت یوسفؑ نے دو رکعت نماز ادا کی اور خداوند عالم کو اس کے ایک اسم اعظم کا واسطہ دے کر دعا مانگی کہ زلیخا کو حسن و جوانی واپس مل جائے۔ دعا مستجاب ہوئی، زلیخا کو دوبارہ جوانی ملی اور قوتِ بینائی لوٹ آئی اور اسی طرح سے جوان ہوگئی جیسا کہ ایک عرصہ قبل جوان تھی۔ حضرت یوسفؑ نے اسے باکرہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے زلیخا کے بطن سے دو فرزند افرائیم اور فسیّ آپ کو عطا فرمائے۔ زلیخا تادم مرگ آپ کی بیوی رہی۔

حضرت یوسفؑ جب عزیز مصر تھے تو خود اکثر اوقات فاقہ کیا کرتے تھے۔ مصاحبین نے وجہ پوچھی تو فرمایا: میں جان بوجھ کر فاقہ کرتا ہوں کیونکہ میں ڈرتا ہوں اگر میں نے سیر ہو کر کھانا کھایا تو بھوک سے بلکتے ہوئے انسانوں کو فراموش نہ کر بیٹھوں۔ (منظر ف، ج ا۔ ص ۱۲۳)

جذبہ شہوت کتنا قوی ہے

ایک بادشاہ انتہائی شہوت پرست تھا اور اس کا زیادہ تر وقت حرم سرا میں گزرتا تھا۔

اس کا وزیر ہمیشہ اسے منع کرتا تھا آخر کار سلطان نے وزیر کی نصیحت پر عمل

کیا اور عورتوں سے کنارہ کشی کرلی۔ اس پر ایک کنیز نے جو کہ سلطان کی توجہ کا مرکز تھی بادشاہ سے کنارہ کشی کا سبب دریافت کیا۔

بادشاہ نے بتایا کہ فلاں وزیر نے مجھے نصیحت کی ہے اور شہوت رانی سے منع کیا ہے۔ کنیز نے کہا: اگر ممکن ہو تو آپ مجھے اس وزیر کے حوالے کردیں اور پھر دیکھیں کہ میں اس کا کیا حشر کرتی ہوں۔

سلطان نے وہ کنیز وزیر کو عطا کردی۔ کنیز نے اپنی اداؤں سے چند ہی روز میں وزیر کو اپنا فریفتہ بنالیا اور وزیر ہر وقت اس کی دلداری میں لگا رہنے لگا۔

وزیر جب بھی مقاربت کی خواہش کرتا وہ کنیز کسی نہ کسی بہانے سے اسے ٹال دیتی۔ وزیر نے ایک دن اسے جب زیادہ مجبور کیا تو کنیز نے کہا: اس شرط پر میں اپنا جسم تمہارے حوالے کروں گی جب تم مجھے اپنے اوپر سواری کرنے دو گے۔

وزیر جذبہ شہوت سے پہلے ہی مغلوب ہوچکا تھا اس نے فوراً اجازت دے دی۔ کنیز نے اس سے کہا کہ تم گھوڑے کی طرح زمین پر جھک جاؤ پھر میں تم پر زین رکھوں گی اور تمہارے منہ میں لگام دوں گی اور تم پر سوار ہو کر پورے صحن کی سیر کروں گی۔

آخر کار وزیر نے اس کی خواہش کو پورا کیا۔ اتفاق سے بادشاہ اپنے محل کی چھت پر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

بادشاہ نے فوراً وزیر کو طلب کیا اور کہا: جب تمہاری اپنی حالت یہ ہے تو مجھے کیوں منع کرتے تھے؟

وزیر نے فوراً کہا: میں آپ کو صرف اسی لئے منع کرتا تھا کہ وہ میری طرح آپ پر کاٹھی نہ رکھ لیں۔ اگر آپ کی حالت بھی میری طرح سے ہوگئی تو نظام حکومت کون چلائے گا؟ (کشکول بحرانی ص ۱۵۰۔ تحفۃ الیمین ص ۵۰)

خواہش قوی ہے یا تربیت

ایک ہندی بادشاہ کے پاس بڑا فہمیدہ اور جہاندیدہ وزیر تھا۔ بادشاہ وزیر کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا باپ کا جانشین ہوا۔ نئے بادشاہ نے وزیر کی طرف سے منہ موڑ لیا اور اپنے دل ودماغ سے فیصلے کرنے لگا۔

ایک دن وزیر نے نئے بادشاہ سے کہا کہ آپ کے والد میرے مشورہ کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرتے تھے مگر آپ میرے مشورہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بہتر ہے کہ انسان اپنے امور میں عقل مندوں سے مشورہ کرے تاکہ مستقبل کی شرمندگی سے محفوظ رہے۔

نئے بادشاہ نے وزیر کو آزمانے کے لئے اس سے سوال کیا: آپ یہ بتائیں کہ خواہش نفس میں زیادہ قوت ہے یا تربیت میں زیادہ قوت ہے؟

وزیر نے کہا: خواہش نفس تربیت پر مقدم ہے۔

چند دن بعد بادشاہ نے ایک دعوت کا انتظام کیا اس میں وزیر کو بھی مدعو کیا گیا۔ دستر خوان پر انواع واقسام کے کھانے چنوائے گئے ساتھ ہی چند تربیت یافتہ بلیوں کے ہاتھ میں شمعدان پکڑائے گئے۔ بلیاں تربیت یافتہ تھیں وہ ایک ہاتھ پر شمعدان اٹھائے کھڑی رہیں۔

بادشاہ نے وزیر کو مخاطب کرکے کہا آپ کا نظریہ باطل ہوگیا آپ دیکھیں کہ بلیاں شمعدان اٹھائے ہوئے ہیں اور کھانے کی طرف انہوں نے ذرا بھی توجہ نہیں کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تربیت خواہش نفس پر مقدم ہے اور تربیت سے فطرت کو تبدیل کرنا ممکن ہے۔

وزیر تھوڑا سا شرمندہ ہوا اور کہا: بادشاہ! میں اس کا جواب کل رات اسی قسم

کی ضیافت میں دوں گا۔

وزیر نے چوہے تلاش کرائے اور ہر چوہے کے پاؤں میں مضبوط رسی باندھی اور ایک ڈبے میں چوہے بند کر کے دعوت میں شریک ہوا۔

دعوت شروع ہوئی بلیاں ایک ہاتھ پر شمعدان اٹھائے کھڑی تھیں کہ وزیر نے ڈبے سے چوہے نکالے۔ بلیوں کی نظر جیسے ہی چوہوں پر پڑی تو انہوں نے شمعدانوں کو پھینکا اور چوہے پکڑنے کے لئے دوڑیں۔ جلتے ہوئے شمعدانوں کی وجہ سے کمرے میں آگ لگ گئی تمام حاضرین دوڑ کر کمرے سے باہر آگئے۔

وزیر نے کہا: بادشاہ آپ نے دیکھا کہ فطرت تربیت پر غالب ہوتی ہے۔ خواہش نفس کی تند موجوں کے سامنے تربیت کے بند خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔ (کشکول بحرانی ص ۱۵۰۔ نفخۃ الیمن ص ۵۴)

شہوت رانی کا انجام

دمیری نقل کرتے ہیں کہ عباسی خلیفہ واثق باللہ عورتوں کا بڑا رسیا تھا۔ اس نے شاہی طبیب سے کہا: کہ میرے لئے ایسی دوا تیار کریں جو قوت باہ میں اضافہ کردے طبیب نے کہا حقوق زوجیت سے انسان کا بدن تباہ ہو جاتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ آپ بھی برباد ہو جائیں۔

واثق کا اصرار جاری رہا تو طبیب نے کہا کہ درندوں کا گوشت لے کر شراب کے سرکہ میں سات مرتبہ آگ پر پکایا جائے اور پھر چنے کے برابر گولیاں بنالیں اور ہفتہ میں ایک گولی استعمال کریں واثق نے دوا تیار کرائی اور بیان کردہ مقدار سے زیادہ استعمال کی جس کی وجہ سے واثق مرض استسقا میں مبتلا ہو گیا اور ہر وقت پانی پانی کرتا تھا اور کسی طرح بھی اس کی پیاس بجھنے میں نہیں آتی تھی۔

اطباء نے اتفاق کیا کہ اس کا بس ایک علاج ہے کہ اس کے شکم کو چیرا جائے

پھر اسے ایسے تنور میں کچھ دیر کے لئے بٹھایا جائے جو کہ روغن زیتون کی وجہ سے سرخ ہو۔ اور تین گھنٹوں تک اسے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیا جائے۔

آخر کار اس کا پیٹ چاک کیا گیا اور روغن زیتون سے گرم شدہ ایک تنور میں اسے بٹھایا گیا۔ اس دوران وہ مسلسل پانی مانگتا رہا کچھ دیر بعد اس کے بدن پر آبلے نمودار ہوئے اور کچھ آبلے خربوزے جتنے بڑے تھے۔

اسے تنور میں سے نکالا گیا تو وہ چیخنے لگا کہ مجھے دوبارہ تنور میں بٹھاؤ۔ آخر اسے دوبارہ تنور میں بٹھایا گیا آبلے پھٹ گئے اور ان سے پانی بہنے لگا جب واثق کو تنور میں سے نکالا گیا تو اس کا بدن سیاہ ہو چکا تھا اور چند لمحات بعد مر گیا۔

جب واثق مرا تو اس پر سفید چادر ڈال دی گئی اور لوگ متوکل کی بیعت میں مصروف ہوگئے کسی نے اس کے جنازہ کی طرف توجہ نہ کی قریبی باغ سے چوہے آئے اور اس کی آنکھیں نکال کر کھاگئے۔ (تتمۃ المنتہی ص ۲۳۱)

بنی امیہ کی اسلام دشمنی کی ایک جھلک

شجرہ ملعونہ بنی امیہ کے آخری حکمران کا نام مروان حمار تھا۔ اس کا بیٹا عبداللہ اس کا ولی عہد تھا۔ ابو مسلم خراسانی کی فوج کے ہاتھوں مروان حمار قتل ہوگیا اور اس کا بیٹا شام سے بھاگ کر پہلے مصر گیا اور پھر افریقہ کے ملک نوبہ میں جاکر پناہ گزین ہوا تھا۔ نوبہ کے بادشاہ نے اسے اپنے ملک سے نکال دیا آخر کار عباسی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اسے منصور دوانیقی کے پاس لایا گیا۔ منصور نے اسے قید کر دیا۔

ایک دن منصور نے اپنے وزیر دربار ربیع سے پوچھا کہ عبداللہ بن مروان ابھی زندہ ہے یا مر گیا ربیع نے بتایا کہ وہ زندان میں اپنی زندگی کے باقی ایام پورے کر رہا ہے۔

منصور نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ نوبہ کے بادشاہ نے اسے کچھ باتیں کہی

تھیں میں چاہتا ہوں کہ وہ باتیں میں اس کی زبانی سنوں۔

چنانچہ کچھ دیر بعد عبداللہ بن مروان کو منصور کے سامنے پیش کیا گیا وہ اس وقت طوق وزنجیر میں جکڑا ہوا تھا۔

منصور نے اسے بیٹھنے کی اجازت دی۔ وہ بیٹھ گیا منصور نے کہا: میں نے سنا ہے کہ نوبہ کے حاکم نے تم سے کچھ باتیں کی تھیں میں وہ باتیں خود تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔ عبداللہ بن مروان نے بتایا کہ مصر سے بھاگ کر ہم نوبہ پہنچے چند دن وہاں قیام پذیر رہے تب نوبہ کے بادشاہ کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی پس اس نے ہمیں رہنے کیلئے ایک وسیع وعریض مکان دیا جس میں قیمتی قالین بچھے تھے۔ اور ہمارے کھانے کیلئے اس نے بہت سا سامان بھی روانہ کیا۔

تیسرے دن وہ پچاس آدمیوں سمیت ہمیں ملنے کے لئے آیا۔ میں نے مکان کے دروازہ پراسکا استقبال کیا۔ وہ ہمارے ساتھ اندر آیا۔ میں نے صدر مجلس میں اسے جگہ دی مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس نے مجلس کے آخر میں اس جگہ بیٹھنا پسند کیا جہاں قالین نہ تھا وہ ہمارے سامنے خاک پر بیٹھ گیا۔ میں نے اسے کہا کہ میرے ساتھ قالین پر بیٹھیں تو اس نے کہا: کوئی فرق نہیں میں اس ملک کا بادشاہ ہوں اور میرا اصول یہ ہے کہ جب بھی خدا مجھے کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو میں ازراہ تواضع خاک پر بیٹھ جاتا ہوں اور خدا کی تازہ نعمت مجھے یہ ملی کہ آپ میرے ملک میں تشریف لائے ہیں۔ اسی لئے شکر نعمت کے طور پر میں خاک پر بیٹھ گیا ہوں پھر وہ کافی دیر تک خاموش رہا اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی وہ مسلسل چھڑی کو زمین پر مارتا رہا پھر اس نے میری طرف رخ کر کے کہا: یہ بتائیں کہ آپ شراب کیوں پیتے ہیں جب کہ آپ کی کتاب میں شراب نوشی حرام ہے؟

میں نے کہا کہ ہمارے حاشیہ نشین اپنی نادانی کی وجہ سے شراب پیتے ہیں۔

پھر بادشاہ نوبہ نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم لوگ دوسرے لوگوں کی کھیتی کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے تباہ کرتے ہو جب کہ تمہارا دین اس کی اجازت نہیں دیتا؟

میں نے کہا: ہمارے حکام اور افواج جہالت کی بناء پر ایسا کرتے ہیں۔ شاہ نوبہ نے مجھ سے تیسرا سوال کیا: تم لوگ ریشم اور سونا کیوں استعمال کرتے ہو جب کہ تمہارا دین مردوں کے لئے سونے اور ریشم کو حرام قرار دیتا ہے؟

میں نے کہا کہ جب عجمی ایمان لائے تو وہ اپنی سابقہ عادت کے تحت سونا اور ریشم استعمال کرتے رہے وہ لوگ ہمارے کاتب تھے۔ ہم نے اپنے کاتبوں کو اس سے منع تو نہیں کیا بہر حال ہم ذاتی طور پر یہ دونوں چیزیں استعمال نہیں کرتے۔ یہ سن کر کچھ دیر تو شاہ نوبہ خاموش رہا پھر کہا: عجیب بات ہے ہمارے حاشیہ نشین، ہمارے حکام، ہمارے کاتب، تم اصل بات کو چھپا رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے حرام اشیاء کو اپنے لئے جائز قرار دیا ان سے بچنے کی کوشش نہیں کی اور اوامر الٰہی پر تم نے عمل نہیں کیا تم نے کمزور رعیت پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تم سے جامۂ عزت اتار لیا اور تمہیں ذلت کا لباس پہنا دیا۔ اور خدا کا عذاب ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔ ابھی تم پر اللہ کا غضب اور نازل ہوگا۔ اور مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ تمہاری وجہ سے میری سرزمین پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ لہذا تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو وہ ہم سے لے لو اور یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ مہمانی تین دن کے لئے ہوتی ہے اس سے زیادہ نہیں ہوتی پھر اس نے ہمیں زاد راہ دیا اور ہم نے اس ملک کو چھوڑ دیا۔

شاہ نوبہ کی گفتگو سن کر منصور نے تعجب کیا اور زندان بان کو حکم دیا کہ عبداللہ کو دوبارہ زندان میں بھیج دیا جائے۔ (الکلام۔ بحرالکلام ج ۲۔ ص ۷)

وہ جسے مرتے دم کلمہ نصیب نہ ہوا

ایک بدکار شخص پر حالت احتضار طاری ہوئی اس کے دوست اسے لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کرتے تو وہ کلمہ طیبہ پڑھنے کے بجائے یہ شعر پڑھتا

یارب قائلۃ یوما وقد تعبت
این السبیل الی حمام منجاب

وہ کہاں گئی جو ایک دن تھک کر پوچھ رہی تھی کہ منجاب کا حمام کہاں ہے۔

آخر کار وہ مر گیا مرتے وقت بھی اسے کلمہ توحید نصیب نہ ہوا اور وہ یہی شعر پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگیا۔

یہ شعر اس کا اپنا کہا ہوا تھا اور اس شعر کا پس منظر یہ تھا کہ ایک دن ایک عورت حمام جاکر نہانا چاہتی تھی اور اس شہر میں ایک ہی زنانہ حمام تھا جو کہ منجاب نامی ایک شخص کی ملکیت تھا اسی لئے اس حمام کو حمام منجاب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

عورت گھر سے نکلی تو حمام کا راستہ بھول گئی راہ چلتے چلتے آخر تھک گئی اور اس بدکار شخص کے دروازے پر دستک دی۔ یہ باہر نکلا تو عورت نے پوچھا کہ منجاب کا حمام کہاں ہے عورت کو دیکھ کر اس کی نیت بدل گئی اور کہا کہ یہی منجاب کا حمام ہے۔

عورت اس کے گھر کو حمام سمجھ کر اندر داخل ہوئی تو اس نے اندر سے کنڈی لگا دی اور اس سے اپنی مطلب براری کی درخواست کی۔

عورت بڑی دانا تھی اس نے سمجھ لیا کہ اس کے ہاتھ سے نکلنا بڑا مشکل ہے اس لئے عورت نے کہا کہ در اصل مجھے حمام منجاب جانا ہی نہیں تھا۔ میں تو تمہارے لئے ہی آئی تھی لیکن تم مجھے عطر اور خوشبو لا کر دو تاکہ میں اپنے آپ کو تمہارے لئے معطر کرسکوں۔ عورت کی چکنی چپڑی باتیں سن کر یہ عطر لانے کے لئے بازار چلا گیا اور عورت نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے روانگی اختیار کی۔ جب یہ

شخص گھر میں آیا تو عورت جا چکی تھی اس نے اپنی حسرت ناتمام کے اظہار کے لئے یہ شعر کہا تھا چنانچہ مرتے وقت بھی یہی حسرت اس کے دل و دماغ پر چھائی رہی اور کلمہ طیبہ کی بجائے وہ بدبخت یہی شعر پڑھتا ہوا دنیا سے رخصت ہوگیا۔

با دو قبلہ در رہ توحید نتواں رفت راست
یا رضای دوست باید یا ہوای خویش

(سنائی غزنوی)

دو قبلوں کو اختیار کر کے راہ توحید کا سفر کرنا ناممکن ہے۔ یا تو دوست کی رضا کے طالب ہو یا پھر اپنی خواہشات پر عمل کرو۔ (کشکول بہائی ج ۱۔ ص ۲۴۸)

بڑے میاں سبحان اللہ

ایک دن معاویہ ایک ہوادار کمرے میں دوستوں کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا ہوا بہت گرم تھی مکان کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں کہ شاید کہیں سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آئے۔

اس گرمی اور تپش میں معاویہ کھڑکی کے قریب کھڑا ہو کر باہر کا منظر دیکھ رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ دور سے ایک اعرابی پا پیادہ اور پابرہنہ اس کے محل کی طرف چلا آرہا ہے اور اس نے گرمی کے زور کو کم کرنے کے لئے اپنا تمام لباس پانی میں بھگویا ہوا ہے۔

معاویہ نے اپنے دوستوں سے کہا کہ اس اعرابی کو دیکھو کتنی گرمی کی شدت میں سفر کر رہا ہے۔ ساتھیوں نے کہا: ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

معاویہ نے دربان سے کہا: اگر آنے والا اعرابی مجھے ملنے کا خواہش مند ہو تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔

اعرابی محل کے دروازہ پر پہنچا اور معاویہ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا دربان نے اسے معاویہ کے پاس پہنچایا۔ معاویہ نے نووارد سے پوچھا: تو کون ہے کہاں

سے آیا ہے اور تیرا کیا کام ہے؟

نووارد نے بتایا کہ میرا تعلق بنی تمیم سے ہے چند سال قبل میری شادی چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اس وقت میرے مالی حالات اچھے تھے۔ بعد میں میرے مالی حالات خراب ہوگئے تو میرے چچا نے اپنی بیٹی کو اپنے گھر بٹھالیا۔ جب کہ خدا شاہد ہے کہ میری بیوی میرے گھر سے جانے پر ہرگز آمادہ نہ تھی وہ ہر دکھ سکھ میں میرا ساتھ نباہنا چاہتی تھی۔

میں نے اپنی بیوی واپس لینے کے لئے مروان بن حکم کو درخواست دی اس نے دوسرے دن مجھے میرے چچا اور بیوی سمیت حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دوسرے دن میں مروان کے پاس گیا اور کچھ دیر بعد میرا چچا میری بیوی کو لے کر مروان کے پاس آگیا۔ مروان نے جیسے ہی میری بیوی کو دیکھا تو اس کے حسن وجمال پہ فریفتہ ہوگیا اور میرے چچا سے کہا اگر تو اپنی بیٹی میرے نکاح میں دے دے تو میں تجھے ہزار دینار زر سرخ دوں گا۔

میرا چچا لالچی شخص ہے وہ راضی ہوگیا۔ مروان نے مجھ سے طلاق لینے کی کوشش کی تو میں نے طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ پھر مروان نے حکومتی اختیار استعمال کرتے ہوئے میری بیوی کو طلاق دے دی اور مجھے زندان میں قید کر دیا۔ جب عورت کی عدت پوری ہوئی تو مروان نے میری بیوی سے نکاح کر لیا اور مجھے آزاد کر دیا۔

میں آپ کے پاس مروان کے ظلم کی شکایت کرنے آیا ہوں اور آپ سے انصاف کا طالب ہوں۔

معاویہ نے یہ داستان سن کر کہا: تو نے مجھے عجیب کہانی سنائی ہے اور اس کی نظیر آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔

پھر معاویہ نے مروان کو خط لکھا جس میں تحریر کیا مسلمانوں کے والی کو چاہئے کہ وہ ان کی ناموس کا محافظ بنے اور نفس کی لگام اس کے اپنے ہاتھ میں ہونی چاہئے میرا یہ خط ملتے ہی اس شخص کی بیوی کو آزاد کر دو اور اس شخص کے ہمراہ شام روانہ کرو۔

معاویہ نے یہ خط لکھ کر اعرابی کو دیا اور اپنا ایک غلام بھی اس کے ہمراہ روانہ کیا جب مروان نے اس شخص کو معاویہ کے غلام کے ہمراہ دیکھا تو اس نے سمجھا کہ شاید معاویہ نے مجھے حکومتی عہدہ سے معزول کر دیا ہے۔

پھر اس نے خط پڑھا تو اس نے سعادنامی اس عورت کو طلاق دے دی اور دمشق روانہ کر دیا۔ جب وہ شخص اپنی بیوی کو لے کر معاویہ کے پاس آیا اور معاویہ کی اس عورت پر نظر پڑی تو اس کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور اعرابی سے کہا: تمہاری چچازاد یہی عورت ہے؟ اعرابی نے کہا: جی ہاں یہی میری بیوی ہے جس پر مروان نے ناحق قبضہ کر لیا تھا۔

معاویہ نے کہا: اگر تم چاہو تو میں تین قبائل کے سرداروں کی بیٹیوں سے تمہارا نکاح کرا دیتا ہوں اور تمہیں اتنی دولت بھی دیتا ہوں کہ جس سے تم پوری زندگی آرام سے بسر کر سکو گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم اس عورت سے دست بردار ہو جاؤ۔ میں خود اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔

لیکن اعرابی کسی صورت راضی نہ ہوا اور کہنے لگا: معاویہ خدا کا خوف کر مروان نے یہی ظلم کیا تو اس کے ظلم کی شکایت میں نے تیرے پاس کی اور اب اگر تو بھی ظلم کرنے لگے تو میں تیری شکایت کس سے کروں گا۔

معاویہ نے کہا: تو نے ابھی خود اقرار کیا ہے مروان نے اس عورت کو طلاق دی ہے اب ہم اسے آزاد کر کے اس سے دریافت کر لیتے ہیں کہ یہ کس سے نکاح

کرنا چاہتی ہے۔

یہ کہہ کر معاویہ نے عورت سے مخاطب ہو کر کہا کہ سعاو! تین امیدواروں میں سے تم ایک کا انتخاب کرو۔ (۱) معاویہ جس کے پاس اقتدار حکومت ہے۔ (۲)مروان جو حکومت کے ایک اعلی عہدہ پر فائز ہے۔ (۳) تیرا یہ چچا زاد جو کہ بالکل مفلس اور قلاش ہے۔

عورت نے کچھ دیر تک سر کو جھکائے رکھا پھر سر بلند کر کے کہا: معاویہ میں اپنے ابن عم کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے اپنے ابن عم کو جان بوجھ کر کوئی تکلیف نہیں دی۔ زمانے کی گردش نے ہمیں یہ دن دکھائے ہیں ورنہ میں اپنے ابن عم سے عشق کرتی ہوں اور کسی قیمت پر بھی اس سے جدائی نہیں چاہتی۔ میں غربت وافلاس پر صبر کروں گی اور ہمیں کسی مروان اور معاویہ کے دروازہ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

عورت کا یہ ٹکا سا جواب سن کر معاویہ نے اسے اپنے شوہر کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا کردار

ابن شہر آشوب مناقب میں لکھتے ہیں کہ مقام ابواء پر امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے کے ایک عورت آئی۔ امام علیہ السلام نے نماز مختصر کر کے اس سے پوچھا: تمہیں کوئی کام ہے؟

عورت نے کہا: جی ہاں مجھے آپ سے ہی کام ہے۔ آپ نے فرمایا اپنا کام بتاؤ۔

عورت نے کہا: میں بے شوہر ہوں اور نفسانی لذت کے حصول کے لئے آپ کے پاس آئی ہوں۔

آپ نے فرمایا: مجھ سے دور ہو جا۔ تو اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ کی آگ

میں جلانا چاہتی ہے۔ عورت نے اصرار کیا تو آپ نے خوف خدا کی وجہ سے رونا شروع کر دیا اور روتے ہوئے فرماتے تجھ پر افسوس مجھ سے دور ہو جا اور لحہ بہ لحہ آپ کا گریہ شدید سے شدید تر ہو گیا۔ عورت نے جب امام حسن علیہ السلام کو روتے دیکھا تو اس نے بھی رونا شروع کر دیا۔

امام حسین علیہ السلام گریہ کی آواز سن کر آئے تو دیکھا کہ بڑے بھائی رو رہے ہیں اور عورت بھی رو رہی ہے۔ امام حسن علیہ السلام کے رونے سے متاثر ہو کر امام حسین علیہ السلام رونے لگے۔

جب رونے کی آوازیں بلند ہوئیں تو آپ کے بہت سے احباب بھی آگئے وہ بھی رسول خدا کے نواسوں کو روتا دیکھ کر رونے لگے۔ اسی دوران وہ عورت وہاں سے روانہ ہوگئی۔ آنسوؤں کی یہ برسات کافی دیر بعد جا کر تھمی۔ امام حسین علیہ السلام اپنے بڑے بھائی کی ہیبت کی وجہ سے اس وقت رونے کا سبب دریافت نہ کر سکے۔

آدھی رات کے وقت جب کہ امام حسین علیہ السلام سوئے ہوئے تھے امام حسن کے رونے کی وجہ سے بیدار ہوئے اٹھ کر دیکھا کہ حسن مجتبیٰ رو رہے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ امام حسین علیہ السلام نے عرض کی: آپ نے کیا خواب دیکھا ہے؟

امام حسن نے فرمایا: میں اس شرط پر تمہیں خواب سناتا ہوں کہ جب تک میں زندہ رہوں کسی سے یہ خواب بیان نہ کرنا۔

امام حسین علیہ السلام نے کہا: مجھے آپ کی شرط قبول ہے۔

امام حسن مجتبیٰ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا خواب میں جناب یوسف علیہ السلام کو دیکھا لوگ انہیں دیکھنے کے لئے جمع تھے اور میں بھی ان کے دیکھنے کے لئے آگے

بڑھا جب میں نے انکا حسن وجمال دیکھا تو میں رونے لگا۔

یوسفؑ مجھے روتا دیکھ کر میری طرف بڑھے اور کہا: بھائی جان آپ کیوں روتے ہیں آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوجائیں۔

میں نے کہا: میں عزیز مصر کی بیوی کے حیلہ اور آپ کے امتحان کو یاد کرکے رو رہا ہوں اور یہ سوچ کر روتا ہوں کہ آپ نے اتنے مصائب برداشت کئے لیکن آپ نے اپنے دامن عصمت کو داغ دار نہ ہونے دیا۔

یوسفؑ نے کہا: بھائی آپ کے کردار کی بھی تو مثال نہیں ملتی۔ مقام ابواء میں بادیہ نشین عورت نے تمہیں گمراہ کرنے کی کوششیں کی تھی۔ مگر وہ اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہی اور آپ نے بھی تو اپنے دامن عصمت کو آلودہ نہیں ہونے دیا۔ (بحار الانوار۔ احوال حسن مجتبیٰؑ)

ہوس پرستی یا بت پرستی

اللہ تعالیٰ نے سورہ حشر میں ارشاد فرمایا: کمثل الشیطان اذقال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منك انی اخاف اللہ رب العالمین فکان عاقبتھما انھما فی النار خالدین فیھا وذلك جزاء الظالمین۔

شیطان کی طرح جب اس نے انسان سے کہا کہ کفر کر اور جب اس نے کفر کیا تو کہا کہ میں تجھ سے بے زار ہوں میں تمام جہانوں کے پروردگار اللہ سے ڈرتا ہوں ان دونوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ہمیشہ دوزخ میں ہوں گے اور ظلم کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں علامہ طبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں برصیصا نامی ایک عابد رہتا تھا۔ اس نے ایک طویل مدت تک اللہ کی عبادت کی یہاں تک کہ اس کی دعا سے دیوانے شفایاب ہونے لگے۔

ایک بڑے گھرانے کی لڑکی دیوانی ہوگئی تو اس کے رشتہ دار دعا کے لئے عابد کے آستانہ پر لائے۔ دعا کے لئے اپنی لڑکی کو اس آستانہ پر ٹھہرایا اور خود واپس چلے گئے۔ ابلیس لعین کو موقع ملا، اس نے عابد کے دل میں وسوسے پیدا کئے اور اسے برائی پر آمادہ کیا۔ لڑکی خوبصورت اور بے وارث تھی اور عابد کو کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ بالآخر عابد گناہ کا ارتکاب کر بیٹھا اور عورت حاملہ ہوگئی۔ برصیصا نے رسوائی کے خوف سے لڑکی کو قتل کرکے دفن کردیا۔ شیطان نے عورت کے بھائیوں کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور دفن کی جگہ سے بھی انہیں مطلع کیا۔

عورت کے بھائی شہر کے بادشاہ کے پاس گئے اور عابد کی شکایت کی۔ بادشاہ عابد کے آستانہ پر پہنچا اور اس سے واقعات دریافت کئے تو عابد نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ عابد کو صلیب پر لٹکایا جائے۔ جب عابد صلیب پر چڑھا تو ابلیس نے اس کے پاس آکر کہا: اس تمام دلدل میں تجھے میں نے پھنسایا تھا اور اب بھی اگر تجھے نجات کی ضرورت ہے تو میرا سجدہ کر میں تجھے صلیب سے اتار لوں گا۔

عابد نے کہا: اب جب کہ میں صلیب پر لٹکا ہوا ہوں تجھے سجدہ کیسے کرسکتا ہوں

ابلیس نے کہا: میں سر کے اشارہ پر بھی راضی ہوسکتا ہوں۔

عابد نے سر کے اشارہ سے اسے سجدہ کیا اور اسی وقت اس کی روح پرواز کر گئی۔ یوں ہوس پرستی کا نتیجہ بت پرستی بلکہ ابلیس پرستی کی صورت میں نمودار ہوا۔ (بحار الانوار ج ۱۴۔ ص ۴۸۷)

ہوس رانی کا بدترین انجام

جب موسیٰ علیہ السلام ستم کاروں کے شہروں کو فتح کر رہے تھے تو آپ نے ایک لشکر یوشع بن نون اور اپنے بہنوئی کالب بن یوحنا کی زیر سرکردگی روانہ فرمایا۔

جب یہ لشکر مرکز شہر کے قریب پہنچا تو شہر والے اکٹھے ہو کر بلعم باعور کے پاس گئے اور اس سے درخواست کی کہ موسیٰ بہت بڑا لشکر لے کر ہمارے شہر کے قریب آگیا ہے، آپ کے پاس اسم اعظم ہے اور آپ کی بددعا بھی کبھی رد نہیں ہوتی لہذا آپ موسیٰ اور اس کے لشکر کے خلاف بد دعا کریں۔ بلعم باعور نے کہا بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مومنین اور ملائکہ موسیٰ کے ہمراہ ہیں۔ میری بددعا ان پر کیا اثر کر سکتی ہے لوگوں نے جتنا بھی اصرار کیا بلعم باعور ان کی بات قبول کرنے سے انکار کرتا رہا۔

آخر کار لوگ بلعم باعور کی بیوی کے پاس گئے اور اسے بہت سے قیمتی تحائف دیئے اور تقاضا کیا کہ اپنے شوہر کو موسیٰ پر بددعا کے لئے آمادہ کرے۔

بیوی نے بلعم باعور کو بددعا کیلئے کہا، بلعم کسی طرح سے راضی نہ ہوتا تھا مگر بیوی کے مسلسل اصرار کی وجہ سے بلعم باعور بددعا کے لئے تیار ہو گیا۔

بلعم باعور نے سب سے پہلے اس امر کے لئے اپنے خدا سے استخارہ کیا تو خواب میں اسے اس عمل سے روکا گیا۔

اس نے بیوی سے کہا کہ مجھے روکا گیا ہے۔ بیوی نے کہا: آپ ایک مرتبہ پھر استخارہ کریں بلعم باعور نے دوبارہ استخارہ کیا تو اسے کوئی جواب نہ ملا۔

بیوی نے کہا: اگر خدا تمہیں روکنا چاہتا تو اس مرتبہ بھی تمہیں ضرور منع کرتا۔

اس طرح اس نے اپنی چرب زبانی سے بلعم باعور کو بددعا کے لئے آمادہ کر لیا۔

بلعم باعور بددعا دینے کے لئے اس پہاڑ کی طرف روانہ ہوا جس کے نیچے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی فوج نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

بلعم گدھے پر سوار تھا۔ جب پہاڑ کے قریب آیا تو گدھا زمین پر لیٹ گیا۔ بلعم باعور نے ہر چند اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن گدھا نہ اٹھا۔ جب بلعم باعور نے

گدھے کو زیادہ مارا پیٹا تو وہ چند قدم چلنے کے بعد پھر بیٹھ گیا۔ بلعم باعور نے اسے پھر مارا، گدھے نے چند قدم اٹھائے اور پھر زمین پر لیٹ گیا۔ بلعم باعور نے اسے بہت مارا پیٹا تو اللہ تعالیٰ نے گدھے کو بولنے کی قوت عطا فرمائی اور فصیح زبان میں گویا ہو کر کہا: بلعم تجھ پر افسوس تو مجھے کہاں لے جانا چاہتا ہے، تجھے یہ نظر نہیں آتا کہ ملائکہ مجھے آگے جانے سے منع کر رہے ہیں۔

آخر کار اس نے گدھے کو وہیں چھوڑا اور پیدل آگے چل پڑا۔ بلعم آگے آگے تھا اور شہر کے لوگ اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ بلعم اس پہاڑی پر چڑھا جس کے نیچے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی فوج نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔

بلعم موسیٰ علیہ السلام کو جب بھی بددعا دیتا تو اس کے زبان سے دعا نکلتی اور جب اہل شہر کی خیریت کیلئے دعا مانگتا تو اس کی زبان سے بددعا جاری ہوتی۔ یہ دیکھ کر اہل شہر نے سراسیمہ ہو کر کہا: بلعم! یہ کیا کر رہے ہو؟ تو اس نے کہا: میں اپنی مرضی سے ایسا نہیں کر رہا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ہمیں مغلوب کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت اس کی زبان منہ سے باہر نکل آئی اور کتے کی طرح ہانپنے لگا۔ اہل شہر سے مخاطب ہو کر بلعم باعور نے کہا: مجھے تمہاری کامیابی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، البتہ تمہیں ایک طریقہ بتاتا ہوں اگر تم نے اس پر عمل کیا تو قوم موسیٰ پر اللہ کا عذاب نازل ہو سکتا ہے۔

تم لوگ ایسا کرو کہ اپنی عورتوں کو حکم دو کہ وہ زیب و زیبائش کر کے خورد و نوش کا سامان لے کر بیچنے کے لئے موسیٰ کے لشکر میں چلی جائیں۔ اگر کوئی سپاہی کسی عورت سے فعل حرام کا ارتکاب کرنا چاہے تو اسے بالکل منع نہ کرے۔ میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ایک اسرائیلی فوجی نے بھی فعل حرام کر لیا تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔

شہر والوں نے اپنی حسین عورتوں کو بنا سنوار کر موسیٰ کے لشکر میں بھیج دیا۔

زمری بن شلوم جو کہ شمعون بن یعقوب کے خاندان کا سردار تھا وہ ایک خوبصورت عورت کو پکڑ کر موسیٰ کے خیمہ میں داخل ہوا اور کہا: میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری نظر میں اس عورت سے زنا کرنا حرام ہے؟ مجھے خدا کی قسم میں تمہارے قانون کی پابندی نہیں کروں گا۔

پھر وہ اس بدکار عورت کو لے کر اپنے خیمہ میں گیا اور اس سے غیر شرعی فعل سرانجام دیا۔ اسی لمحہ خداوند عالم نے موسیٰ کے لشکر میں طاعون کی وبا پھیلا دی جس سے ایک لحظہ میں بیس ہزار فوج ختم ہوگئی۔

اس وقت حضرت ہارون کا پوتا فخاص بن عیزار اپنے لشکر میں آیا تو بربادی کا مشاہدہ کیا۔ اس نے لوگوں سے اس کا سبب پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ وبا زمری بن شلوم کی لائی ہوئی ہے وہ نیزہ لے کر زمری بن شلوم کے خیمہ میں گیا تو ان دونوں کو غیر شرعی فعل میں مصروف پایا۔ یہ دیکھکراس نے دونوں کو اپنے نیزے سے قتل کر دیا اور اسی وقت طاعون کی وباء بھی ختم ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بلعم باعور کا قصہ اس آیت میں بیان فرمایا:
واتل علیهم نبا الذی اتیناه ایاتنا.

چند روایات

عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی خطبة له ومن قدر علی امراة او جارية فتركها مخافة الله حرم الله عليه النار وامنه من الفزع الاكبر وادخله الجنة فان اصابها حرم الله عليه الجنة وادخله النار وقالؐ فی موضع اخر اكثر ماتلج به امتی النار البطن والفرج۔

(وسائل جہاد نفس ص ۵۰۲،)

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد

فرمایا کہ: جو شخص کسی عورت یا لڑکی پر تسلط رکھتا ہو اور پھر وہ خوف خدا کی وجہ سے اس سے حرام فعل نہ کرے تو اللہ اس پر دوزخ حرام قرار دے گا اور اسے روز قیامت کے خوف وہراس سے محفوظ رکھے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا، اور اگر اس نے فعل حرام سرانجام دیا تو اللہ اس پر جنت کو حرام کردے گا اور اسے دوزخ میں داخل کرے گا۔

آپ ﷺ نے ایک اور مقام پر فرمایا: میری امت کے زیادہ تر افراد شکم پرستی اور شہوت رانی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: یقول الله تبارك و تعالی لابن آدم ان نازعك بصرك الی بعض ما حرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقين فاطبق ولا تنظر وان نازعك لسنك الى بعض ماحرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقين ولا تتكلم وان نازعك اخرجك الى بعض ماحرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقين فاطبق ولا تات حراما.

(وسائل جہاد نفس ص ۵۰۲،)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ابن آدم اگر تیری آنکھ تجھ سے اس چیز کے دیکھنے کا تقاضا کرے جس کا دیکھنا میں نے حرام کیا ہے تو میں نے تیری مدد کے لئے دو پپوٹے بنائے ہیں۔ پپوٹے بند کرلے اور حرام چیز پر نظر نہ کر۔ اور اگر تیری زبان تجھ سے اس چیز کا تقاضا کرے جسے میں نے حرام کیا ہے تو میں نے تیری مدد کے لئے دو لب بنائے ہیں لب بند کرلے اور گفتگو نہ کر اور اگر تیری شرمگاہ تجھ سے اس چیز کا مطالبہ کرے جسے میں نے حرام کیا ہے تو میں نے تیری مدد کیلئے دو رانیں بنائی ہیں ۔ رانوں کو ایک دوسرے سے ملالے اور فعل حرام نہ کر۔

خطب علیؑ فقال انما اهلك الناس خصلتان هما اهلكتا من كان قبلكم وهما مهلكتان من يكون بعد كم ۔ امل سينى الاخرة وهوى يفسل عن السبيل ثم نزل۔

(بحار الانوار ج ۱۵ ص ۱۰۷)

ایک دن امیر المومنین علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا اور فرمایا: لوگو! دو چیزیں انسانوں کی تباہی کا سبب بنتی ہیں۔ پہلی امتوں کو بھی ان دو چیزوں نے ہلاک کیا اور آنے والی نسلوں کو بھی یہی دو چیزیں ہلاک کریں گی۔ پہلی چیز وہ لمبی آرزوئیں ہیں جو آخرت کو فراموش کرادیتی ہیں اور دوسری چیز خواہش پرستی ہے جو گمراہی کا باعث ہے۔

آپ علیہ السلام نے یہی الفاظ کہہ کر خطبہ مکمل کر دیا اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

عن ابی جعفرؑ قال قال رسول اللہؐ يقول الله عزوجل وعزتى وجلالى وكبريائى ونورى وعلوى وارتفاع مكانى لايو ثر عبد هواه على هواى الاشتت عليه امره وبست عليه دنيا ه شغلت قلبه بها ولم اته الاما قدرت له وعزتى وجلالى وكبريائى ونورى وعلوى وارتفاع مكانى لايو ثر عبد هواى على هواه الااستحفظته ملائكتى وكفلت السماوات والارضين رزقه وكنت له من وراء تجارة كل تاجر واتته الدنيا وهى راغمة.

(وسائل جہاد نفس ص ۵۰۵)

امام محمد باقر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت وجلال اور کبریائی اور نور اور بلندی اور بلند مقام کی قسم جو بھی بندہ اپنے دل کی خواہش کو میری پسند پر ترجیح دے گا تو میں اس کے کام کو

پراگندہ کردوں گا اور میں اس کی دنیا کو اسکے لئے درہم برہم کروں گا اور اس کے دل کو دنیا میں مصروف کردوں گا اور پھر بھی اسے وہی کچھ دوں گا جو میں نے اس کے لئے مقرر کیا ہوگا۔

اور مجھے اپنی عزت وجلال اور کبریائی اور نور اور بلندی اور بلند مقام کی قسم جو بھی بندہ اپنی خواہش پر میری پسند کو ترجیح دے گا تو میں ملائکہ کو اس کی نگہبانی پر مقرر کروں گا اور زمین وآسمان کو اس کے رزق کا کفیل بنادوں گا اور ہر تاجر کی تجارت کے پیچھے میں اس کا پشتبان رہوں گا اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آئے گی۔

باب دہم

مخالفت نفس

مخالفت نفس کا ثمر

شہید ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے ابو الفرج جوزی کی کتاب مدہش سے نقل کیا ہے کہ بشر حافی بیمار ہوئے اور ان کی بیماری نے طول کھینچا تو تمام احباب ان کی صحت سے مایوس ہوگئے اور آخری چارہ کار کے طور پر ان سے کہنے لگے کہ آپ نصرانی طبیب کے پاس اپنا قارورہ روانہ کریں تاکہ وہ قارورہ دیکھ کر آپ کی دوا تجویز کردے۔

بشر نے کہا مجھے طبیب نے تو بیمار کیا ہے اور میں طبیب کی خدمت میں موجود ہوں وہ جو مناسب سمجھے گا میری دوا کرے گا۔

دوستوں کا اصرار بڑھا۔ آخر کار بشر اپنا قارورہ بھیجنے پر رضامند ہوگئے۔ جب ان کا قارورہ شیشے کی بوتل میں طبیب کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ایک مرتبہ دیکھ کر بوتل زمین پر رکھوادی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا: مجھے دوبارہ مریض کا قارورہ دکھاؤ، اسے دوبارہ مریض کا پیشاب دکھایا گیا۔

پھر اس نے بوتل زمین پر رکھوادی اور کچھ دیر بعد اس نے مریض کا پیشاب دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ الغرض اس نے تین بار مریض کا پیشاب دیکھا۔

نصرانی طبیب سے کسی نے پوچھا کہ تم تو اتنے بڑے حاذق طبیب ہو تمہیں

تین مرتبہ مریض کا پیشاب دیکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

طبیب نے کہا: خدا کی قسم میں پہلی مرتبہ ہی مریض کا پیشاب دیکھ کر مرض کی نوعیت سمجھ گیا تھا لیکن بعد میں دو مرتبہ میں نے ازراہ تعجب اسے دیکھا۔

اگر یہ پیشاب کسی نصرانی کا ہے تو یقیناً یہ کسی ایسے راہب کا ہے جس کا جگر خوف خدا سے پھٹ چکا ہے اور اگر یہ کسی مسلمان کا پیشاب ہے تو بشر حافی کے علاوہ یہ کسی اور کا پیشاب نہیں ہے۔ اسے بتایا گیا کہ تم نے صحیح تشخیص کی ہے واقعی یہ بشر حافی کا پیشاب ہے۔ نصرانی نے فوراً قینچی اٹھائی اور اپنے زنار کو کاٹ دیا اور مسلمان ہوگیا۔ بشر کا دوست دوڑتا ہوا بشر کے پاس آیا۔ بشر کی نگاہ جیسے ہی اپنے دوست پر پڑی تو کہا طبیب مسلمان ہوگیا ہے؟

دوست نے پوچھا تمہیں کس نے بتایا ہے؟ بشر نے کہا: ابھی ابھی میری آنکھ لگی تھی تو کسی نے مجھے خواب میں بتایا کہ طبیب مسلمان ہوگیا۔ پھر کچھ دیر بعد بشر حافی کی وفات ہوگئی۔ (روضات الجنات ص ۱۳۲)

ہم انشاء اللہ اسی کتاب کے باب توبہ میں بشر کی توبہ کا ذکر کریں گے۔

مخالفت نفس کی وجہ سے کافر کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی

بغداد کے بازار میں ایک کافر پہنچا لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے۔ وہ لوگوں کو ان کی نیت کا حال سناتا اور جو کچھ ان کے گھروں میں ہوتا وہ بھی انہیں بتلاتا تھا۔ کسی نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اس ماجرے سے آگاہ کیا تو آپ نے عام لباس پہنا اور بازار میں پہنچ گئے۔ آپ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تم اپنے دل میں کوئی نیت رکھ کر اس کا سوال کرو آپ کے ساتھی نے دل میں نیت کی اور پوچھا کہ بتاؤ میرے دل میں کیا ہے تو کافر نے اسی وقت بالکل صحیح صحیح بتادیا۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

اس کافر کو علیحدہ لے گئے اور فرمایا: تم نے یہ مقام کیسے حاصل کر لیا جب کہ یہ چیز تو نبوت کا ایک جزو ہے۔

کافر نے کہا کہ میں نے نفس کی مخالفت کر کے یہ مقام پایا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو نے نفس کے سامنے کبھی اسلام کو بھی پیش کیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں میرا نفس اسلام کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: جب تم نے ہمیشہ نفس کی مخالفت کی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں نفس کا کہنا مان لیا؟ تمہیں اس مسئلہ میں بھی نفس کی مخالفت کرنی چاہئے۔

اس نکتہ پر اس نے کچھ دیر تک غور کیا پھر مسلمان ہو گیا اور وہ اچھا مسلمان ثابت ہوا۔

اسلام لانے کے بعد وہ کبھی کبھار امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا ایک دن کسی نے اس سے پوچھا کہ مجھے میری نیت کا حال سناؤ۔

اس نے جتنی بھی غور و فکر کی اس شخص کی نیت کے حال سے واقف نہ ہو سکا۔

پھر اس نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ مولا میں جب تک کافر تھا میں اتنا روشن ضمیر تھا کہ لوگوں کی نیت کا حال بھی جان لیتا تھا لیکن جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھ سے میری روشنی چھن گئی ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر شخص کی محنت کا اسے ثمر ضرور دیتا ہے۔ جب تک تو کافر تھا تو مخالفت نفس کا ثمر اللہ تعالیٰ تجھے اسی دنیا میں دے دیتا تھا اور آخرت میں تیرا کوئی حصہ نہ تھا اور اب جبکہ تو مسلمان ہو گیا ہے تو تیرا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے وہ تجھے آخرت میں اس کا اجر ضرور دے گا اسی لئے اس نے دنیا میں تجھے اجر دینا چھوڑ دیا ہے۔ (کشکول بحرانی ص ۳۵۸)

ایک عابد کی مخالفت نفس

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک نہایت حسین و جمیل عابد رہتا تھا جو کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ چند ٹوکریاں سر پر اٹھائے بادشاہ کے محل سے گزرا۔ بادشاہ کی کنیز نے اسے دیکھا تو اس کے حسن و جمال سے متاثر ہوئی اور ملکہ کے سامنے اس کے حسن و جمال کی تعریف کی۔

ملکہ نے کنیز سے کہا کہ کسی بہانے سے عابد کو میرے سامنے لے آؤ۔ کنیز نے عابد سے کہا کہ میری ملکہ تمہیں بلا رہی ہے اور وہ تم سے چند ٹوکریاں خریدنا چاہتی ہے۔ عابد محل میں داخل ہوا تو ملکہ نے محل کے تمام دروازے بند کر دیئے اور اس سے فعل حرام کی خواہش کا اظہار کیا۔

عابد نے انکار کیا تو ملکہ نے کہا: اس کے بغیر تم محل سے نہیں جا سکتے۔

جب عابد نے اپنے لئے تمام راستوں کو مسدود پایا تو کہا: ملکہ! کیا محل کی چھت پر ایسی جگہ نہیں ہے جہاں میں ہاتھ منہ دھولوں؟

ملکہ نے کنیز کو حکم دیا کہ پانی کا آفتابہ لے کر اسے چھت پر لے جاؤ تاکہ یہ منہ ہاتھ صاف کر سکے۔

عابد چھت پر پہنچا تو اپنے آپ سے کہنے لگا: اے نفس عزیز! کئی سال کی عبادت آج کے ایک لایعنی فعل کی نذر ہو رہی ہے لہذا تو میرا کہا مان اور اس فعل حرام سے اپنے آپ کو بچا لے۔ پھر اس نے چھت سے زمین کا جائزہ لیا لیکن اسے ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی کہ جسے پکڑ وہ زمین پر اتر سکے۔ پھر اس نے ایک انتہائی فیصلہ کیا اور اپنے آپ کو محل کی چھت سے گرا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو حکم دیا کہ میرے بندے نے میری نافرمانی سے

بچنے کے لئے محل سے چھلانگ لگائی ہے، لہذا اسے اپنے پروں پر تھام لو۔ اسے چوٹ نہیں لگنی چاہئے۔

جبرئیل امین نے اسے فضا میں ہی اپنے پروں پر اٹھایا اور آرام سے زمین پر اتار دیا عابد کی ٹوکریاں محل میں رہ گئیں اور وہ خالی ہاتھ گھر لوٹ آیا۔

بیوی نے کہا کہ کچھ رقم لائے ہو تو بازار سے جاکر آٹا لے آؤ۔ عابد نے کہا آج مجھے کچھ بھی وصول نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود بھی میں چاہتا ہوں کہ ہمسایوں کو ہمارے فاقہ کا علم نہیں ہونا چاہئے۔ لہذا تم تنور کو روشن کرو تاکہ ہمسائے یہ سمجھیں کہ ان کے گھر بھی روٹی پک رہی ہے۔

بیوی نے تنور روشن کیا اور شوہر کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔ اسی اثنا میں ہمسایوں میں سے ایک عورت آگ لینے کے لئے عابد کے گھر میں آئی تنور سے آگ لی اور عابد کی بیوی سے کہا: تو عجیب عورت ہے، تنور میں روٹیاں پک کر تیار ہوچکی ہیں اور تو اپنے شوہر سے باتیں کر رہی ہے۔ عابد کی بیوی نے جاکر تنور میں جھانکا تو ہر طرف روٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ عورت نے روٹیاں اتاریں، اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے شوہر سے کہا کہ تو خدا کا پسندیدہ شخص ہے، اپنے خدا سے دعا مانگ کہ وہ ہمیں دولت مند بنادے عابد نے کہا: اس کی ضرورت نہیں ہمارے لئے یہی زندگی بہتر ہے۔ (انوار نعمانیہ ص ۱۱۷)

علمائے حقیقی کی روش

سید محمد منشار کی مرحوم فرماتے ہیں کہ میرزا حسن شیرازی (میرزائے بزرگ) اعلی اللہ مقامہ کی وفات کے بعد میرے والد محترم نے مجھے میرزا محمد تقی شیرازی (میرزائے کوچک) کی خدمت میں روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ اپنے آپ کو مجھ سے اعلم جانتے ہیں تو میں اپنے اہل وعیال کو آپ کی تقلید کا حکم دیتا ہوں اور

اگر آپ مجھے اپنے سے اعلم جانتے ہوں تو پھر آپ اپنے اہل وعیال کو میری تقلید کا حکم دیں۔

جب میں یہ پیغام لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرزا نے کچھ دیر غور وفکر کی اور فرمایا: آپ اپنے والد سے عرض کریں کہ آپ کیا سمجھتے ہیں؟

میں نے والد کو میرزا کا پیغام دیا تو میرے والد نے فرمایا کہ تم میرزا کے پاس واپس جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ اعلمیت کا آپ کے نزدیک میزان کیا ہے؟ اگر روایات میں دقت نظر کو آپ معیار قرار دیتے ہیں تو پھر آپ اعلم ہیں اور اگر آپ کے نزدیک میزان فہم عرفی ہے تو پھر میں اعلم ہوں۔

میں یہ جواب لے کر میرزا صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ جاکر اپنے والد سے عرض کریں کہ آپ ان میں سے کسے معیار قرار دیتے ہیں۔

یہ سن کر میرے والد نے کچھ دیر تک غور وفکر کیا اور فرمایا دور نہیں کہ وقت نظر میزان ہو۔ پھر انہوں نے ہمیں میرزا کی تقلید کا حکم دیا۔ (الکلام ۔ یجر الکلام ج ۱ ص ۱۲۷)

ایک عالم ربانی کا کردار

مرحوم شیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام کی وفات کے بعد علماء نے شیخ مرتضی انصاری کی تقلید کا حکم دیا۔

شیخ مرتضی نے کہا: اس وقت سعید العلماء مازندران میں موجود ہیں میں انہیں اپنے سے بڑا عالم تصور کرتا ہوں لہذا ان کی موجودگی میں میری تقلید کی ضرورت نہیں ہے۔ نجف سے دو عادل افراد کو سعید العلماء کے پاس مازندران بھیجا گیا اور ان سے انہوں نے تکلیف شرعی معین کرنے کی درخواست کی۔

سعید العلماء نے کہا کہ جب تک شریف العلماء کے حلقہ میں شیخ مرتضی

انصاری اور میں پڑھتے تھے تو اس وقت میں شیخ انصاری سے مقدم ہوتا تھا۔ لیکن نجف میں رہ کر شیخ انصاری نے جو علمی مقام بنایا ہے وہ اس وقت مجھے میسر نہیں ہے۔
سعید العلماء کے اس جواب کے بعد شیخ انصاری نے منصب زعامت کو قبول کیا۔ شیخ زہد و تقویٰ میں ابوذر غفاریؓ کے پیروکار تھے۔ ان کے پاس مومنین سہم امام روانہ فرماتے تھے مگر اس کے باوجود ان کی زندگی فقر و فاقہ سے عبارت تھی۔ حد یہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کے پاس مجلس ترحیم منعقد کرنے کے لئے کچھ رقم نہ تھی۔ (الکلام۔ یجر الکلام ج ا۔ ص ۱۲۷)

خواہش نفس پر غلبہ پانے والا غلام

امام صادق علیہ السلام کے پاس ایک غلام تھا جب آپ خچر پر سوار ہو کر مسجد جاتے تو اسے دروازۂ مسجد کے پاس کھڑا کر دیتے تھے اور وہ آپ کے آنے تک آپ کی سواری کی نگہبانی کرتا تھا۔

ایک دن غلام کے ہاتھ میں خچر کی باگ تھی اور امام علیہ السلام مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ خراسان کے چند مؤمنین امام علیہ السلام کی زیارت کے لئے آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے غلام سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری جگہ امام کی غلامی کروں اور اس کے بدلہ میں میری تمام جائیداد تم لے لو۔

یہ پیش کش سنکر غلام دل میں بہت خوش ہوا اور خراسانی سے کہا: میں امام علیہ السلام سے اس کیلئے مشورہ کرتا ہوں اگر انہوں نے اجازت دے دی تو ہم ایسا کریں گے۔

غلام امام عالی مقام کی خدمت میں آیا اور عرض: کی مولا! میں کئی برس سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں اگر اللہ کسی ذریعہ سے میری مالی مدد کردے تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟

آپ نے فرمایا: جب میں خود بھی تمہاری مالی مدد کرتا ہوں تو دوسرے کی مدد پر مجھے کیا اعتراض ہے۔
غلام نے مرد خراسانی کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تو ہماری غلامی سے تھک گیا ہے اور خراسانی ہماری غلامی پر راغب ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

غلام جانے کے ارادہ سے اٹھا اسے جاتا دیکھ کر امام علیہ السلام نے اسے آواز دی جب وہ بیٹھا تو آپ نے فرمایا: تو نے ایک عرصہ تک ہماری خدمت کی ہے اور اگر آج تو ہم سے جدا ہونا چاہتا ہے تو ایک نصیحت سن کر جا۔

قیامت کے دن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلال پروردگار کے نور سے متمسک ہوں گے اور حضرت امیر المومنینؑ رسول خداؐ سے متمسک ہوں گے اور باقی ائمہ امیر المومنین کے دامن سے متمسک ہوں گے اور ہمارے غلام اور شیعہ ہمارے دامن سے وابستہ ہوں گے۔

یہ فرمان سن کر غلام کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے عرض کی: مولا اب میں کہیں نہیں جاؤں گا میں آخرت کو دنیا پر ترجیح دوں گا۔

امام کی خدمت سے اٹھ کر خراسانی کو اپنے فیصلہ سے آگاہ کرنے کے لئے آیا تو خراسانی نے کہا: میں تیری شکل دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ تو نے اپنا سابقہ فیصلہ بدل دیا ہے۔ کیونکہ جب تو یہاں سے گیا تھا تو اس وقت تیرے چہرے کی کیفیت اور تھی اور اس وقت تیری کیفیت اور ہے۔

غلام نے خراسانی کو امام کا فرمان سنایا اور پھر خراسانی کو لے کر امام کی خدمت میں حاضر ہوا امام علیہ السلام نے خراسانی کی دوستی کو قبول کیا اور اپنے غلام کو بھی ایک ہزار اشرفی عطا فرمائی۔ (منتہی الامال ج ۲ ص ۱۲۰۔ بحار الانوار ج ۱۲ ص ۱۲۸)

عشق وعقل کی جنگ میں سرخرو کون ہوا؟

عبداللہ ذوالبجادین یتیم لڑکا تھا۔ بچپن میں ہی اس کا باپ مر گیا تھا۔ چچا نے اس کی پرورش کی اور چچا کی نگاہ شفقت کی وجہ سے اس کے پاس اونٹ اور گوسفند اور غلام وکنیز بھی آگئے تھے۔

زمانہ کفر میں اس کا نام عبدالعزی تھا اس کے دل میں اسلام کے شوق نے انگڑائی لی مگر وہ چچا کے خوف سے خاموش رہا آخر کار شوق عشق میں بدل گیا چچا کے پاس گیا اور اس سے کہا: چچا جان میرے دل میں مدت سے اسلام قبول کرنے کی خواہش ہے اب تک میں اپنی خواہش کو مصلحتوں پر قربان کرتا رہا لیکن اب میں اسلام کو ہر مصلحت پر ترجیح دوں گا۔

اس کے چچا نے کہا: اگر تو ہر قیمت پر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو پورے گھر کی دولت وثروت سے تجھے ہاتھ دھونا ہوں گے۔ کیونکہ تیرے گھر کی یہ دولت وفراوانی تیری اپنی پیدا کردہ ہرگز نہیں ہے یہ سب دولت میرے ہاتھوں کی پیدا کردہ ہے۔

بھتیجے نے چچا سے کہا کہ یہ تمام دولت آپ کو مبارک ہو میں مدینہ جانا چاہتا ہوں۔ چچا نے اس سے تمام دولت لے لی حتی کہ ایک جانگیے کے علاوہ اس کے جسم سے تمام لباس تک اتار لیا۔

نوجوان جانگیہ پہنے اپنی ماں کے پاس گیا اور کہا کہ میں مدینہ جانا چاہتا ہوں مگر میرے پاس کپڑے نہیں ہیں اگر آپ کے پاس کوئی فالتو کپڑا ہو تو مجھے عنایت کریں۔ مہربان ماں کے پاس ایک پرانی سے چادر تھی جس میں کئی پیوند لگے تھے۔ اس نے وہی چادر بیٹے کے حوالہ کردی۔

عبداللہ مدینہ پہنچا اس وقت رسول خدا جنگ حنین سے تازہ واپس تشریف لائے تھے۔ عبداللہ نے ماں کی عطا کردہ چادر کے دو حصے کئے ایک حصہ کو چادر بنا کر

پہنا اور دوسرے حصہ سے اپنے بالائی جسم کو ڈھانپا۔

غرضیکہ وہ اس حالت میں مدینہ وارد ہوا اور اصحاب صفہ کے پاس جا کر بیٹھ گیا رسالت مآب نماز فجر پڑھ کر اصحاب صفہ کے پاس آئے تو ان میں اس نوارد مہمان کو دیکھ کر فرمایا: نوجوان تمہارا کیا نام ہے؟

مہمان نے کہا: میرا نام عبدالعزی ہے اور فلاں قبیلہ سے میرا تعلق ہے۔

رسالت مآب نے فرمایا: آج سے تمہارا نام عبداللہ ہے۔ نوجوان نے اپنے آپ کو دو پرانی چادروں سے ڈھانپا ہوا تھا پرانی چادر کو عربی زبان میں بجاد کہتے ہیں۔ دو چادروں کی وجہ سے وہ عبداللہ ذوالبجادین کے نام سے مشہور ہوا یعنی دو پرانی چادریں پہننے والا عبداللہ۔

عبداللہ ذوالبجادین اصحاب صفہ کے ساتھ مسجد میں رہتا اور شب و روز قرآن کی تعلیم حاصل کرتا۔ جب رسول خدا جنگ تبوک کے لئے جانے لگے تو عبداللہ نے بھی جہاد کے لئے تیاری کی اور رسول مقبول کی خدمت میں عرض کی: آپ میرے لئے شہادت کی دعا فرمائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کسی درخت سے تھوڑی سی چھال لے کر آو۔ عبداللہ کیکر کی چھال لے کر آپ خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس چھال کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر اپنے بازو سے باندھ لے اور اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے دعا مانگی: خدایا! عبداللہ کا خون کافروں پر حرام فرما۔ یہ دعا سن کر عبداللہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں تو شہادت کا خواہش مند ہوں مگر آپ یہ دعا فرما رہے ہیں؟

رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: عبداللہ! میدان جنگ میں کفار کے ہاتھوں قتل ہونے والا فرد ہی شہید نہیں ہے۔ بلکہ جو شخص بھی جہاد کی نیت سے روانہ ہو اور

راستہ میں بیمار ہو کر مر جائے تو وہ بھی شہید ہے۔

عبداللہ آپ کی معیت میں تبوک کی طرف روانہ ہوا۔ تبوک پہنچ کر وہ بیمار ہو گیا اور چند روزہ بیماری کے بعد اس کی وفات ہو گئی۔ اس کی قبر تیار کی گئی۔ دفن کی رات بلال کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ رسول مقبول ﷺ نے اسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں داخل کر کے فرمایا:

خدایا! میں عبداللہ سے راضی ہوں تو بھی عبداللہ سے راضی ہوتا۔ عبداللہ بن مسعود کہا کرتے تھے کہ کاش اس رات عبداللہ کی جگہ میں قبر میں ہوتا۔ (روضۃ الصفا غزوہ تبوک)

نفس امارہ کی شکست

حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک بد قماش عورت نے بنی اسرائیل کے چند جوانوں کو ورغلایا ان میں سے ایک جوان نے کہا کہ اگر فلاں عابد بھی اس عورت کو دیکھ لے تو وہ بھی اس پر فریفتہ ہو جائے۔

عورت نے کہا: اچھا تو میں سب سے پہلے اسی عابد کے پاس جا کر اسے گمراہ کروں گی۔

زن بدکار عابد کے دروازے پر آئی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ عابد نے پوچھا: کون؟

اس نے بتایا کہ میں بے سہارا عورت ہوں آج رات آپ مجھے اپنے گھر میں پناہ دیں۔

عابد نے انکار کیا تو اس نے کہا: چند اوباش میرا پیچھا کر رہے ہیں اور دوڑتی ہوئی تمہارے دروازے پر پہنچی ہوں اگر تم نے دروازہ نہ کھولا تو وہ مجھے پکڑ لیں گے۔

عابد کو اس پر رحم آگیا، دروازہ کھولا، عورت اندر داخل ہوئی، پھر اس نے اپنی دلربا اداؤں سے عابد کو بہکانا شروع کر دیا۔ سفلی جذبات کے تحت عابد نے اپنا ایک

ہاتھ اس کے سراپا پر رکھا۔ مگر فوراً ہوش میں آگیا۔ اٹھا اور آگ جلائی اور اپنے اس ہاتھ کو انگارے سے داغنا شروع کر دیا۔

عورت نے چیخ کر کہا: آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟

عابد نے کہا: سفلی جذبات سے مغلوب ہو کر اس ہاتھ نے غلطی کی ہے۔ اسی لئے میں خود ہی اس کو آگ میں جلا رہا ہوں تاکہ کل دوزخ کی آگ میں جلنے سے محفوظ رہے۔

یہ دیکھ کر عورت اس گھر سے نکل گئی اور اس کے ہمسائیوں کو اطلاع دی کہ فوراً عابد کے گھر پہنچو ورنہ وہ جل جائے گا۔ جب ہمسائے عابد کے گھر میں داخل ہوئے تو وہ اپنے ہاتھ کو جلا چکا تھا۔ (بحار الانوار ج ۱۴ ص ۴۹۲ طبع آخوندی)

جسے گرم لوہا نہیں جلاتا تھا

ابن جوزی اپنی کتاب مدہش میں لکھتے ہیں کہ ایک پرہیزگار مصر گیا اور اس نے ایک لوہار کو دیکھا کہ وہ تپتے ہوئے سرخ لوہے کو اپنے ہاتھ سے بھٹی سے نکالتا ہے مگر گرم لوہا اس کے ہاتھ کو نہیں جلاتا۔

یہ حیرت ناک منظر دیکھ کر پرہیزگار ٹھہر گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ ہو نہ ہو یہ شخص مقرب بارگاہ ہے ممکن ہے یہ شخص اوتار واقطاب میں سے ہو۔ چنانچہ اس کے پاس جا کر اسے سلام کیا اور کہا: تجھے اس خدا کا واسطہ جس نے تیرے ہاتھ میں یہ تاثیر رکھی ہے میرے حق میں دعا فرما۔

یہ الفاظ سن کر لوہار رونے لگا: بھائی آپ نے میرے لئے جو رائے قائم کی ہے وہ صحیح نہیں ہے میں پرہیزگار اور صالح انسان نہیں ہوں۔

پرہیزگار نے کہا: بندہ خدا پھر تم ایسا کام کیسے کر سکتے ہو جو صالحین کے علاوہ عام افراد سے ممکن نہیں ہے؟

لوہار نے کہا کہ بھائی قصہ یہ ہے کہ میں ایک دن اسی دوکان پر اپنے کام میں مصروف تھا کہ ایک حسین وجمیل عورت میری دکان پر آئی اور یقین کریں کہ وہ عورت اتنی حسین تھی کہ میں نے اتنی حسین عورت اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔

اس نے آکر میرے سامنے اپنے فقر وفاقہ کی شکایت کی اور مدد طلب کی میں نے موقع کو غنیمت جانا اور کہا اگر تم میری جنسی پیاس بجھاؤ تو میں ہر طرح سے خدمت کرنے پر آمادہ ہوں۔

عورت نے بڑے پرجوش لہجہ میں جواب دیا: خدا کا خوف کر میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں۔

میں نے کہا: تو پھر میری دکان سے باہر چلی جاؤ۔ عورت میری دکان سے نکل کر باہر گئی، پھر چند لمحات کے بعد دوبارہ میری دوکان پر آئی اور آکر کہا۔ تنگدستی نے میری تمام تر طاقت سلب کر لی ہے، میں تمہارا مطالبہ ماننے پر آمادہ ہوں۔ پس میں نے دوکان بند کی اور اس عورت کو لے کر ایک خالی گھر میں آیا۔ جب میں عورت کو لے کر کمرہ میں داخل ہوا اور کمرہ کو اندر سے تالا لگایا تو عورت نے مجھ سے کہا: کمرہ کو کیوں بند کر رہے ہو؟

میں نے کہا: اس لئے بند کر رہا ہوں تاکہ کوئی ہمیں اس حالت میں نہ دیکھ لے جو ہماری شرمندگی کا سبب بنے۔

یہ سن کر عورت کا وجود بید کی طرح لرزنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور مجھ سے کہا: لوگوں کا تو تجھے اتنا خوف ہے، تو خدا سے کیوں نہیں ڈرتا؟

میں نے عورت سے پوچھا: تو اتنی خوف زدہ کیوں ہے اور کیوں اتنی لرز

رہی ہے؟ عورت نے کہا: میں اس لئے کانپ رہی ہوں کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے۔

پھر اس عورت نے کہا: بندہ خدا اگر تو مجھے آزاد کردے تو میں تجھ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اللہ دنیا و آخرت میں تیرے جسم کو آگ سے بچائے گا۔

عورت نے یہ بات اتنی تضرع آمیز لہجہ میں کہی کہ میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا۔ میں نے عورت کی مالی ضرورت پوری کی اور اسے روانہ کر دیا۔

عورت خوش ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

اسی رات میں سویا تو خواب میں مجھے ایک آواز سنائی دی کہ تو نے ایک عفیف عورت کی پردہ دری نہیں کی، ہم نے اس کی دعا کو تیرے حق میں قبول کر لیا، تجھے دنیا و آخرت میں آگ نہیں جلائے گی۔

اس دن کے بعد آگ مجھ پر اثر نہیں کرتی اسی لئے میں تپتے ہوئے لوہے کو ننگے ہاتھ سے پکڑتا ہوں تو بھی میرے ہاتھوں کو کچھ نہیں ہوتا۔ (ریاحین الشریعہ ج ۴ ص ۱۳۵)

حجلہ عروسی سے میدان جنگ تک

حنظلہ بن ابی عامر کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا جس شب کی صبح کو جنگ احد ہوئی حنظلہ پیغمبر خداؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کی: آج کی شب زفاف کی شب ہے مجھے گھر جانے کی اجازت دیں۔

آپ نے حنظلہ کو گھر جانے کی اجازت دی اور اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی

انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ واذاکانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستا ذنوا ان الذین لیستا ذنونك اولئك الذین یومنون باللہ ورسولہ فاذا استاذنوك لبعض شأنھم فاذن لمن شئت منھم.... الخ

مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ رسولؐ

کے پاس کسی اکٹھا کرنے والے امر کے سلسلہ میں ہوں تو اجازت لئے بغیر نہیں جاتے، اور وہ لوگ جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب وہ اپنے کچھ کاموں کے لئے آپ سے اجازت مانگیں تو جسے آپ چاہیں اجازت دے دیں۔

حنظلہ گھر آئے اور بیوی کے ساتھ شب زفاف بسر کی اور صبح دم اتنی جلدی سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے کہ غسل جنابت تک نہ کر سکے۔

حنظلہ کی دلہن نے قوم انصار کے بزرگوں کو بلایا۔ جب بزرگ آئے تو دلہن نے حنظلہ کے سامنے انہیں گواہ بنایا کہ آج رات ہم نے حقوق زوجیت ادا کئے ہیں حنظلہ چلے گئے۔ اس کی دلہن سے پوچھا گیا: تمہیں ہمیں گواہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ تو دلہن نے کہا: آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان میں ایک سوراخ پیدا ہوا اور میرا خاوند حنظلہ اس سوراخ میں چلا گیا، پھر سوراخ بند ہو گیا۔ اسی لئے مجھے یقین ہے کہ میرا دولہا میدان جنگ میں شہید ہو جائے گا، اگر کل کلاں میرے یہاں بچہ پیدا ہو تو اسے حنظلہ کی اولاد سمجھا جائے۔

مدینہ سے احد تک راستے میں حنظلہ کو پانی نہ ملا جس سے وہ غسل جنابت کرتے۔ میدان میں وارد ہوئے تو جنگ شروع ہو گئی۔ حنظلہ نے دیکھا کہ ابو سفیان گھوڑے پر سوار ہو کر دونوں لشکروں کے درمیان اپنا گھوڑا دوڑا رہا ہے۔

حنظلہ نے ابوسفیان پر جواں مردوں کا سا حملہ کیا۔ حنظلہ کی تلوار اس کے گھوڑے کی پشت پر لگی اور ابوسفیان گھوڑے سے گر پڑا۔ اس نے دوڑتے ہوئے آواز دی: گروہ قریش مجھے بچاؤ حنظلہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔

قریش کے بہت سے سپاہی ابوسفیان کو بچانے کے لئے آگے بڑھے ایک

کافر نے انہیں نیزہ مارا حنظلہ کو شدید زخم آیا اور وہی زخم ان کی شہادت کا سبب بنا مگر نیزہ کا زخم کھا کر بھی حنظلہ نے اپنے قاتل کا تعاقب کیا اور اپنی تلوار سے اسے قتل کر دیا بعد ازاں حنظلہ سنبھل نہ سکے زیادہ خون بہنے کی وجہ سے ان کی شہادت واقع ہو گئی۔

ان کی شہادت کے بعد رسول خدا نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ملائکہ سنہری برتنوں سے حنظلہ کو غسل دے رہے تھے۔ اسی لئے حنظلہ کو غسیل الملائکہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (سفینۃ البحار لفظ حنظل)

چند روایات

عن علی علیہ السلام قال لو صمت الدھر وقمت اللیل کلہ وقتلت بین الرکن والمقام بعثك اللہ مع ھواك بالغاما بلغ ان فی جنة ففی جنة وان فی نار ففی نار۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو پوری زندگی روزے رکھے اور پوری زندگی تمام رات عبادت میں بسر کرتا رہے اور تو رکن ومقام کے درمیان قتل ہو جائے تو بھی خدا تجھے تیری خواہشات کے ساتھ محشور کرے گا خواہ وہ خواہشات کسی بھی درجہ کی کیوں نہ ہوں۔ اگر تیری خواہشات جنت کی متقاضی ہوئیں تو جنت میں جائے گا اور اگر خواہشات دوزخ کی متقاضی ہوئیں تو تو دوزخ میں جائے گا۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۷۲۸)

عن امیر المومنینؑ قال ان رسول اللہؐ بعث سریة فلما رجعوا قال مرحبا بقوم قضوا الجھاد الاِصغر و بقی علیھم الجھاد الاکبر۔ قیل یارسول اللہؐ وما الجھاد الاکبر۔ قال ان افضل الجھاد من جاھد نفسه التی بین جنبیه۔

(وسائل کتاب جہاد ص ۵۰۲)

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند سپاہیوں کو جنگ کے لئے روانہ کیا اور جب وہ خیر وخوبی سے واپس آئے تو آپ نے فرمایا میں ان لوگوں کو خوش آمدید کہتا ہوں جو چھوٹا جہاد کر کے آئے اور جن کے ذمے بڑا جہاد کرنا باقی ہے۔

آپ سے پوچھا گیا :یارسول اللہ! بڑا جہاد کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: نفس سے جہاد کرنا اور فرمایا : افضل ترین جہاد یہ ہے کہ تو اپنے اس نفس کے ساتھ جہاد کرے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں موجود ہے۔

قال ابو عبداللہ احذروا اهوائكم كما تحذرون اعدائكم فليس شئى اعدى للرجال من اتباع اهوائم وحصائدالسنتهم.

(سفینۃ البحار لفظ ہوئی)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اپنی خواہشات سے ایسے بچو جیسا کہ تم اپنے دشمنوں سے بچتے ہو کیونکہ خواہشات کی اتباع اور بے ہودہ گوئی سے بڑھ کر کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے۔

عن ابی عبداللہؑ قال اشد مافرض اللہ علی خلقه ذكر الله كثيراً ثم قال اما لا اعني سبحان الله والحمد الله ولا اله الا الله والله اكبر وان كان منه ولكن ذكرالله عندما احل وحرم فان كان طاعة عمل بهاوان كان معصية تركها.

(مستدرک وسائل ج ۲ ص ۳۰۲)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے مشکل ترین چیز جو بندوں پر فرض کی ہے وہ بکثرت یاد الٰہی ہے۔

بکثرت یاد الٰہی سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ انسان سبحان اللہ والحمد

اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے اگرچہ تسبیحات اربعہ بھی ذکر الٰہی میں شامل ہیں لیکن یاد الٰہی سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ کو حلال وحرام کے وقت یاد کرے اگر انسان نے کوئی امر واجب سرانجام دینا ہو تو خدا کو یاد کرے اور اس کی برکت سے اپنا فرض ادا کرے اور اگر اسے فعل حرام سے سابقہ پڑ جائے تو اس وقت اللہ کو یاد کرے اور اس کی نافرمانی سے بچ جائے۔

عن الصادقؑ قال من ملك نفسه اذا رغب واذا رهب واذا اشتهى واذا غضب واذا رضى حرم الله جسده على النار.

(بحار الانوار ج ۱۵ ص ۲۰۲ حصہ دوم)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص معصیت کے ارادہ یا کسی اطاعت سے ڈرنے یا اپنی چاہت اور اپنے غضب ورضا میں اپنے نفس کا مالک بنا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو دوزخ پر حرام قرار دے گا۔

Presented by www.ziaraat.com